6
سلسلہ دعوت و اصلاح
کفر و شرک
شراب نوشی
فتنہ و فساد
حسد و کینہ
مشابہت کفار
شیاطین الانس
باہمی رنجش
فحاشی و بدکاری
جوا و سٹہ
بدعت و ضلالت
فلسفہ خیر و شر
حرام کاری
جنودِ ابلیس
قتل و غارت
معصیت و نافرمانی
بغض و عداوت
انسان
اور
شیطان
شیطان کے مکر و فریب سے بچاؤ کی تدابیر
قرآن و سنت کی روشنی میں
تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری
مبشر اکیڈمی

انسان
اور
شیطان
شیطان کے مکر و فریب سے بچاؤ کی تدابیر
قرآن و سنت کی روشنی میں
تالیف
حافظ مبشر حسین لاہوری
مبشر اکیڈمی
MUBASHIR ACADEMY
کفر و شرک
فتنہ و فساد
حسد و کینہ
باہمی رنجش
بغض و عداوت

مبشر اکیڈمی

قرآن و حدیث اور فکرِ سلف کی ترجمان

نام کتاب ---------- انسان اور شیطان

مصنف ---------- حافظ مبشر حسین لاہوری

تاریخ اشاعت ---------- جولائی 2004ء

تعداد ---------- 1000

قیمت ---------- 90 روپے

کمپوزنگ ---------- ندیم شکیل

ڈیزائننگ ---------- مدثر

ناشر: مبشر اکیڈمی لاہور PH: 0300 4602878 E-Mail: mubashir@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست.......انسان اور شیطان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

'شیطان' کے بارے میں مختلف ادیان و مذاہب میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور پایا جاتا ہے، کہیں اسے فرضی وجود کے ساتھ مختلف بتوں اور دیوتاؤں کی شکل میں تسلیم کیا جاتا اور قابل پرستش سمجھا جاتا ہے اور کہیں اسے انسان کے نفس امارہ اور خواہشِ شر کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔خود مسلمانوں میں بعض لوگ اس کے وجود کے انکاری رہے ہیں اور بعض اپنے کالے دھندے چلانے اور شیطان کو خوش کرنے کی خاطر آج بھی اس کی عبادت واطاعت کا شکار ہیں!

شیطان کیا ہے؟اسے کیوں پیدا کیا گیا؟اس کا انسان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ابلیس (شیطان اکبر)اور عام شیطانوں کا کیا تعلق ہے؟کیا شیطان ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے؟ شیطان انسان کو کیسے گمراہ کرتا ہے؟اس سے بچاؤ کی کیا تدابیر ہیں؟ان تمام سوالوں کے جواب قرآن وسنت کی روشنی میں کتاب ہذا میں دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں فلسفہ خیر وشر، دنیا میں ہونے والی برائیوں میں شیطان کا کردار، اور خود انسان کے ارادہ واختیار کی نوعیت وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس ضمن میں بہت سے گمراہانہ افکار کا رد بھی کتاب ہذا کی زینت ہے۔

اس کتاب کی تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں ائمہ سلف سے استفادہ کے علاوہ بھی بعض اہل علم سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا ہے جن میں معروف عربی عالم دین ڈاکٹر عمر سلیمان الاشقر،مولانا ابوالاعلی مودودیؒ،مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ،عبدالرحمٰن مبا کپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) کے نواسے مولانا غازی عزیز شامل ہیں۔ان علمائے کرام کے مباحث سے جہاں جہاں استفادہ کیا گیا ہے،اس کی نشاندہی اگرچہ کتاب کے حواشی میں موجود ہے مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کتاب ہذا مذکورہ بالا علماہی کی 'تحقیق وتصنیف' ہے جسے راقم الحروف نے اپنی ترتیب وتصحیح اور اضافے کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔اس لیے اگر کتاب میں کہیں کوئی خامی ہے تو اسے راقم الحروف کی طرف منسوب کیا جائے اور اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے۔

''سلسلۂ دعوت و اصلاح''

راقم الحروف نے آج سے کچھ عرصہ پیشتر 'سلسلہ دعوت واصلاح' کے عنوان سے ایک کتابی سلسلہ شروع کیا جس کا مقصد ایسی کتابیں منظر عام پر لانا تھا جو لوگوں کے عقائد ونظریات میں پائے جانے والے بگاڑ کی اصلاح کریں اور لوگوں کو براہ راست قرآن وسنت سے مربوط کریں۔اس سلسلہ کے تحت اب تک چار کتابیں شائع ہو کر بحمد اللہ خوب پذیرائی حاصل کر چکی ہیں اور امید ہے کہ اس سلسلہ کی باقی کتابوں کو بھی اسی طرح پذیرائی ملے گی۔ان شاء اللہ!

اس سلسلہ دعوت و اصلاح کے تحت چونکہ علمی وفکری مباحث پر مشتمل اصلاحی کتابیں پیش کرنا مدنظر ہے، اس لیے شروع ہی سے کوشش یہ کی گئی ہے کہ تحریر کو زیادہ سے زیادہ عام فہم اور دلچسپ اسلوب میں پیش کیا جائے تا کہ صرف اردو پڑھ لینے والے حضرات بھی اس سے اچھی طرح مستفید ہو سکیں۔آئندہ کتابوں میں اس بات کا اور زیادہ التزام خود قارئین محسوس کر لیں گے۔اس سلسلہ میں شامل کتابوں کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

✿ ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جن موضوعات کو زیر بحث لایا جارہا ہے ان کا تعلق ہماری عملی زندگی سے بہت زیادہ ہے۔ ✿ پھر ان میں پاک وہند کا مخصوص پس منظر اور علاقائی مسائل بھی مدنظر رکھتے ہوئے ہر موضوع پر مواد پیش کیا گیا ہے۔ ✿ ان کتابوں میں براہ راست قرآن مجید اور صحیح احادیث سے جا بجا استدلال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اہم مسائل میں صحابہ وتابعین کے اقوال اور علمائے سلف کے افکار کو بھی بطور خاص حوالے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ ✿ ہر کتاب میں اس موضوع سے متعلقہ مختلف مسائل کے حوالے سے پائی جانے والی افراط وتفریط، گمراہانہ فکر اور غلطی ہائے مضامین کی خاطر خواہ نشاندہی وتردید بھی کی گئی ہے۔ ✿ علمی وفکری مباحث کو ایسے دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا بوریت محسوس نہ کرے۔

اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی کتابوں پر جو علمی وعملی محنت ہو رہی ہے اس کا اندازہ یا مجھے ہے یا میرے رب کو۔ ہر موضوع پر لکھنے سے پہلے اس سے متعلقہ ہر طرح کا مواد اکٹھا کرنا، فوت شدگان اصحاب علم کے مایہ ناز لٹریچر کو کھنگالنا، وقت کے اہم اور ممتاز علما سے علمی تبادلہ کرنا، غلطی ہائے افکار کا شکار حضرات سے براہ راست بحث ومباحثہ کرنا، پھر کتابوں کی شکل میں جوہر خالص پیش کرنا...... چند ایسے اشارے ہیں جن سے اس تگ ودو کا کچھ اندازہ بہر حال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود خطا ونسیان کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے قارئین سے التماس ہے کہ جہاں کوئی علمی کوتاہی اور فنی خامی دکھائی دے اس سے مطلع فرما کر مشکور ہوں، شکریہ!

محتاج دعا واصلاح/حافظ مبشر حسین لاہوری؛ ناظم مبشر اکیڈمی، لاہور۔ 03004602878

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃُ الکتاب

مختلف ادیان ومذاہب کا 'تصورِ شیطان'!

شیطان کیا ہے......؟ اسے کیوں پیدا کیا گیا......؟ یہ کوئی وجود رکھتا ہے یا نہیں......؟ اگر رکھتا ہے تو اس کے پاس کس قدر قوت وطاقت اور اختیارات ہیں......؟ انسانوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے......؟ اس کے مکروفریب سے بچاؤ کے لیے کیا تدابیر کارگر ہو سکتی ہیں......؟؟

یہ اور اس نوعیت کے کئی ایک سوالات ہر انسان کے دل ودماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کے تمام ادیان ومذاہب اور اقوام وملل میں ان کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ 'شیطان' ایک وجود رکھنے والی مخلوق ہے۔ اگرچہ بعض فلاسفہ نے اسے بدی کی طاقت سے موسوم کرتے ہوئے ایک غیر وجودی چیز قرار دیا مگر اس کے باوجود وہ مجبور تھے کہ لوگوں کو بدی سے ڈرانے کے لیے وہ اسے کسی خوفناک اور مہیب تمثیل کے ساتھ بیان کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں تمام اقوام وملل میں شیطان کے نام سے مختلف بت، دیوتا وغیرہ پڑھنے، سننے اور عجائب گھروں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

"شیطان کی تاریخ" (از پال کیرس، مترجم: یاسر جواد) نامی کتاب میں

مختلف مذاہب کے لوگوں کے تخیلاتی شیطانوں کی فرضی صورتیں دکھائی گئی ہیں ۔یہی مصنف آخر میں لکھتا ہے کہ

''سبھی اقوام میں 'تصورِ شر' کو شخصی صورت دے دیا جانا یقینی امر ہے۔دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں جس کے اپنے شیطان وعفریت نہ ہوں جو دکھ ،اذیت اور بربادی کی نمائندگی کرتے ہیں ۔مصر میں تاریکی کی قوتوں سے خوف کھایا اور انہیں مختلف ناموں مثلاً سیت،بیس یا ٹائی فون سے پوجا جاتا تھا۔اگرچہ برہمن مت کے قدیم دیوتاؤں میں نیک اور بد دیوتاؤں کی تمیز نہیں کی گئی مگر ہم عظیم دیوتاؤں کے بادشاہ مہیش، پر عظیم دیوی 'مہامایا' کی فتح کے متعلق جانتے ہیں ۔بودھیوں نے شیطان کو''مار'' کی شخصی صورت دی جو تحریص دلانے والا شہوت اور گناہ کا باپ اور موت عطا کرنے والا ہے ۔'کالدیوں' نے 'تیامت' کو بے ترتیبی اور انتشار کا شخصی نمائندہ بنایا۔اہل فارس اسے 'انگرامینیو' یا 'اہرمن' (تاریکی کا شیطان) کہتے ہیں ۔قدیم ٹیوٹن اور Norsemen نے اسے Loki کا نام دیا۔'' [ص/۱۶۵،۱۶۶]

یہ تو تھا شیطان کے وجود کے بارے میں مختلف مذاہب کا نقطۂ نظر، باقی رہا شیطان سے متعلقہ دوسرے سوالات (مثلاً اس کے انسانوں سے تعلقات کی نوعیت،قوت وطاقت وغیرہ) کے حوالے سے لوگوں کے خیالات ،تو اس بارے میں تاریخی طور پر ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ ہر دور میں شیطان کو اپنا خطرناک دشمن سمجھتے رہے ہیں۔ کہیں کوئی تباہی ،آفت ،سیلاب ،نقصان وغیرہ کا سامنا ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شیطان اور اس کے لشکر یہ سب کچھ کررہے ہیں۔کوئی بیمار ہوتا ،کسی کا عزیز فوت ہوتا،کسی کے کاروبار میں خسارہ ہوتا،کسی کا مقصد پورا نہ ہوتا تو وہ یہی کہتا کہ میرا شیطان مجھ سے ناراض ہے۔ پھر اس شیطان کو راضی کرنے اور اپنے زعم میں اس کی طرف سے ہونے والے نقصانات سے بچنے کے لئے لوگ اپنے اپنے انداز میں اس کی پوجا کرتے ۔

اس پوجا و پرستش کے لیے لوگ بت کی شکل میں شیطان کی فرضی صورت بنا لیتے اور اپنی طرف سے جس انداز سے بھی اس کی پوجا و پرستش ممکن ہوتی اسے اختیار کرتے ۔ان شیطانوں کے نام پر نذرونیاز ،ان کے آگے رکوع وسجود اور ان کے نام پر صدقہ وخیرات

وغیرہ تو معمولی چیزیں تھیں جو یہ لوگ بروئے کار لاتے جب کہ ضرورت پڑنے پر ان شیطانوں کے ناموں پر انسانوں کی قربانیاں پیش کرنے سے بھی لوگ گریز نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک آدھ انسان کی ہر سال کی قربانی دے کر ہم شیطان دیوتا کو راضی کرلیں گے اور اس طرح ایک فرد پورے معاشرے کو مالی وجانی تباہی سے بچالے گا۔اہل مصر کا ہر سال ایک کنواری دوشیزہ کو دریائے نیل کے لیے قربان کرنا،اور ہندوؤں کا اپنے خود ساختہ معبودوں کو راضی کرنے کے لیے بچوں کو ان کے نام پر ذبح کرنا معروف تاریخ حقائق ہیں۔'کیپٹن جان سمتھ' نامی ایک مصنف نے اپنی کتاب 'ورکس آف کیپٹن' [ص ۴۷/۲] میں سترہویں صدی عیسویں میں ورجینا میں شیطان کی پرستش کا ایک منظر اس طرح بیان کیا ہے:

''......لیکن ان کا مرکزی خدا 'شیطان' ہے جسے وہ Okee (دیوتا) کہتے ہیں۔وہ اس سے محبت کرنے کی نسبت خوف زیادہ کھاتے ہیں۔ان کے معبدوں میں اس شیطان خدا کی شبیہ رکھی ہے جسے زنجیروں اور لوہے کی چیزوں سے مزین کیا گیا ہے۔ملک کے کچھ حصوں میں وہ ہر سال بچوں کی قربانی دیتے ہیں مثلاً جیمز ٹاؤن سے کوئی ۱۰ میل کے فاصلے پر واقع Quiyoughcohanoch میں قربانی اس طریقہ سے دی جاتی ہے کہ وہ ۱۰ تا ۱۵ سال کے ۱۵ لڑکوں کے جسم پر سفید رنگ مل کر لوگوں کے سامنے لاتے ہیں۔لوگ دوپہر تک ان کے گرد ناچتے اور گاتے ہیں۔دوپہر کے وقت وہ ان بچوں کو ایک درخت کی جڑوں پر بٹھادیتے ہیں۔پھر ان کے گرد پہرے دار کھڑے ہوجاتے ہیں۔پانچ افراد باری باری ایک لڑکے کو پکڑ کر لاتے اور نرسل سے بنے ہوئے کوڑوں سے مارتے ہیں۔ اس دوران عورتیں آہ وزاری کرتی اور اپنے بچوں کے کفن دفن کا انتظام کرتی ہیں۔اس کے بعد محافظ درخت کے تنے اور شاخیں کاٹ پھینکتے ہیں اور پھر بچوں کو مار کر ایک وادی میں پھینک دیا جاتا ہے۔سب لوگ نزدیک ہی بیٹھ کر دعوت اڑاتے ہیں۔قبیلے کے سردار سے اس قربانی کا مقصد پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ بچے ہرگز مرے نہیں تھے، بلکہ Okee یا شیطان نے ان کی بائیں چھاتی سے خون چوس لیا تھا یہاں تک کہ وہ بے جان ہوگئے۔باقی بچوں کو نو ماہ تک ویرانے میں رکھا جاتا ہے جہاں وہ کسی سے گفتگو نہیں کرسکتے۔انہی بچوں میں سے وہ اپنے پادری اور مذہبی پیشوا منتخب کرتے تھے۔وہ اس

قربانی کولازمی سمجھتے ہیں ،ان کے خیال میں اگر قربانی نہ دی گئی تو Okee یا شیطان انہیں تمام ہرنوں ،ٹرکیز ،اناج یا مچھلی سے محروم کردے گا اور پھرانہیں قتل کردے گا۔'' [شیطان کی تاریخ ،بحوالہ ص:۱۲، ۱۳]

سائنسی تحقیقات نے جب مختلف چیزوں کی حکمتوں اور علتوں تک رسائی حاصل کرلی تو بہت سے توہمات کی طرح شیطان کے وجود اور اس کی پرستش کو بھی ایک واہمہ قرار دے کر اسے مطلق طور پر نظر انداز کیا جانے لگا۔جبکہ فلاسفہ نے بھی یہ کہتے ہوئے اس بات کی تائید کی کہ شر (بدی ،نقصان ،وغیرہ) کا کوئی خارجی وجود نہیں بلکہ یہ انسانوں کے اندر پنہاں برے خیالات وجذبات ہیں جن کے اظہار سے دنیا میں فتنہ وفساد رونما ہوتا ہے اور اس میں کسی خارجی ہستی کو کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔لہذا کائنات میں نہ کوئی شیطان نامی وجود ہے اور نہ کوئی خدا (معاذاللہ!)

شیطان کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر

شیطان کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر جاننے کے لیے ہمارے پاس مستند ذریعہ قرآن وحدیث ہے۔قرآن مجید میں لفظ 'شیطان' کم وبیش نوے (۹۰) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔کبھی یہ لفظ جنات کے لیے استعمال ہوا،کبھی بدخصلت اور شریرالنفس ،انسانوں کے لیے اور کبھی ایک خاص وجود کے لیے ۔اسی طرح احادیث میں بھی یہ لفظ انہی معانی کے لیے بے شمار مواقع پر استعمال ہوا ہے۔

'شیطان' عربی زبان کا لفظ ہے اور اہل عرب ہر اس چیز کو شیطان کہہ دیتے ہیں جو انتہائی سرکش اور باغی ہو خواہ وہ انسان ہو یا جن یا کوئی جانور وغیرہ۔انسانوں کی نسبت جنات چونکہ زیادہ سرکش ہوتے ہیں اس لیے ان کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں ایک ایسے جن کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو پہلے فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا مگر جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو پیدکرکے اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے صاف انکار کردیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دی جائے تاکہ میں انسانوں کو گمراہ کرکے یہ ثابت

کر دکھاؤں کہ ان کی اکثریت تیری نافرمان ہوگی۔اللہ تعالیٰ نے ازراہ مصلحت اس کا یہ چیلنج قبول کیا اور اسے قیامت تک کے لیے زندگی دے دی۔

اس 'جن' کے لیے قرآن مجید میں 'ابلیس' اور 'شیطان' کے لفظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چونکہ اس نے قیامت تک زندہ رہنا ہے اور اتنی لمبی زندگی اللہ کی نافرمانی وسرکشی میں گزارنی ہے اس لیے اس سے بڑا سرکش اللہ کی مخلوق میں اور کوئی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسے ہی عام طور پر شیطان کہا جاتا ہے۔حالانکہ اس کے علاوہ اور شیاطین کا ذکر بھی ہمیں قرآن وحدیث میں ملتا ہے مثلاً سرکش جنات کو شیاطین کہا گیا ہے۔اسی طرح احادیث کے مطابق ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اسے گمراہ کرنے اور برائی کی ترغیبات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔اس فرق کے پیش نظر ابلیس کو 'شیطان اکبر' کہنا زیادہ موزوں ومناسب ہے۔

شیطان ایک خارجی وجود ہے

قرآن مجید کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ایک خارجی وجود رکھنے والی ذات ہے اور احادیث سے اس مفہوم کی مزید تائید ووضاحت ہوجاتی ہے مگر احادیث کے منکر اور قرآن کی من مانی تاویل کے ماہر عقل پرست شیطان کے وجود کو تسلیم کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں۔ان کے بقول شیطان اور ابلیس محض فرضی نام ہیں جو انسان میں پنہاں برے خیالات کی برائی اور شناعت وقباحت بیان کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔اس طبقہ فکر کے سرخیل سرسید احمد خان ہیں۔سرسید نہ شیطان اور جنات کے وجود کے قائل تھے اور نہ ہی وہ فرشتوں کے خارجی وجود کو تسلیم کرتے تھے بلکہ قرآن مجید میں مذکور معجزات کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان اشیا کو انسانی عقل تسلیم ہی نہیں کر سکتی۔

لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر شیاطین وجنات اور فرشتے کوئی خارجی وجود نہیں رکھتے تو قرآن مجید میں مذکور شیاطین وملائکہ کیا ہیں؟اس سوال کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ

''انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اوران دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں جو ہر ایک قسم کی نیکی وبدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور ان کی ذریات ہیں۔'' [تفسیر القرآن از سرسید ج:١ ص:٤٢]

اسی فلسفہ کو مسٹر پرویز نے اس طرح اختیار کیا:

''ملائکہ سے مراد، فطرت کی قوتیں ہیں جنہیں انسان جب چاہے مسخر کر سکتا ہے۔لیکن ابلیس سے مراد اس کے وہ جذبات ہیں جو قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلیں تو انہیں شیطان یا ابلیس سے تعبیر کیا جائے گا۔'' [قصہ ابلیس و آدم، ص:٤٨]

اس پر طرہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی اس خود ساختہ فکر کو عین قرآنی فکر باور کروانے کی کوشش کی حالانکہ قرآن مجید میں جا بجا شیاطین و جنات، فرشتوں اور انسانوں کو تین علیحدہ علیحدہ مخلوقات کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔مثلاً قرآن مجید میں مشرکین مکہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور جنات کو اللہ کا رشتہ دار کہا کرتے تھے اور ان کے خیال میں یہ وجود رکھنے والی غیر مرئی مخلوقات تھیں۔ان کے یہ خیالات قرآن مجید میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا﴾ [الزخرف/١٩]

''اور انھوں (کفار مکہ) نے فرشتوں کو اناث (یعنی خدا کی بیٹیاں) مقرر کر دیا، حالانکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔(اس کی بیٹیاں نہیں ہیں)''

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾

''اور انہوں نے خدا اور جنات میں رشتہ مقرر کرلیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ خدا کے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔'' [الصافات/١٥٩،١٥٨]

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید تو ضرور کی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں نہیں ہیں اور جنات بھی اللہ کے رشتے دار نہیں ہیں لیکن ان کے علیحدہ وجود کی اللہ تعالیٰ نے کوئی نفی نہیں فرمائی۔حالانکہ اگر ملائکہ اور شیاطین خود انسان ہی کی داخلی قوتیں ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کی ضرور وضاحت فرمادیتے کہ جنہیں تم جنات اور فرشتے سمجھتے ہو وہ تو خود تمہارے اندر ہی پنہاں قوتیں ہیں!!

ملائکہ کے بارے میں منکرین ملائکہ کے تمام شبہات کے رد کے لیے راقم الحروف کی کتاب "انسان اور فرشتے" ملاحظہ کی جاسکتی ہے، البتہ جنات وشیاطین کے بارے میں منکرین کی توجیہات وتاویلات اوران کے اعتراضات کا کافی وشافی جواب سید مودودیؒ کی کتاب "تفہیمات" کے حوالے سے ہم تیسرے باب کے آخر میں پیش کریں گے۔ان شاء اللہ!

شیطان اکبر، شیطان اصغر اور نفسِ انسانی

ابلیس تو وہ شیطان اکبر ہے جسے قیامت تک زندگی ملی ہوئی ہے جب کہ اس کے علاوہ ہر انسان کے ساتھ بھی ایک شیطان مقرر ہے جس کا تعلق شیطان اکبر کے ساتھ ہے اور یہ شیطان اکبر ہی کا کارندہ ہے ۔یہ ہمیں نظر تو نہیں آتا مگر ہمارے دل میں برے خیالات پیدا کرتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں خود انسان کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں اچھے خیالات بھی پیدا ہوتے ہیں اور برے بھی ۔نیک جذبات بھی اٹھتے ہیں اور بدخیالات بھی ۔یہ انسان کو خیر کے لیے بھی ابھارتا ہے اور شر کے لیے بھی آمادہ کرتا ہے۔

مزید برآں اچھے خیالات کو تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور فرشتوں کی حفاظت وغیرہ سے مزید تقویت ملتی ہے جب کہ برے خیالات سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے ۔انہی برے خیالات کا عملی اظہار فتنہ وفساد ،حسد وکینہ ،بغض وعناد ،کفر وشرک ،بغاوت وسرکشی ،قتل وغارت گری وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے جس سے شیطان خوش اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔اس لیے ہر وہ کام جو اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ بنے وہ 'شیطانی' کام ہے۔

شیطان کا مقصدِ پیدائش

شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ اس کے ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لے سکے کہ کون شیطان کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون اللہ کی فرمانبرداری پر قائم رہتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے نہ تو انسان کو زبردستی ہدایت کی راہ پر گامزن کیا ہے اور نہ ہی شیطان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جبراً انسان کو گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جائے۔

شیطان کی قوت وطاقت کی حقیقت

شیطان کی پرستش کا نظریہ اس بات پر قائم ہوا کہ شیطان جو چاہے نقصان برپا کرسکتا ہے حالانکہ یہ نظریہ ہی بدیہی طور پر غلط تھا۔ اس لیے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم واذن سے ہی ہوتا ہے۔ اس کی اجازت ورضامندی کے بغیر نہ ہوا میں تندی آسکتی ہے اور نہ پانی میں طغیانی۔ باقی رہا شیطان کی قوت وطاقت کا سوال تو اسے اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے اسے مطلوبہ حد تک پورے ہتھیار بھی عطا کردیے ہیں تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو اسلحہ نہیں میں کیسے انسانوں کا مقابلہ کروں گا۔ شیطان کا یہ اسلحہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

۱۔ یہ انسانوں کو نظر نہیں آتا۔

۲۔ انسانوں کے دلوں میں برے خیال القا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

۳۔ انسان کے جسم میں داخل ہوسکتا ہے۔

۴۔ برائی کو انسان کے لیے مزین کرسکتا ہے۔

۵۔ ہر جگہ آنے جانے کی بے پناہ قوت اور سرعت رفتار بھی اسے حاصل ہے۔

شیطان سے بچاؤ کی تدابیر

دوسری طرف شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے انسانوں کو بھی مطلوبہ ہتھیار دیئے گئے ہیں جن کی نوعیت یہ ہے کہ:

۱۔ انسان کو شیطان کی دشمنی سے متنبہ کیا گیا۔

۲۔ شیطان کے مکروفریب اور برے وسواس سے بچاؤ کے لیے وظائف بتائے گئے۔

۳۔ جس طرح ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان متعین ہے اسی طرح اس سے بچاؤ کے لیے ایک محافظ بھی فرشتے کی شکل میں ہر انسان کے ساتھ متعین کیا گیا ہے۔

۴۔ ہر برائی کے بارے میں صاف صاف آگاہ کردیا گیا ہے کہ یہ برائی ہے۔

۵۔ اور اس سے بچنے کے لیے اس کے دل میں خدا کے غضب اور جہنم کے عذاب کا خوف بھی پیدا کیا گیا ہے۔

۶۔ گناہ ہوجانے کے بعد توبہ واستغفار کا راستہ بھی رکھا گیا۔

فلسفۂ خیر وشر اور شیطان کا کردار......!

خیر کیا ہے اور شر کیا...... ؟ یہ دو مستقل چیزیں ہیں یا ایک ہی چیز کے دو مختلف پہلو......؟ ان کی تعریف وتمیز کی بنیاد خواہش وعقلِ انسانی ہے یا فطرت ووحیِ خداوندی ......؟ ان کا خالق ایک ہی ہے یا دو الگ الگ ......؟ خیر وشر کے اظہار میں انسان اور شیطان کو بھی کچھ عمل دخل حاصل ہے یا نہیں......؟؟

یہ وہ سوالات ہیں جو ہر دور میں فلاسفہ وحکما کے غور وفکر کا موضوع اور رائے زنی کا تختۂ مشق بنے رہے۔ اسلامی دور کے فرق ہائے ضالہ مثلاً قدریہ (معتزلہ) جبریہ وغیرہ نے بھی ان سوالوں کو اپنے انداز میں حل کرنے کی کوشش کی اور اهلسنة والجماعة کے علما نے بھی اس پر روشنی ڈالی۔ یہ مسئلہ چونکہ زیرِ نظر کتاب سے ایک لحاظ سے گہرا تعلق رکھتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں رائج مختلف فلسفیانہ افکار کا بالاختصار تجزیہ پیش کیا جائے اور آخر میں اهلسنة کے موقف کی ترجمانی کی جائے۔

اضافی اقدار کا فلسفہ......!

خیر وشر کے بارے میں ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ...... ''خیر وشر دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز کی دو مختلف حالتیں ہیں جو باہم مل کر کسی چیز کو حسن بخشتی ہیں......'' اسے 'اضافی ونسبتی اقدار' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ ''جس طرح پانی برودت کی وجہ سے برف یعنی ٹھوس اور سخت چیز کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر یہی برف، گرمی وحرارت کی وجہ سے پانی یعنی سیال اور نرم حالت اختیار کر لیتی ہے گویا چیز ایک ہی تھی مگر اس نے مختلف حالات میں اپنی صورت کو تبدیل کر لیا۔ اسی طرح جھوٹ کسی جگہ نیکی وخیر اور کسی جگہ بدی وشر ہوتا ہے مثلاً کسی کی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا خیر اور کسی کی جان لینے کے لیے جھوٹ بولنا شر ہے......''

خیر وشر کے اس فلسفہ میں دراصل اشیا اور اخلاقیات کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ اشیا کے بارے میں تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ ایک جگہ درست وفائدہ مند ثابت ہوتی ہیں اور وہی کسی اور جگہ اپنی افادیت کھودیتی ہیں مگر اخلاقیات کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اخلاقیات کے دائرہ میں جو چیز اچھی ہے وہ ہر جگہ اچھی ہے اور جو چیز بری ہے، وہ ہر لحاظ سے بری ہے مثلاً حق وسچ، عدل وانصاف، امانت ودیانت ہر دور میں اخلاق حسنہ میں شمار ہوتی چلی آئی ہیں جب کہ اس کے برعکس جھوٹ وباطل، ظلم وبے انصافی، خیانت وبے وفائی وغیرہ کا شمار ہر دور میں اخلاق سیئہ میں کیا جاتا رہا ہے۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ اخلاق حسنہ کو اخلاق سیئہ یا اخلاق سیئہ کو اخلاق حسنہ قرار دے دیا گیا ہو۔ حسن وقبح دو متضاد اخلاقی رویئے ہیں جو تا قیامت متضاد ہی رہیں گے۔

باقی رہی یہ بات کہ جھوٹ اگر بری عادت ہے تو کسی کی جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا کیوں معقول خیال کر لیا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر قاعدے میں استثنائی صورتیں ہوتی ہیں اسی طرح اس میں بھی استثنا پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص جانتا ہے کہ اس کے سچ بولنے پر ایک بے گناہ کی جان جاسکتی ہے اور جھوٹ بولنے سے اس کی جان بچ سکتی ہے تو ایسی صورت میں دراصل اس شخص کو بیک وقت دو متضاد اخلاقی رویوں کا ناگزیر سامنا ہوتا ہے، اگر وہ ایک رویے کو سامنے رکھے تو دوسرا مجروح ہوتا ہے اور دوسرا سامنے رکھے تو پہلے پر زد پڑتی ہے اور بیک وقت دونوں کو پورا کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہتا تو ایسی صورت میں خیر یہی ہے کہ وہ ایسی راہ اختیار کرے جو نسبتاً کم بری ہو۔

البتہ یہاں یہ بات واضح رہے کہ بسا اوقات خیر سے شر اور شر سے خیر کے پہلو بھی نکل آتے ہیں۔ یعنی مجموعی طور پر ایک چیز شر ہوتی ہے مگر کسی وقت اسی میں سے خیر وبھلائی بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

نیت وارادے کے معیار کا فلسفہ......!

خیر وشر کے بارے میں ایک نظریہ، یہ ہے کہ......''اس کا انحصار انسان کی نیت وارادہ

پر ہے یعنی اچھی نیت سے انسان جو کچھ بھی کرے وہ خیر ہے، خواہ چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے، شراب پیے یا زنا کرے...... نیت اچھی ہو تو یہ سب خیر ہے۔ اور اگر نیت بری ہو تو سب کام برے ہیں خواہ کوئی شخص کسی محتاج کی مدد اور کمزور کا تعاون کرے...... صدقہ وخیرات کرے یا دعوت وتبلیغ کا کام کرے۔ اس کی بڑی مثال یہ دی جاتی ہے کہ اگر ڈاکٹر کسی کی جان بچانے کی نیت سے اس کے جسم کا چیر پھاڑ (آپریشن) کرے تو وہ خیر ہے اور اگر قاتل کسی کو مارنے کے لیے اس کا جسم زخمی کرے تو وہ شر ہے......''

یہ فلسفہ بھی غلط ہے اس لیے کہ اس میں خیر وشر کی تراز و خود ہر انسان کے اپنے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ وہ کسی غریب کی مدد کی نیت سے امیر کے گھر ڈاکہ ڈالنے، مسجد بنانے کے لیے کس کی زمین پر قبضہ کر لینے، پیاس بجھانے کے لیے شراب پی لینے کو خود ہی درست قرار دے لیتا ہے خواہ اس طرح کرنے سے کسی پر ظلم ہو رہا ہو یا خدا کی نافرمانی، اسے اس سے کچھ غرض نہیں!!

پھر یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ ایک چیز کو ایک انسان تو خیر سمجھ رہا ہوتا ہے جب کہ دوسرا اسے شر قرار دیتا ہے۔ اس طرح خیر سمجھنے والا اسے پھیلانے کی اور شر سمجھنے والا اسے مٹانے کی کوشش کرے گا نتیجۃً ہر انسان دوسرے سے اُلجھے گا اور سارا معاشرہ فتنہ وفساد کی تصویر بن جائے گا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر اور قاتل کی جو مثال دی جاتی ہے اس سے استدلال صریح طور پر غلط ہے اس لیے کہ ڈاکٹر تو ایک مریض کی جان بچانے کے لیے خود اس کی خواہش ومرضی کے مطابق یہ کام کرتا ہے جب کہ قاتل تو مقتول کی منشا ورضا کے خلاف اپنی شرارت طبع کی بنیاد پر اس کے جسم پر خنجر چلاتا ہے، اس لیے اس مثال سے غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

لذت ومسرت کے معیار کا فلسفہ......!

خیر وشر کے بارے میں ایک نظریہ یہ ہے کہ......''جس کام سے انسان کو حقیقی و پائدار لذت اور مسرت حاصل ہو وہ خیر کا کام ہے اور جس سے لذت ومسرت کی بجائے رنج وغم پیدا ہو، وہ شر ہے......''

یہ نظریہ بھی غلط ہے اس لیے کہ ایک ہی چیز کسی کے نزدیک باعث لذت ہے تو کسی کے نزدیک باعث رنج والم ۔مثلاً باجے گاجے ،شور شرابا،موسیقی وغیرہ ایک شخص کے لیے مسرت کا سامان ہیں تو دوسرے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

اسی طرح اجتماعی سطح پر بھی ایک چیز کسی معاشرے کے لیے راحت وفرحت کا ذریعہ ہوتی ہے اور وہی کسی دوسرے معاشرے کے لیے ہلاکت و بربادی کا سامان !

مجموعی سود مندی کے معیار کا فلسفہ......!

خیر وشر کے بارے میں ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ...... ''جس کام میں فرد اور معاشرہ دونوں کا مفاد ہو وہ خیر اور جس میں دونوں کا نقصان ہو وہ شر ہے اور جہاں کہیں فرد اور معاشرے کے مفاد میں ٹکراؤ واقع ہو جائے تو ایسی صورت خیر دہ ہوگی جو معاشرے کے مفاد میں ہو......''

یہ فلسفہ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے قرین قیاس ہے مگر مطلق طور پر اسے بھی درست قرار نہیں دیا جاسکتا مثلاً اگر معاشرے کی اکثریت بدکاری ،شراب ،جوئے ،سود اور دیگر برائیوں کو اپنے لیے مفید قرار دے لے تو پھر یہ ساری چیزیں 'خیر' بن جائیں گی، حالانکہ اصولی طور پر یہ خیر نہیں ہیں !

عقل اور وحی کے معیار کا فلسفہ......!

خیر وشر کے بارے میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ...... ''فطرتی طور پر انسان کے شعور میں خیر وشر کو ودیعت کر دیا گیا ہے۔انسان کی فطرت خیر کو بھی از خود اچھی طرح پہچان لیتی ہے اور شر کو بھی......''

اس کے مقابلے میں دوسرا نظریہ ،یہ بھی ہے کہ...... ''انسان فطرتی طور پر نہ خیر کے بارے میں جانتا ہے اور نہ شر کے بارے میں ، بلکہ وحی الٰہی کے ذریعے جس چیز کو اس کے لیے خیر کہہ دیا جائے وہ خیر اور جس کو شر قرار دے دیا جائے وہ شر ہے......''

یہ دو الگ الگ نظریے ہیں ،اگر ان دونوں کو اکٹھا نہ کیا جائے تو ان پر الگ الگ بہت سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں البتہ اگر ان دونوں کو جمع کر لیا جائے تو پھر خیر وشر

کے بارے میں بہت سے عقدے کھل جاتے اور گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔اب اس کی تفصیلات آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمایئے:

خیر وشر کے بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات کا حاصل

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں خیر وشر کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کر رکھی ہے اور دوسری بات یہ کہ گردش ایام کے ساتھ انسان حالات وواقعات سے متاثر یا مرعوب ہوکر جب شر کو خیر سمجھنے لگتا ہے تو اس کی رہنمائی اور خیر کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی کتابیں اور نبی ورسول دنیا میں بھیجتے ہیں۔پھر ان نبیوں اور رسولوں کی بات ہی خیر ہوتی ہے۔خواہ ساری دنیا ان کی مخالفت پر ہی کیوں نہ اتر آئے!

خیر وشر کا انسانی فطرت میں ودیعت یا الہام کئے جانے کی دلیل کے لیے درج ذیل آیات پر غور کیا جاسکتا ہے:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾[الشمس/۷تا۱۰]

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی۔پھر (ہم نے) اس کو سمجھ دی برائی کی اور بچ کر چلنے کی۔جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملادیا، وہ ناکام ہوا۔''

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾[البلد/۸تا۱۰]

''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور زبان اور ہونٹ (نہیں بنائے؟)''

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾[الدھر/۳]

''ہم نے انسان کو سیدھی راہ دکھادی اب چاہے تو شکر کرنے والا بن جائے یا کفر کرنے والا''

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾[الروم/۳۰]

''اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے''

اللہ تعالیٰ کی اس فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان بلاتفریق، اسلام اور توحید کی

فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر معاشرتی ماحول اور غلط تربیت وغیرہ اس کی اس فطرت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

((کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ))

[بخاری: کتاب الجنائز: باب ماقیل فی اولاد المشرکین:حدیث (۱۳۸۵)]

''ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (اگر یہودی ہوں) تو اسے یہودی بنادیتے ہیں (عیسائی ہوں تو) عیسائی بنالیتے ہیں (اور مجوسی ہوں تو) مجوسی بنالیتے ہیں۔''

اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾

''اور جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا،اور انہیں خود اپنے اوپر گواہ بنا کر پوچھا:''کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟'' وہ (ارواح) کہنے لگیں: کیوں نہیں! ہم یہ شہادت دیتے ہیں (اور یہ اس لیے کیا) کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بالکل بے خبر تھے۔'' [الاعراف/۱۷۲]

گویا توحید باری تعالیٰ کا اقرار انسان کی فطرت ہی میں شامل کردیا گیا اور یہی توحید سب سے بڑی خیر ہے۔جب کہ اس کے مقابلہ میں سب سے بڑا شر 'شرک' ہے جو غلط تربیت سے پیدا ہوتا ہے اور شیطان بھی یہ چاہتا ہے کہ انسان کی اس فطرتی خیر کو شر سے بدل دیا جائے۔وہ اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا؟اس کا جواب ہمیں صحیح مسلم میں حضرت عیاضؓ سے مروی ایک حدیث سے ملتا ہے جس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((وانی خلقت عبادی حنفاء کلھم وانھم اتتھم الشیاطین فاجتالھم عن دینھم وحرمت علیھم مااحللت لھم وامرتھم ان یشرکوا بی لم انزل بہ سلطانا......))

''بے شک میں نے اپنے بندوں کو شرک سے پاک (یعنی دین فطرت پر) پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے جنہوں نے انہیں ان کے دین سے برگشتہ کردیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں،وہ شیطانوں نے ان کے لیے حرام کردیں اور

شیطانوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ یہ میرے ساتھ شرک کریں، جب کہ اس شرک کے حق میں، میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔'' (حدیث: ۲۸۶۵)

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ خیر وشر کو اصولی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ انسان کی اگر یہ فطرت کسی وجہ سے مسخ یا متاثر نہ ہوگئی ہو تو وہ خیر اور شر میں شعوری طور پر امتیاز کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ برائی کو بھی برائی ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہی برائی خود اس انسان کے ساتھ کی جائے تو یہ کبھی برداشت نہیں کرتا۔ ہماری اس بات کی تائید قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَاِذَا كَالُوهُمْ اَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ اَلَا يَظُنُّ اُولٰئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوثُونَ﴾ [المطففین ۱ تا ۴]

''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انہیں تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں مرنے کے بعد اٹھنے کا خیال نہیں!''

گویا انسان بخوبی یہ بات سمجھتا ہے کہ ماپ تول میں کمی ایک برائی یعنی شر ہے اور شریر الطبع انسان اپنے مفاد کے لئے دوسروں کے ساتھ اس شر کا ارتکاب تو کر لیتا ہے، مگر وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ اس کا ارتکاب کیا جائے!

انبیاء ورسل اور وحی ہدایت

جس طرح ہر انسان میں خیر وشر کے امتیاز کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے اسی طرح انہیں شر سے بچانے اور خیر پر گامزن کرنے کے لیے ہر دور میں اپنے نبی اور رسول بھی بھیجے، ان پر اپنی کتابیں اور صحائف نازل کئے، اور ان کی طرف اپنا پیغام ہدایت بھیجا تاکہ وہ لوگوں پر یہ واضح کرسکیں کہ اے اہل دنیا! جن چیزوں کو تم نے خیر سمجھ کر سینے سے لگا رکھا ہے وہ حقیقت میں خیر نہیں بلکہ شر ہے جسے تم نے جہالت، نادانی، سرکشی، یا کسی اور ایسے سبب سے اپنا رکھا ہے اور خیر تو وہ ہے جو وحی کی صورت میں اللہ

تعالیٰ نے ہماری طرف بھیجی ہے تا کہ ہم تمہیں اس سے آگاہ کریں۔اور جو ہماری بات مان کر ایمان لے آئے گا وہ کامیاب ٹھہرے گا اور جو انکار کرے گا وہ ناکام ہو کر خسارہ اٹھائے گا۔

یہ ہے خلاصہ اس چیز کا جو انبیاء ورسل اور آسمانی صحائف کے حوالے سے قرآن مجید کی مختلف آیات میں بیان ہوئی ہے تاہم بطور دلیل ہم ایک آیت پیش کئے دیتے ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔'' [الحدید:۲۵]

یہ سلسلہ رشد وہدایت خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر ختم کردیا گیا۔آپ پر نازل ہونے والی وحی بھی قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ ہوچکی ہے۔اب قرآن وحدیث ہی خیر وشر کا سب سے بڑا اور قطعی معیار ہے، جو اس معیار پر پورا اترے وہ خیر اور جو اس پر پورا نہ اترے وہ شر ہے۔اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں اشارہ ملتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾[محمد:۱،۲]

''جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کردیئے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس چیز پر بھی ایمان لائے جو محمد کریمؐ پر نازل کی گئی ہے اور در اصل ان کے رب کی طرف سے سچا (دین) بھی وہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ دور کردیئے اور ان کے حال کی اصلاح کردی۔''

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

''جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔'' [آل عمران:۸۵]

خیر و شر کے خالق کا مسئلہ

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ خیر کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن شر کو کس نے پیدا کیا......؟ اس کے متعلق نہ صرف غیر مسلم فلاسفہ میں بلکہ مسلمان متکلمین میں بھی اختلاف رہا ہے جبکہ مجوسیوں کا اس بارے میں نقطہ نظر یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کے خالق جدا جدا ہیں ان کے بقول خیر کے خالق کا نام 'یزداں' اور شر کے خالق کا نام 'اہرمن' ہے۔

خیر و شر کے دو الگ خالق تسلیم کرنا کسی طرح بھی قرآن وسنت کی تعلیمات سے موافقت نہیں رکھتا کیونکہ خالق ایک ہی ہے دو ہرگز نہیں اور پھر عقل بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس لئے کہ اگر دو الگ الگ خالق ہوں تو پھر کائنات کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ ایک کہے گا کہ میں نے رحمت نازل کرنا ہے دوسرا کہے گا نہیں میں نے عذاب نازل کرنا ہے۔ تو پھر آپ خود ہی سوچ لیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ [اس موضوع کی تفصیلات راقم کی کتاب "انسان اور خدا" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں (زیر تالیف)]

تاہم یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ پر موجود ہے کہ شر جس کے وجود سے مجال انکار نہیں، اس کا خالق کون ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے کہیں سوئے ادبی تو لازم نہیں آتی کہ اللہ کی طرف 'شر' کی نسبت کی جا رہی ہے! اور اگر شر کی نسبت اللہ کی طرف نہ کریں تو پھر بھی یہ سوال موجود ہے کہ آخر 'شر' کس نے پیدا کیا؟ اور آخر اللہ نے اس کی موجودگی کو کیسے 'برداشت' کر لیا......؟؟

ایک فلسفی نے اس عُقدہ کو اور پیچیدہ بنانے کے لئے یہاں تک کہہ دیا کہ:

"اگر شر کا وجود خدا کی مرضی سے ہے تو وہ (خدا) خیر مطلق نہیں ہو سکتا اور اگر شر خدا کی مرضی کے علی الرغم موجود ہے تو خدا قادر مطلق نہیں کہلا سکتا!"

[دیکھئے کتاب التقدیر از پرویز (ص ۱۲۲) پرویز کے بقول یہ بات طامس ایکونیس Thomas Aquinas کی طرف منسوب کی جاتی ہے]

شر کی نسبت اللہ کی طرف کرنے سے چونکہ سوئے ادبی کا اظہار ہوتا تھا اس لیے

قدریہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ انسان بذات خود اپنے افعال کا خالق ہے۔وہ اچھا کرے یا برا،اسے ہر لحاظ سے کامل اختیار حاصل ہے،حتی کہ وہ خود ہی اپنے افعال کا خالق ہے۔[تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:"شرح عقیدة الطحاویة"اص ٤٤٠]

قدریہ نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ تقدیر کچھ نہیں بلکہ انسان ہی سب کچھ ہے،وہی انسان خیر پیدا کرتا ہے اور وہی شر کو وجود میں لاتا ہے،البتہ بعض لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ خیر تو خدا پیدا کرتا ہے مگر شر کو انسان وجود بخشتا ہے۔اسی طرح کی رائے کا اظہار امین احسن اصلاحی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''رہ گیا یہ سوال کہ کیا خیر وشر دونوں کا خالق ایک ہی ہے یا ان کے الگ الگ خالق ہیں؟اگر خیر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور شر کا خالق کوئی اور ہے تو اس سے کائنات میں ثنویت لازم آتی ہے اور اگر خدا ہی خیر اور شر دونوں کا خالق ہے تو خدا جب خیر مطلق ہے تو وہ شر کا خالق کس طرح ہوسکتا ہے؟ تو اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کے اختیار وارادہ کے غلط استعمال کی وجہ سے دنیا میں شر پیدا ہوتا ہے۔انسان اپنے اختیار کو خیر کے لیے بھی استعمال کرسکتا ہے اور وہ اس کو بدی کے لیے بھی بروئے کار لاسکتا ہے۔یہ کائنات جن طبیعی قوانین پر قائم ہے،ظاہر ہے کہ وہ خالق کے لحاظ سے موجب خیر ہیں لیکن ان کے علم یعنی سائنس کو انسان کی خدمت میں بھی لگا دیا جاسکتا ہے اور مہلک ہتھیار بنا کر انسان کی تباہی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے،چھری،پھل،کاٹنے کے لیے بھی استعمال ہوسکتی ہے لیکن اس سے دوسرے انسان کو ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے۔یہ اب آپ کا اختیار ہے کہ آپ ایٹمی طاقت کو انسان کی بھلائی کے لیے استعمال کریں یا اس کی تباہی کے لیے۔اگر آپ ایٹمی طاقت کو انسانوں پر ظلم وستم ڈھانے کے لیے اور نسل انسانی کی تباہی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو آپ کو اس کا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار کا غلط استعمال ہوگا۔چونکہ اختیار وارادہ کی آزادی تو بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا،یہی نعمت تو اس کا درجہ حیوانات سے بلند کر کے اسے منصب خلافت پر فائز کرتی ہے۔اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اختیار کی آزادی سے پیدا ہونے والے شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔وہ تو سراسر خیر ہے۔یہ انسان کی نالائقی ہے کہ وہ اختیار کا

غلط استعمال کرتا ہے اور شر کا باعث بنتا ہے۔'' ['المیزان' (ص ۲۰۴، ۲۰۵) مقالہ :''خیر و شر کا مسئلہ'' از امین احسن اصلاحی.]

لیکن اس پر پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اختیار کی طاقت جس کے غلط استعمال سے شر پیدا ہوا، وہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ پھر اس سے جو شر پیدا ہوا وہ بھی تو اللہ نے تقدیر میں لکھ رکھا تھا۔ پھر بذات خود انسان جو ''شر کا باعث بنتا ہے'' اسے بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے۔ جب بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر قسم کی خلق کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ثابت ہوتا ہے تو پھر پہلے ہی قرآن کے بقول یہ تسلیم کیوں نہ کرلیا جائے کہ:

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [الرعد:١٦]

''تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔''

شر اللہ نے پیدا کیا ہے یا انسان کا سوئے اختیار اسے پیدا کرتا ہے؟ اس اختلاف کی وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات میں شر، ضرر، مصیبت وغیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور بعض میں انسان کی طرف کی گئی ہے، جس سے ایک طرف ان آیات میں ظاہری طور پر تعارض کی شکل پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف مذکورہ بالا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں **جمہور اهل السنة والجماعة** کا موقف کیا ہے؟ اس کی ترجمانی **عقیدة طحاویة** کے شارح نے بڑی تفصیل وعمدگی کے ساتھ اس کتاب کی شرح میں کردی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:

''وافعال العباد هی خلق الله وکسب من العباد'' [ص/۴۳۸]

''انسانوں کے افعال، فعل ہونے کے اعتبار سے انسانوں ہی کے ہوتے ہیں مگر خلق کے اعتبار سے ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔''

اسے آپ یوں سمجھئے کہ بدکاری اور گناہ وغیرہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نہیں کرتا بلکہ بندے کرتے ہیں مگر یہ چیزیں پیدا تو اللہ تعالیٰ ہی نے کی ہیں۔

اب اس پر سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ چیزیں یا بالفاظ دیگر انسان میں جو گناہ کی خواہش اور اختیار کے غلط استعمال کا محرک پیدا ہوتا ہے، یہ کیوں ہوتا اور کون کرتا ہے؟ کیا اس میں اللہ کا اذن یا مرضی شامل ہے یا نہیں؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ آزمائش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان میں خواہشاتِ نفس پیدا نہ کر دی جاتیں اور انہیں اچھے یا برے مقصد میں استعمال کرنے کا اختیار نہ سونپ دیا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں خواہشات بھی پیدا کیں اور ان کے اچھے یا برے استعمال کا اختیار بھی انسان کو دے دیا مگر اس کے باوجود اپنی مرضی بھی بتادی کہ...... میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو، خواہشات کو میری رضا کے تابع کرو، اچھائی و بھلائی کی راہ اختیار کرو۔ اور اس کے بدلہ میں، میں تمہیں جنت کی دائمی نعمتوں سے نواز دوں گا...... اس کے ساتھ تاکید مزید کے لیے یہ بھی بتادیا کہ میری نافرمانی وحکم عدولی گناہ ہے، گناہ کو میں بالکل پسند نہیں کرتا، اس کی سزا دنیوی ابتری اور اخروی عذاب کی شکل میں تمہیں ضرور دی جائے گی۔ اسی آزمائش اور امتحان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الملک:۱،۲]

''بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے؟''

واضح رہے کہ فلسفۂ خیر وشر کے سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی بڑی زوردار بحثیں اپنے فتاویٰ میں جا بجا کی ہیں۔ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر تیار ہو جائے۔ شیخ الاسلام چونکہ اہلسنۃ کے موقف کے نمائندہ وترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے اس بحث کے آخر میں ان کے فتاوٰی سے ایک مختصر وجامع بحث مذکورہ مسئلہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔

خیر وشر اور شیطان کا کردار......؟

قرآن وحدیث میں شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بالعموم اس لیے نہیں کی گئی کہ اس

سے کہیں اللہ کے بارے میں کوئی سوئے ادبی کا احتمال نہ ہو۔اس احتمال کے پیش نظر کہیں شر، ضرر اور مصیبت وغیرہ کو انبیاء کرام نے اپنی طرف اور کہیں شیطان کی طرف منسوب کیا ہے۔اس لیے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں شر پھیلے، خیر ختم ہو اور لوگ شر کے ارتکاب سے اس کے ساتھ جہنم میں جائیں۔شر اور اس سے متعلقہ صورتوں کی نسبت انسان ہی کی طرف یا شیطان کی طرف کیے جانے سے متعلقہ چند آیات درج ذیل ہیں:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾

''اور ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا (بھی) ذکر کر جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے۔'' [ص۔۴۱]

﴿فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَا اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ [الکہف۔۶۳]

''(حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلام کہنے لگے کہ) پس میں تو مچھلی بھول گیا تھا اور دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔''

﴿فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا جس سے وہ مر گیا تو موسیٰ کہنے لگے: یہ تو شیطانی کام ہے، یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔'' [القصص۔۱۵]

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

''(حضرت آدم علیہ السلام نے کہا) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' [الاعراف:۲۳]

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ [الشوری:۳۰]

''اور تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے۔''

﴿مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾

''تمہیں جو بھلائی ملتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمارے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔'' [النساء:۷۹]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز تہجد میں یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((وجهت وجهی للذی ...... والخیر کله فی یدیک والشر لیس الیک))

[مسلم: کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة النبی ﷺ ودعائه باللیل (٧٧١)]

''اور ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف سے نہیں ہے۔''

مذکورہ بالا آیات اور حدیث میں شر کی نسبت اللہ کی بجائے خود انسان یا شیطان کی طرف کرنے کا مقصد ادب الٰہی کا لحاظ ہے ورنہ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان شر کا خالق بن گیا ہے بلکہ حقیقی طور پر سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم اور اذن سے ہوتا ہے باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی اس میں شامل حال ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اللہ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ انسان خیر و بھلائی کی راہ اختیار کرے اور شر کی راہ اختیار نہ کرے۔ تاہم دنیا میں جو شر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا۔ گویا اذن الٰہی اور رضائے الٰہی میں یک گونہ فرق ہے۔ اس کی تائید میں بھی بہت سی آیات اور احادیث پیش کی جا سکتی ہیں تاہم بغرض اختصار ایک ہی آیت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾

''اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے! کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے آخر انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔'' [النسآء: ٧٨]

مذکورہ بالا آیت میں قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ کے الفاظ یہ واضح کرتے ہیں کہ خیر ہو یا شر، سب کچھ اللہ ہی کے اذن سے ہوتا ہے۔

امین احسن اصلاحی صاحب کا ابلیس کی موت کا دعویٰ!

اصلاحی صاحب یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ابلیس جنوں میں سے ایک جن تھا، علیحدہ وجود رکھتا تھا، حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے اس نے انکار اور بنی آدم کو گمراہ کرنے کا

مشن اس نے سنبھالا..... مگر وہ یہ نہیں مانتے کہ یہی ابلیس تا قیامت زندہ رہے گا جیسا کہ موصوف رقمطراز ہیں کہ

''یہ خیال کہ وہی شیطان جس نے حضرت آدمؑ کو دھوکا دیا تھا، ابھی تک زندہ ہے اور وہی انسانوں کو دھوکہ دیتا ہے، بالکل بچگانہ ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے جو اجازت مانگی تھی وہ اپنے مشن کو قائم رکھنے کی اجازت تھی تاکہ قیامت تک انسانوں کو گمراہ کر سکے اور یہ ثابت کر دے کہ خدا کی پیروی کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ اللہ میاں نے فرمایا کہ جا میں تجھ کو اور تیرے پیروؤں کو اجازت دیتا ہوں کہ انسان کو گمراہ کرو اور جو تیری پیروی کریں گے خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں صالحین اور ابرار بھی ہیں اور شیاطین بھی، جو قانون تمام جنات پر لاگو ہے وہی ابلیس پر بھی ہوگا۔ جب جنات ابدی مخلوق نہیں تو ان کا ایک فرد ابلیس کیسے ابدی ہو سکتا ہے۔ اس لیے شیطان کوئی ابدی مخلوق نہیں۔ لہٰذا ثنویت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔'' [المیزان (ص ۲۰۷) ایضا]

مذکورہ اقتباس میں ابلیس کی موت کے حوالے سے جو نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے، وہ اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے اور ویسے بھی سراسر محلِ نظر ہے اس لیے کہ اول تو جس بنیاد پر یہ سارا فلسفہ قائم کیا گیا ہے، وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے یعنی یہ بنیاد کہ...... ''ابلیس کو زندہ ماننے سے ثنویت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔''...... حالانکہ ابلیس کے زندہ ہونے سے ثنویت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ثنویت تو یہ ہے کہ خیر کی ساری طاقتیں ایک ذات کے پاس ہیں اور شر کی ساری طاقتیں دوسری ذات کے پاس۔ یہ مجوسیوں کا عقیدہ تو ہے مگر مسلمانوں کا نہیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے نزدیک ہر چیز کا خالق صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اگر اس کا حکم/اذن ہو تو دنیا میں عذاب، نقصان، تباہی و بربادی آتی ہے ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی طاقت ایسا نہیں کر سکتی!

اسی طرح اصلاحی صاحب کا ابلیس کی موت ثابت کرنا کسی محکم دلیل پر مبنی نہیں بلکہ محض ایک مفروضے پر مبنی ہے جو یہ ہے کہ...... ''جب جنات ابدی مخلوق نہیں تو ان کا ایک فرد ابلیس کیسے ابدی ہو سکتا ہے؟''...... ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو ایسا بالکل

ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی یہ تھی کہ ایسا ہو چنانچہ شیطان نے قیامت تک کے لیے زندہ رہنے کہ مہلت مانگی جو اسے دے دی گئی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ﴾ [الاعراف/۱۲]

''وہ (شیطان) کہنے لگا: ''مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا تجھ کو مہلت دی گئی''

شیطان ابلیس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میرے مشن کو قیامت تک مہلت دے دے بلکہ اس مشن کے لیے تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں خیر و شر کی ایک کشمکش رکھ دی ہے، جبکہ مذکورہ آیت سے معلوم ہو رہا کہ شیطان ابلیس نے خود زندہ رہنے کی مہلت مانگی ہے تا کہ وہ خود لوگوں کو گمراہ کرے۔ اور یہ بات ابلیس نے ان الفاظ میں اللہ کے حضور کہہ بھی دی تھی کہ:

﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ وَلَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ﴾

''جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہذا اب میں بھی تیری صراط مستقیم پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے بیٹھوں گا، پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے غرض کہ ہر طرف سے گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔'' [الاعراف/۱۶۔۱۷]

انہی آیات کے ضمن میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے عمومی انداز میں یہ بات بھی بیان فرمائی کہ:

﴿اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَقَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ﴾ [الاعراف/۲۷]

''بلاشبہ وہ (شیطان ابلیس) اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔''

اب اگر وہ ابلیس زندہ نہیں رہا تو پھر ہمیں وہ کیسے دیکھتا ہے؟ معلوم ہوا کہ ابلیس کو قیامت تک کے لیے زندگی ملی ہے۔ البتہ باقی شیاطین کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اسی طرح سورۂ انفال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں شیطان ابلیس بھی انسانی

شکل میں لشکر کفار کے ساتھ شریک ہوا تھا۔اگر وہ ابتدائے آفرینش سے جنگ بدر تک زندہ رہ سکتا ہے تو کیا بعید ہے کہ وہ بعد میں بھی زندہ رہے! علاوہ ازیں یہ بات یاد رہے کہ ابلیس ہی اپنی ذریت اور لشکروں کو پوری دنیا میں شر پھیلانے کے لیے روانہ کرتا ہے اور ان کی نہ صرف نگرانی بھی کرتا ہے بلکہ پوری پوری راہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔اس کی صراحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: شیطان اپنا عرش پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے لشکر (لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے روانہ کرتا ہے) اس کے نزدیک اس کے لشکر میں سب سے معزز وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے لشکر میں ایک فوجی آ کر کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں (فتنہ و برائی) کا کام کر کے آیا ہوں۔شیطان کہتا ہے: تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔پھر دوسرا آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں اور فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پھوٹ نہ ڈال دی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ پھر شیطان اس شخص کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے شاباش! تم نے واقعی ایک بڑا کام کیا ہے۔"

[مسلم : کتاب صفات المنافقین :باب تحریش الشیطان و بعثه سرایاه ...... (۲۸۱۳)]

ایک روایت میں صراحت کے ساتھ یہ بیان ہوا ہے کہ یہ لشکر ابلیس روانہ کرتا ہے، نا کہ کوئی اور۔اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

((ان عرش ابلیس علی البحر فیبعث سرایاه یفتنون الناس فاعظمهم عنده اعظمهم فتنة)) [مسلم :ایضا]

"بلاشبہ ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے اور پھر اپنے لشکر روانہ کرتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو فتنوں سے دوچار کریں۔اور ابلیس کے نزدیک سب سے زیادہ مقام و مرتبہ اسے حاصل ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرے"

لہٰذا ابلیس کے تا قیامت زندہ رہنے کے تصور کو کسی طرح بھی 'بچگانہ خیال' قرار نہیں دیا جا سکتا!

فلسفۂ خیر وشر اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

شیخ موصوف سے سوال کیا گیا کہ...... ''اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ''خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے ہے اور یہ کہ ''شر خود انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے تو شر کا ارتکاب کرے اور چاہے تو نہ کرے''۔ جب اس کے اس نقطۂ نظر کی تردید کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ﴾ [الاعراف/۲۸] ''اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔'' اور ﴿وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ [الزمر/۷] ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کفر کو پسند نہیں کرتا۔''

اس بنیاد پر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر شر انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے، اگر انسان چاہے تو شر پیدا ہوتا ہے (ورنہ نہیں) اور وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ شر کے بارے میں مجھے پورا اختیار (مشیت) حاصل ہے، میں چاہوں تو شر کا ارتکاب ہوسکتا ہے (ورنہ نہیں) کیا انسان کو یہ مشیت (اختیار) حاصل ہے یا نہیں؟

شیخ موصوف نے اس کا جو جواب دیا وہ درج ذیل ہے:

شیخ فرماتے ہیں کہ اس بحث سے پہلے دو باتیں بطور مقدمہ مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

(۱) پہلی تو یہ کہ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان وعمل صالح کا حکم دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اعمال حسنہ کو پسند کرتے ہیں اور نیک عمل کرنے والے کو عزت وتکریم سے نوازتے ہیں، انہیں ثواب اور اپنی دوستی عطا کرتے ہیں اور ان سے راضی ہوتے اور محبت کرتے ہیں اور یہ نیک اعمال بجالانے والے بھی اپنے رب سے محبت کرتے ہیں۔ یہی اللہ کے وہ لشکر ہیں جن کی نصرت کی گئی اور جنہیں غلبہ عطا کیا گیا ہے یہی اللہ تعالیٰ کے متقی دوست اور کامیاب ہونے والا گروہ ہے اور یہی اس کے نیک جنتی بندے ہیں۔ انہی میں سے انبیاء، اصدقا، شہداء، اور صلحاء ہوئے ہیں اور یہی صراط مستقیم پر

گامزن رہے ہیں۔ وہ صراط مستقیم جس پر چلنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب کیا یا جو گمراہ ہو گئے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفر وفسق، معصیت ونافرمانی وغیرہ جیسے اعمال سیۂ کے ارتکاب سے منع کیا ہے اللہ تعالیٰ ان اعمال سیۂ کو بھی ناپسند کرتے ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی۔ بلکہ ان پر تو اللہ تعالیٰ لعنت اور غضب فرماتے ہیں اور انہیں سزا دیتے اور ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں، یہی شیطان کے دوست ہیں۔ یہی جہنمی اور بد بخت ہیں۔ تاہم ان میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو کافروں اور فاسقوں کے بین بین ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر گناہ کا مرتکب کافر وفاسق ہی ہو۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو علم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے، اس کے سوا اور کوئی رب اور خالق نہیں ہے، وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ ہو نہیں سکتا۔ اس کے اذن وتوفیق کے بغیر نہ کچھ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی چیز سے بچا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کہیں جائے پناہ نہیں اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے، خواہ وہ ذات رکھنے والی اشیاء ہوں یا ان کی صفات وحرکات ہوں، یہ سب اللہ کی پیدا کردہ ہیں، اسی کی تقدیر ومشیت کی پابند ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی قدرت وطاقت سے باہر ہو اور اس کے افعال واختیارات میں کوئی دوسرا شریک نہیں بلکہ وہی سبحانہ وتعالیٰ ہے اور وہی وحدہ لاشریک ہے، اس کے لیے ساری بادشاہی اور اسی کے لیے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ جبکہ انسان ہر چیز میں اس کا محتاج ہے اور لحہ بھر کے لیے بھی اللہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دیں اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی پھر ہدایت بھی عطا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا دو بنیادی باتوں کے بعد اب ہم اصل بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دراصل جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل میں یہ بات ڈال دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرے اور اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لیے مدد کا مطالبہ کرے تو

اللہ تعالیٰ اس بندے کی اس کام پر مدد فرماتے ہیں اور اسے سیدھی راہ دکھا دیتے ہیں اور یہی چیز اس بندے کی دنیا و آخرت کی سعادت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو رسوا کر دیں تو وہ نہ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور نہ اس سے مدد طلب کرتا ہے اور نہ ہی اس پر توکل کرتا ہے چنانچہ پھر اس بندے کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے چنانچہ شیطان اس سے دوستی لگا لیتا ہے اور اسے سیدھے راستے سے روک دیتا ہے اور وہ دنیا و آخرت کے لحاظ سے بدبخت ٹھہرتا ہے۔

گویا (خیر و شر / ہدایت و ضلالت کے حوالے سے) جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس تقدیر سے کوئی شخص نکل نہیں سکتا اور نہ ہی لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے کوئی تجاوز کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر الزام نہیں لگا سکتا کیونکہ:

﴿فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [الانعام/۱۴۹]

”(آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے مقابلے میں) اللہ کی حجت کامل ہے لہذا اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“

گویا ہر طرح کی خوش بختی اللہ کا فضل و کرم ہے اور ہر طرح کی بدبختی اس کے عدل کا اظہار ہے۔ بندے کا کام یہ ہے کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے اور اللہ کے خلاف الزام تراشی نہ کرے، تقدیر پر ایمان لے آنا ہی ہدایت ہے جبکہ اس کے ذریعے اللہ کے خلاف حیل و حجت کرنا گمراہی و بدبختی ہے۔ اور تقدیر پر ایمان لانا انسان کو صابر و شاکر بنا دیتا ہے اس طرح انسان مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر کرتا ہے۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ نعمت اللہ کی طرف سے آتی ہے چنانچہ اس پر وہ اللہ کا شکر بجا لاتا ہے خواہ وہ نعمت انسان کو خود اپنے کسی اچھے کام کے نتیجہ میں ہی کیوں نہ حاصل ہوئی ہو اور اس نے اس کے لیے کتنی ہی تگ و دو کیوں نہ کی ہو لیکن یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اسے اچھے کام کی توفیق عطا کی ہے اور اس کے نتیجہ میں اسے انعام و ثواب سے نوازا ہے، اس لیے اس ساری کد و کاوش پر اللہ ہی کی تعریف کی جانی چاہیے۔ (اسی طرح تقدیر پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہے کہ) جب انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اگرچہ یہ

مصیبت کسی اور شخص کے ہاتھوں ہی کیوں نہ پہنچی ہو۔لیکن اسے بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے مسلط کیا تھا! یا انسان ہی اگر ایسے کام کرتا ہے (جس کے نتیجہ میں اسے شر و مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے) تو وہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی تقدیر میں لکھ رکھے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡـرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ۖ لِّـكَيۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰٮكُمۡ﴾ [الحدید۲۲:۲۳]

''کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہارے نفوس کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی کتاب میں ہے (اور) یہ بات بلاشبہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے تاکہ جو تمہیں نہ مل سکے اس پر تم غم نہ کرو اور جو اللہ تمہیں دے اس پر فخر نہ کرو۔''

اہل علم کا کہنا ہے کہ جب کسی آدمی کو کوئی مصیبت آئے اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر وہ اس مصیبت پر راضی ہو کر سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ جب وہ گناہ کر بیٹھے تو اس پر استغفار اور توبہ کرے اور تقدیر کے بہانے اللہ کے خلاف حجتیں قائم نہ کرتا پھرے اور یہ نہ کہے کہ یہ گناہ اللہ نے میری تقدیر میں لکھا تھا اور مجھے اسی کے ارتکاب پر مجبور کر دیا تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ انسان ہی گنہگار و نافرمان ہے۔اگرچہ اللہ نے اس کی تقدیر میں ارتکاب گناہ لکھا تھا اور اللہ کے اذن ہی سے اس کا ارتکاب ہوتا ہے مگر اس کے باوجود انسان کے ارادہ و اختیار سے یہ ہوا ہے، انسان خود حرام کھاتا ہے، اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، بے حیائی کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان نماز پڑھتا، روزہ رکھتا، حج اور جہاد کرتا ہے، گویا یہ تمام افعال انسان کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہی یہ سارے کام کرتا ہے، اس کے کرنے کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتے۔اس لیے اپنے اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کی سزا انسان ہی کو ملے گی (کیونکہ وہ فاعل ہے) جبکہ دوسری طرف یہ ساری چیزیں اور اس کے علاوہ بھی ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے (انسان خالق نہیں) اور اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ اور مشیت نافذہ کے اظہار کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ [غافر/۵۵]
''صبر کرو، بلاشبہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور اپنے گناہ پر معافی مانگو''۔ لہذا بندے کو چاہیے کہ وہ مصائب پر صبر اور گناہ پر استغفار کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے حیائی کا حکم نہیں دیا، اس کے کفر وفسق اور فتنہ وفساد کو اللہ پسند نہیں کرتا، اگر چہ ہر چیز کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اس کی منشا کے خلاف کچھ نہیں ہوتا، جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کو بھی یہ ارادہ واختیار دیا گیا ہے کہ وہ خیر کی راہ اختیار کرے یا چاہے تو شر کا ارتکاب کرے۔ اسے خیر کی بھی قوت حاصل ہے اور شر کی بھی، وہ خیر کے کام بھی کرتا ہے اور شر کے کام بھی، جبکہ ان تمام کاموں اور چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی اور رب، جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا!

اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ایک مشیت (یعنی ارادہ واختیار) اللہ تعالیٰ کا ہے اور ایک انسان کا۔ البتہ انسان کا ارادہ واختیار اللہ کے ارادہ واختیار کے تابع ہے جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

۱۔ ﴿إِنَّ هٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ سَبِيلًا وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [الدھر/۲۹:۳۰]
''یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ اختیار کرے اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہتا ہے اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔''

۲۔ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْتَقِيمَ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ﴾ [التکویر/۲۷:۲۹]
''یہ تو سارے جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت ہے، تم میں سے جو بھی سیدھا چلنا چاہتا ہو اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہو۔''

۳۔ ﴿اَیۡنَمَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِکَ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ حَدِیۡثًا مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ﴾[النساء/۷۸:۷۹]

''جہاں کہیں بھی تم ہو، موت تمہیں آ ہی لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچے تو کہتے ہیں کہ ''یہ اللہ کی طرف سے پہنچا ہے'' اور اگر کوئی مصیبت پڑ جائے تو کہتے ہیں کہ ''یہ تمہاری وجہ سے پہنچی ہے'' آپ (ان سے) کہئے کہ ''سب کچھ ہی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے'' آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے اگر تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور کوئی مصیبت پہنچے تو وہ تمہارے اپنے اعمال کی بدولت ہے۔''

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس تیسری آیت میں حسنات اور سیئات سے مراد اطاعت اور معصیت ہے اور اس پر لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ حسنات اللہ کی طرف سے اور سیئات انسان کے نفس کی طرف سے ہیں حالانکہ یہ دونوں گروہ اس آیت کو سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کیونکہ اس آیت میں حسنات اور سیئات سے مراد انعامات اور مصائب ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے:

﴿وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ﴾[الاعراف/۱۶۸]

''یعنی ہم خوشی اور تنگی کے ساتھ ان کا امتحان لیں گے، شاید وہ لوٹ آئیں۔''

مذکورہ بالا آیت (نمبر ۳) میں منافقین کے حوالے سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب انہیں کوئی اچھائی مثلاً نصرت، رزق، عافیت وغیرہ پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب انہیں کوئی مصیبت مثلاً سفر، دشمن کا خوف، بیماری وغیرہ پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: اے محمدؐ! یہ تیری وجہ سے ہے، کیونکہ تو ایسا دین لے کر آیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور ہمیں ان ان مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَالِ هٰؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ [النسآء/۷۸]

"آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔"

(اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال کو واضح کرتے ہوئے فرمایا) (اے نبیؐ) آپ تو انہیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں، آپ کو نصرت، رزق، صحت وعافیت وغیرہ کی شکل میں جو نعمتیں ملتی ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں جو آپ کو مل رہے ہیں اور آپ کو فقیری، عاجزی، خوف اور بیماری وغیرہ کی صورت میں جو برائی پہنچتی ہے وہ تو آپ کے گناہوں وغیرہ کی وجہ سے پہنچتی ہے جیسا کہ کئی اور آیات میں اس کی وضاحت اس طرح مذکور ہے:

۱۔ ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ﴾ [الشوریٰ/۳۰]

"اور تمہیں جو مصیبت آتی ہے تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کے سبب سے آتی ہے۔"

۲۔ ﴿أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ﴾

"بھلا جب تم پر مصیبت آئی تو تم چلا اٹھے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ حالانکہ اس سے دوگنا صدمہ تم کافروں کو پہنچا چکے ہو۔ (اے نبیؐ! آپ) کہہ دیجئے کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔" [آل عمران/۱۶۵]

۳۔ ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُوْرٌ﴾ [الشوریٰ/۴۸]

"اور اگر ان کی بداعمالیوں کے سبب کوئی تکلیف انہیں پہنچے تو انسان ناشکرا (ہی ثابت ہوا) ہے۔"

لہذا انسان کو جب اپنے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوتا ہے اور جب وہ استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی میں کشادگی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں اور اس کی ہر تنگی میں نکلنے کا راستہ کھول دیتے ہیں اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور واضح رہے کہ گناہوں کی مثال 'زہر' کی طرح ہے۔ یعنی جب انسان زہر کھاتا ہے تو اس سے بیمار ہوتا یا مر جاتا ہے تو گویا زہر کھانے والا خود انسان ہے جو بیماری اور تکلیف سے دوچار ہوتا اور مرتا ہے جبکہ زہر سمیت ان ساری چیزوں (یعنی بیماری،

موت وغیرہ) کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور انسان اس زہر کو کھانے کی وجہ سے بیمار ہوا اور اسے کھا کر اس نے اپنی جان پر خود ظلم کیا ہے اور اگر وہ اس سے بچاؤ کے لیے فائدہ مند تریاق استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے صحت وعافیت بھی عطا کر دیتے ہیں۔

اسی طرح گناہوں کی مثال بھی زہر جیسی ہے اور ان گناہوں کا تریاق توبہ واستغفار ہے اور انسان چونکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا محتاج وفقیر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہو تو انسان کو توبہ کی توفیق ملتی ہے اور جب انسان توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جب انسان اللہ سے سوال کرتا اور دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی پکار سنتے اور دعا قبول فرماتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ [البقرۃ/۱۸۶]

''اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو (کہیے) میں قریب ہوں، جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں دعا قبول کرتا ہوں، لہٰذا انہیں چاہیے کہ میرے احکام بجا لائیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔''

لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ انسان کو نہ خیر کا اختیار ہے نہ شر کا، وہ جھوٹ بولتا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ انسان اللہ کی مشیت واذن کے بغیر جو کچھ خود چاہے کر سکتا ہے وہ بھی غلط کہتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو خیر وشر میں سے ہر چیز کا اختیار حاصل ہے البتہ انسان کا یہ اختیار بھی اللہ کی مشیت وقدرت کے تابع ہے لہٰذا ان دونوں صورتوں پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ اوامر ونواہی کو بھی تسلیم کیا جا سکے اور ان کے نتیجہ میں جنت کے وعدے اور جہنم کی وعیدیں بھی تسلیم کی جائیں۔ اسی طرح تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر بھی ایمان لایا جا سکے اور اس بات پر بھی ایمان حاصل ہو سکے کہ انسان کو جو مصیبت پہنچی ہے اس سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں اور جو نہیں پہنچی اسے کوئی اور پہنچا نہیں سکتا۔''......[مجموع الفتاوی (ج ۸ ص ۱۴۳ تا ۱۴۶) طبع جدید]

باب اول (۱)

شیطان کیا ہے؟......ایک تعارف !

شیطان کسے کہتے ہیں؟

'**شیطان**' بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے۔اہل عرب ہر اس چیز کو '**شیطان**' بولتے ہیں جو سرکش اور باغی ہو۔خواہ وہ انسان ہو،جن ہو یا کوئی جانور۔[(۱)] یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بھی یہ لفظ (شیطان) سرکش وباغی انسانوں اور جنوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾[الانعام/۱۱۲]

''اسی طرح ہم نے شیطان صفت انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا جو دھوکہ دینے کی غرض سے کچھ خوش آئند باتیں ایک دوسرے کے کانوں میں پھونکتے رہتے ہیں۔''

اسی طرح عہد نبوی میں جو منافق وسرکش لوگ تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے **شیاطین** کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾[البقرۃ/۱۴]

''جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب وہ اپنے بڑوں (سرکش سرداروں) کے پاس جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں (اور) ان سے تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں۔''

مجموعی طور پر انسانوں کے مقابلے میں جنات چونکہ زیادہ سرکش مخلوق ہے اس لیے لفظِ شیطان کا زیادہ استعمال جنات کے لیے کیا گیا ہے۔مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام جن کے

(۱) [ملاحظہ ہو: 'لسان العرب' بذیل مادہ 'شطن']

لیے جنات اللہ تعالیٰ نے مطیع فرمان کر رکھے تھے، ان کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾

''اسی طرح بہت سے شیاطین (جنات) بھی ہم نے ان (یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام) کے تابع کیے تھے جو ان کے حکم سے (سمندر سے موتی نکالنے کے لیے) غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ بھی بہت سے کام کرتے تھے۔'' [الانبیاء/۸۲]

اسی طرح وہ جنات جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے آسمانوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کے فیصلے، تقدیر اور کائنات سے متعلقہ باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتے اور ان پر شعلے برسائے جاتے، انہیں بھی قرآن مجید میں شیاطین کہا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ [الجن ۸تا۱۰]

''ہم نے آسمان کو ٹٹول کر دیکھا تو اسے سخت چوکیداروں سے پر پایا، اس سے پہلے ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کیسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑا سرکش، نافرمان اور خدا کا باغی چونکہ 'شیطان اکبر' یعنی ابلیس ہے اس لیے یہ لفظ سب سے زیادہ ابلیس ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

انسانی شیاطین اور جناتی شیاطین

انسانی شیاطین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہیں تو ہماری طرح کے انسان، مگر سرکشی وبغاوت اور راہ حق سے دوری کی وجہ سے ان کے تمام اعمال شیطان اکبر کی رضامندی کے مطابق اور منشائے خداوندی کے خلاف وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کرۂ ارض پر جبر وستم کا جو مظاہرہ آج امریکہ کر رہا ہے اس کی بنا پر لوگ اسے 'بزرگ شیطان' (یعنی شیطان اکبر) کہہ رہے ہیں۔

اگر ظلم و سرکشی کا یہی مظاہرہ شیطان صفت انسانوں کی بجائے جنات کریں تو وہ جناتی شیاطین ہیں۔ ایسے ہی شیطان صفت انسانون اور جنوں کے لیے سورۂ انعام میں شیاطین الانس والجن کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

مومن جن اور شیطان جن

چونکہ جنات میں بھی انسانوں کی طرح بعض نیک صالح اور مومن جن ہوتے ہیں اور بعض سرکش، باغی، نافرمان اور کافر، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾[الجن۔۱۴۔۱۵]

''ہاں، ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں۔پس جو فرماں بردار ہو گئے ،انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے۔''

اس لیے تمام جنات کو شیاطین نہیں کہا جاسکتا بلکہ جنات میں جو انتہائی سرکش ،شریر اور اللہ تعالیٰ کا باغی ہو،اسے شیطان کہا جائے گا۔

جنات اور شیطان اکبر

شیطان اکبر (یعنی ابلیس) جس کا تذکرہ قصہ آدم وابلیس میں ایک فرد کی حیثیت سے قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر بیان ہوا ہے،اس میں اور جنات میں کیا فرق ہے؟

اس سوال کا جواب بالاختصار یہ ہے کہ ابلیس جنات ہی کی جنس سے تعلق رکھتا ہے مگر اس نے اللہ کی نافرمانی وسرکشی کی راہ اختیار کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے قیامت تک کے لیے زندگی عطا کر دی۔اب اس کا کام انسانوں کو گمراہ کرنا ہے جب کہ وہ بذات خود مسلمان نہیں ہوسکتا اس لیے اس کا نام ہی شیطان رکھ دیا گیا۔اور مسلمان نہ ہونے کی بنا وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی جنت سے ناامید ہوگیا ہے ،اس لیے اس ناامیدی کی وجہ سے اسے ' **ابلیس** ' (یعنی ناامید) بھی کہا جاتا ہے۔اب ہم اس کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا اور شیطان کو بھی آگ ہی سے پیدا فرمایا۔

جنات کے آگ سے پیدا ہونے کی دلیل یہ آیات ہیں:

۱۔ ﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ [الرحمٰن:۱۵]

"اور جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے۔"

۲۔ ﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [الحجر:۲۷]

"اور جنوں کو ہم نے اس سے پہلے خالص آگ سے پیدا کیا۔"

۳۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: فرشتے نور سے اور جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمہارے لیے بیان کر دی گئی ہے۔ (یعنی مٹی سے)(۱)

معلوم ہوا کہ جنات اور ابلیس کی جنس ایک ہی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اس بات کی صراحت ہے کہ ابلیس جنات میں سے ایک جن تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [الکھف/۵۰]

"اور جس وقت ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے ہو سب سجدے میں گر پڑے ماسوائے ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔"

جنات کو آگ کا عذاب کیسے ہوگا؟

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے تو پھر ان میں سے گنہگاروں کو عذاب کس چیز سے دیا جائے گا؟ کیونکہ جہنم کی آگ کا عذاب تو انہیں کچھ تکلیف نہیں دے گا کیونکہ وہ تو خود آگ ہیں؟

اس کے اگرچہ بہت سے جواب دیئے گئے ہیں تاہم میں اس کا مناسب جواب یہ سمجھتا ہوں کہ گنہگار جنات جہنم میں جائیں گے اور انہیں عذاب دینا اللہ کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں۔ البتہ اس عذاب کی کنہ وحقیقت ہم نہیں جانتے!

---

(۱) [مسلم: کتاب الزهد: باب فی احادیث متفرقة: رقم الحدیث (۲۹۹۶)]

شیطان اکبر کہاں رہتا ہے؟

شیطان اکبر (ابلیس) سے مراد وہ جن ہے جو سب سے بڑا سرکش اور خدا کا نافرمان ہے، جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، جس نے نسل انسانی کو گمراہ کرنے اور قیامت تک زندہ رہنے کی تمنا کی تھی اور وہ بارگاہ الٰہی سے پوری کی گئی۔ اس لیے بنیادی طور پر ہر انسان کا اصل دشمن یہی شیطان اکبر (ابلیس) ہے۔ مگر یہ ہر انسان کے ساتھ نہیں رہتا بلکہ اس کا 'اڈہ' پانیوں پر ہے جہاں سے یہ اپنے چیلوں اور لشکروں کو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے روانہ کرتا ہے۔ اور کبھی کبھار اگر کوئی بڑا مشن ہو تو خود بھی میدان میں آ جاتا ہے، تاہم زیادہ تر اس کا کام 'نگرانی' ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ان ابلیس یضع عرشه علی الماء ثم یبعث سرایاه فادناهم منه منزلة اعظمهم فتنة یجیء احدهم فیقول :فعلت کذا و کذا فیقول :ماصنعت شیئا قال:ثم یجیء احدهم فیقول :ماترکته حتی فرقت بینه وبین امرأته قال :فیدنیه منه ویقول:نعم :انت))(۱)

''شیطان اپنا عرش پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے لشکر (لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے روانہ کرتا ہے۔) اس کے نزدیک اس کے لشکر میں سب سے معزز وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے لشکر میں ایک فوجی آ کر کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں (فتنہ و برائی) کا کام کر کے آیا ہوں۔ شیطان کہتا ہے: نہیں! تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر دوسرا آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں اور فلاں کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پھوٹ نہ ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ پھر شیطان اس شخص کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے شاباش! تم نے واقعی ایک بڑا کام کیا ہے۔'' ایک روایت میں اس طرح ہے:

((ان عرش ابلیس علی البحر فیبعث سرایاه یفتنون الناس فاعظمهم عنده اعظمهم فتنة))

(۱) [مسلم: کتاب صفات المنافقین: باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه ...... (۲۸۱۳)]

''بلاشبہ ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے اور پھر اپنے لشکر روانہ کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو فتنوں سے دوچار کریں۔ اور ابلیس کے نزدیک سب سے زیادہ مقام و مرتبہ اسے حاصل ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرے''۔(۱)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابن صیاد (مدینے کے کاہن) سے پوچھا:

﴿ مَا تَرٰى ؟ قَالَ : أَرٰى عَرْشًا عَلَى الْمَاءِ ، فَقَالَ : تَرٰى عَرْشَ اِبْلِيْسَ عَلَى الْبَحْرِ وَمَا تَرٰى ؟ قَالَ أَرٰى صَادِقِيْنَ وَكَاذِبًا أَوْ كَاذِبِيْنَ وَصَادِقًا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ عَلَيْهِ دَعُوْهُ ﴾(۲)

''تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا میں پانی پر عرش کو دیکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تو سمندر پر ابلیس (شیطان) کا عرش دیکھتا ہے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا اور کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا میں بہت سے سچوں اور ایک جھوٹے کو یا بہت سے جھوٹوں اور ایک سچے کو دیکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے (صحابہ ﷺ سے) فرمایا: اس پر (معاملہ) مشتبہ کر دیا گیا ہے، اسے چھوڑ دو۔''

شیطان اکبر کے مددگار کون ہیں؟

شیطان اکبر اگرچہ اکیلا ہی ساری انسانیت کا دشمن ہے مگر اس کے ساتھ اس کے بہت سے مددگار بھی چیلے چانٹوں کی شکل میں موجود ہیں۔ شیطان چونکہ جنات میں سے ہے اس لیے اس کے زیادہ تر چیلے چانٹے جنات ہی سے ہیں اور جو کام وہ کرنا چاہتا ہے اس کے لیے جنات ہی اس کے لیے زیادہ موزوں بھی ہیں کیونکہ یہ بغیر دکھائی دیئے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور پھر اس لیے بھی کہ ان میں بذات خود سرکشی کا عنصر انسان کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں اس کی اپنی ذریت بھی اس کے ساتھ ہے۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ شیطان اکبر انسانوں سے کام نہیں لیتا بلکہ وہ شیطان صفت انسانوں سے بھی دوسرے انسانوں کے خلاف بڑے بڑے کام لیتا ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ!

---

(۱) [مسلم : ایضا] (۲) [مسلم : کتاب الفتن : باب ذکر ابن صیاد (۲۹۲۵) احمد (۴٦۷/۳) ابن حبان (۱۷۸/۱۵) مشکل الآثار (۳۸۳/۷) شرح السنة (۴۵۳/۷)]

شیطان اکبر کے مددگار لشکروں کے بارے میں جس طرح پیچھے مذکور صحیح مسلم کی حدیث سے وضاحت ہوتی ہے، اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾

''ان میں سے تو جسے بھی اپنی آواز سے بہکا سکے بہکا لے اور ان پر اپنے سوار اور پیادے (لشکر) چڑھا لا، اور ان کے مال اور اولاد سے اپنا بھی ساجھا لگا اور انہیں (جھوٹے) وعدے دے لے۔ ان سے جتنے بھی وعدے شیطان کے ہوتے ہیں سب کے سب، سراسر فریب ہیں۔'' [الاسراء/٦٤]

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ [الکھف/٥٠]

''جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، یہ (ابلیس) جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں (اسے دوست بنانے والے ظالم لوگ ہیں اور) ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔''

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ [مریم/٨٣]

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم کافروں (کی مدد کے لیے ان) کے پاس شیطانوں کو بھیجتے ہیں جو انہیں (گمراہی و نافرمانی) پر خوب اکساتے ہیں۔''

شیطان اکبر اور ہر انسان کا شیطان

شیطان اکبر (ابلیس) کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟...... یہ تو بالاختصار واضح ہو چکا ہے کہ وہ جنات میں سے سب سے بڑا سرکش اور خدا کا نافرمان ہے۔ ہر انسان کو گمراہ کرنا اس کا 'مشن' ہے، مگر وہ ہر انسان کے ساتھ نہیں رہتا اور نہ ہی غیب کا علم رکھتا ہے البتہ

سمندروں کے پانیوں پر اس کا 'اڈہ' ہے اور اس کی اولاد اور دیگر سرکش جنات اس کے مددگار اور اعوان وانصار ہیں۔

اب یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ ہر انسان کے ساتھ بھی ایک شیطان ہوتا ہے اور یہ شیطان ابلیس نہیں بلکہ کوئی سرکش جن ہوتا ہے جو شیطان اکبر ہی کے فرائض انجام دینے کے لیے ہمہ وقت انسان کے تعاقب میں رہتا ہے اور جہاں موقع ملتا ہے فوراً اپنا وار کر دیتا ہے۔ عام طور پر یہ وار جسمانی اذیت کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ ارتکاب گناہ اور خدا کی نافرمانی کی کسی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کی کون کون سی شکلیں ہوتی ہیں؟ اور ان سے بچاؤ کی کیا کیا تدبیریں ہیں؟ یہ تفصیلات آئندہ صفحات میں آ رہی ہیں ان شاء اللہ!

باقی رہا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان کی موجودگی کا مسئلہ تو اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مامنکم من احد الا وقد وکل اللہ بہ قرینہ من الجن قالوا وایاک یارسول اللہ ؟قال : وایای ،الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلایامرنی الا بخیر))(۱)

''اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک جن کو ساتھی (ہمزاد) بنا کر مقرر کر رکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی، مگر میرے رب نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ میرے تابع ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ مجھے خیر و بھلائی کے علاوہ کوئی اور حکم نہیں دیتا۔''

۲۔ مسلم ہی کی دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں:

''ہر ایک کے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ (ہمزاد) ساتھی بنا دیا گیا ہے۔'' (ایضا)

۳۔ ان روایات میں 'جن' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد شیطان ہی ہے کیونکہ ان دونوں کی جنس ایک ہی ہے اور جو 'جن' انسان کو برائی پر اُکساتا ہے وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے شیطان کہلاتا ہے۔ اسی لیے بعض اور روایات میں 'جن' کی جگہ شیطان کے لفظ بھی استعمال ہوئے ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

---

(۱) [مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ......(۲۸۱٤)]

ایک رات اللہ کے رسول ﷺ مجھے چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے، تو مجھے اس پر غیرت آ گئی اور میں بھی آپ کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی۔ (آپ بقیع کے قبرستان میں گئے تھے اور میں آپ کو دیکھ کر جلدی جلدی واپس بھاگ آئی) آپؐ واپس آئے اور میری (سانس پھولنے کی) کیفیت دیکھی تو فرمایا: اے عائشہؓ! کیا تمہیں غیرت آ گئی تھی؟ میں نے کہا: بھلا، مجھ جیسا آپ جیسے پر غیرت کیوں نہ کرے گا؟ آپؐ نے فرمایا: "اقدجاءک شیطانک؟ کیا تمہارے پاس تمہارا شیطان آ گیا تھا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! أمعي شیطان؟ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میرے ساتھ بھی کوئی شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: ومع کل انسان؟ "کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپ نے فرمایا: نعم، ولکن ربی اعاننی علیه حتی اسلم / ہاں میرے ساتھ بھی مگر میرے رب نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ میرے تابع ہو گیا ہے۔ (1)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان (ہمزاد) مقرر کیا گیا ہے۔ یہ بالعموم ہر وقت انسان کے تعاقب میں رہتا ہے اور جب موقع ملتا ہے انسان کے دل میں براوسوسہ پیدا کر دیتا ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اللہ سے پناہ مانگے تو یہ اپنے برے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتا لیکن اگر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے تو پھر یہ اس پر تسلط جمانے اور اسے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾

''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' [الزخرف/٣٦]

کیا 'شیطان' مسلمان ہو سکتا ہے؟

شیطان اکبر (ابلیس) کے بارے میں تو امت کا اجماع ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے، اور اگر وہ

(1) [مسلم: ایضا (٢٨١٥)]

مسلمان ہوجائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔البتہ شیطان اکبر کے علاوہ دیگر شیطان، جو انسانوں کو فتنے میں مبتلا کرنے اور ان کے دلوں میں برے خیالات پیدا کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں ،ان میں سے کوئی شیطان مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں ؟اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ عمر سلیمان الاشقر رقم طراز ہیں کہ

''شیطان اکبر جو ابلیس ہے وہ تو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ کفر ہی پر قائم رہے گا۔البتہ اس کے علاوہ کوئی اور شیطان مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو ہمیں اس مسئلہ میں یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ دیگر شیطان مسلمان ہوسکتے ہیں ۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ہمزاد شیطان مسلمان ہوگیا تھا مگر بعض علماء اس کو نہیں مانتے ،وہ کہتے ہیں کہ شیطان مومن نہیں ہوسکتا ۔انہی میں سے شارح طحاویہ بھی ہیں (دیکھیے ص/۴۳۹) انہوں نے لفظ 'فاسلم' کی توجیہہ 'استسلم' سے کی ہے یعنی وہ مطیع وفرمانبردار ہوگیا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اس روایت کا یہ لفظ 'فاسلمُ' میم کے پیش کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے:''میں شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہوں''اگر چہ شارح طحاویہ کا خیال یہ ہے کہ پیش والی روایت کے لفظ میں تحریف ہے لیکن امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ:''یہ دونوں روایتیں (زبر اور پیش کے ساتھ)مشہور ہیں ۔امام نوویؒ نے امام خطابیؒ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ انہوں نے پیش والی روایت کو ترجیح دی ہے۔اور قاضی عیاضؒ سے یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے زبر والی کو اختیار کیا ہے اور خود نوویؒ نے بھی زبر ہی کو اختیار کیا ہے۔(دیکھیے :شرح نووی ۱۵۸/۱۷)

جن لوگوں کا خیال ہے کہ شیطان مسلمان ہوسکتا ہے ان میں ابن حبان بھی ہیں ۔وہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کا ہمزاد شیطان مسلمان ہوگیا تھا اور وہ آپ کو صرف بھلائی کا حکم دیتا تھا اور اگر وہ کافر تھا تو آپ اس سے محفوظ رہتے تھے۔''

شارح طحاویہ کی بات محل نظر ہے کہ شیطان کافر ہی ہوتا ہے ،اگر ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان صرف کافر جنوں کو کہتے ہیں تو یہ درست ہے اور اگر یہ خیال ہے کہ شیطان

اسلام کی طرف نہیں پلٹ سکتا تو یہ بعید تر بات ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔اور ہمیں کافی ہے کہ ہم یہ بات یاد رکھیں کہ شیطان مومن تھا پھر اس نے کفر کیا اور یہ کہ تمام شیاطین (کافر جن) بھی اگر ایمان نہیں لاتے تو انہیں عذاب دیا جائے گا۔گویا جنات وشیاطین پر بھی ایمان وکفر کی دونوں حالتیں اسی طرح طاری ہوتی رہتی ہیں جس طرح انسانوں پر ہوتی ہیں۔"(۱)

❁....❁....❁

(۱) ["عالم الجن والشیاطین"ازعمر سلیمان الاشقر (ص/۶۳،۶۴)]

باب دوم (۲)

نفسِ اَمّارَہ، لَوّامَہ، مُطْمَئِنَّہ اور شیطان!

نفس انسانی کی مختلف حالتیں:

لفظ نَفْسٌ اور اَلنَّفْسُ کا استعمال 'روح' (جان) دل، ذات (وجود) کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح اسے اگر 'ف' کی فتح کے ساتھ پڑا جائے تو پھر اس کا معنی ہوگا: سانس، جھونکا، گنجائش، مہلت اور کشادگی و فراخی۔ (۱)

روح (جان) کے لیے لفظ نفس کے استعمال کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ [الانعام/۹۳]

''(فرشتے کہیں گے) کہ اپنی جانیں نکالو۔''

دل کے لیے لفظ نفس کے استعمال کی دلیل یہ آیات ہے:

﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ [البقرة/۲۸۴]

''تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا۔''

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَافِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ [البقرة/۲۳۵]

''جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دل کی باتوں کا بھی علم ہے (لہذا) تم اس سے ڈرتے رہو''

اور ذات کے لیے لفظ نفس کے استعمال کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ﴾ [آل عمران/۶۱]

''تو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم اور تم اپنے فرزندوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا (مباہلہ) کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔''

---

(۱) [المنجد بذیل مادہ 'نفس']

انسان کے دل میں طبعی طور پر اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، خیالات کی انہی مختلف حالتوں کی طرف قرآن مجید میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَمَآ اُبَرِّءُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ﴾[یوسف/۵۳]

''میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے ہی۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی اپنا رحم کرے۔''

﴿لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾[القیامۃ/۱،۲]

''میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔''

﴿وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾[الشمس/۷تا۱۰]

''قسم ہے نفس کی اور اسے درست کرنے کی۔ پھر (ہم نے) اس کو سمجھ دی برائی کی اور بچ کر چلنے کی۔ جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملادیا، وہ ناکام ہوا۔''

﴿یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾[الفجر/۲۷تا۳۰]

''اے اطمینان والے نفس (روح)! تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی (ہے اور وہ) تجھ سے خوش۔ پس میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں (بھی) داخل ہوجا۔''

گویا یہ تین علیحدہ علیحدہ نفس یا دل رضمیر وغیرہ نہیں بلکہ ایک ہی نفس (دل) کی مختلف حالتیں ہیں۔ کبھی دل میں اچھے خیالات آتے ہیں اور کبھی برے۔ کبھی برائی کرنے پر نفس ابھارتا ہے تو کبھی تقوٰی اور للہیت کی وجہ سے ملامت بھی کرتا ہے۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نفس کا لفظ مذکورہ بالا آیات میں 'دل' کے معنی ومفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور کسی شخص میں ایک سے زیادہ دل نہیں رکھے گئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ﴾[الاحزاب ۴]
''کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں رکھے۔''

نفس انسانی کی ان تین مختلف حالتوں کے بارے میں وضاحت کے لئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں: ''میرے ایک دوست نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سفر کررہا تھا کہ دوران سفر کھانا کھانے کے لئے ہمیں ایک ہوٹل میں رکنا پڑا۔ کھانے سے فارغ ہوکر جب ہم نے پیسوں کی ادائیگی کے لئے بل دیکھا تو سر پیٹ کر رہ گئے اس لئے کہ اتنا ہم نے کھایا نہ تھا جتنا کہ بل ظاہر کررہا تھا۔ بہرصورت ہم نے پیسے اُدا کیے اور ہوٹل سے چل دیئے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک شرارت سوجھی تو میں نے دوستوں سے کہا کہ آپ لوگ گاڑی میں بیٹھیں میں بیت الخلاء سے ہوکر ابھی پہنچ رہا ہوں۔ دراصل ہوٹل کے بیت الخلاء میں بڑی قیمتی اور نفیس ٹوٹیوں کا اہتمام کیا گیا تھا اور ان کے اوپر دستیاں بھی نہایت عمدہ تھیں۔ چنانچہ میں نے وہاں سے ڈرتے ڈرتے کچھ دستیاں اتاریں اور اپنی جیبوں میں چھپا کر واپس چل دیا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میں نے اپنا یہ کارنامہ دوستوں کو بتایا تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ گاڑی بھی میں خود ہی چلا رہا تھا چنانچہ کچھ دور جانے کے بعد میرا ضمیر مجھے اس فعل پر ملامت کرنے لگا، چنانچہ میں نے کم و بیش بیس کلومیٹر کے فاصلے سے گاڑی واپس موڑی اور خود ہی اس ہوٹل میں جا کر وہ چیزیں جہاں سے اتاریں تھیں وہاں ہی لگا دیں۔ اس کے بعد میرا ضمیر بالکل مطمئن ہوگیا۔''

اس سارے واقعہ میں نفس انسانی کی تینوں حالتیں موجود ہیں یعنی پہلی حالت وہ جس میں نفس نے برائی پر ابھارا اور ایک غلط کام کا ارتکاب کروایا۔ (اسے نفس امارہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) دوسری حالت وہ جس میں اسی نفس نے اس بُرے فعل پر ملامت کی۔ (اسے نفس لوامہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) اور تیسری حالت وہ جس میں مذکورہ جرم کے خاتمہ کے بعد اسی نفس نے اطمینان وسکون محسوس کیا۔ (اسے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) واللہ اعلم!

دل سوچتا ہے یا دماغ؟

جدید سائنس کی رو سے دل کا کام سوچنا نہیں بلکہ خون کی گردش کو کنٹرول کرنا ہے

جب کہ دماغ کا کام سوچنا ہے ۔مگر قرآن وحدیث میں خیالات کا منبع دل ہی کو قرار دیا گیا ہے ۔مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ [الاعراف/۱۷۹]

''ہم نے جہنم کے لیے بہت سے انسان اور جن پیدا کیے ہیں ۔ان کے دل تو ہیں مگر یہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں ،اور ان کی آنکھیں تو ہیں مگر یہ اس سے (راہ ہدایت) دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں مگر یہ اس سے (قول حق) سنتے نہیں ۔''

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ [الحج/۴۶]

''کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے ؟حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ۔''

بعض لوگوں نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ دل اور دماغ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ فہم وادراک کے سلسلہ میں یہ دونوں حصہ لیتے ہیں اس لیے یہ سوال ہی سرے سے غلط ہے کہ غور وفکر اور عقل وشعور کا محل دل ہے یا دماغ !باقی رہی یہ بات کہ قرآن وحدیث میں غور وفکر کی نسبت پھر دل کی طرف ہی ہر جگہ کیوں کی گئی ہے تو اس کا جواب بعض اہل علم نے یوں دیا ہے کہ

''قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے ۔یہاں خواہ مخواہ ذہن اس سوال میں نہ الجھ جائے کہ سینے والا دل کب سوچتا ہے ۔ادبی زبان میں احساسات ،جذبات ،خیالات بلکہ قریب قریب تمام ہی افعال دماغ سینے اور دل ہی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ۔حتی کہ کسی چیز کے ''یاد ہونے'' کو بھی یوں کہتے ہیں کہ ''وہ تو میرے سینے میں محفوظ ہے ۔''(۱)

ایک بات یہ بھی سننے میں آئی ہے کہ غور وفکر کا محل ،دماغ کو قرار دینے والے سائنس دان بھی آج تک اس چیز کی تعیین نہیں کر سکے کہ دماغ کا کون سا حصہ غور وفکر کا فریضہ

---

(۱) [تفسیر ''تفہیم القرآن'' از مولانا مودودیؒ (۲۳۶/۳)]

انجام دیتا ہے۔اس لیے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غور وفکر کی نسبت جو دل کی طرف کی ہے وہ محض ادبی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ حقیقی لحاظ سے کی ہو اور ہمارا فہم ابھی تک اس کی حقیقت کا ادراک نہ کر سکا ہو۔ واللہ اعلم!

خیالاتِ دل اور شیطان کا کردار

انسان کے دل میں اچھے اور برے خیالات انسانی فطرت کا لازمی حصہ ہیں۔ انسان کی پیدائش کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اچھائی اور نیکی اصل قرار پاتی ہے اور اگر اس کے جذبات کے لحاظ سے غور کیا جائے تو برے خیالات اصل قرار پاتے ہیں۔ یعنی انسان اگر اچھے ماحول میں پیدا ہو کر تربیت پائے تو اس کے اچھے اثرات اس کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر برے ماحول میں پیدا ہو کر تربیت پائے تو پھر برے خیالات اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی بات کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یھودانه او ینصرانه او یمجسانه))[1]

''ہر نومولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (اگر یہودی ہوں) تو اسے یہودی بنا دیتے ہیں، (عیسائی ہوں تو) عیسائی بنا لیتے ہیں (اور مجوسی ہوں تو) مجوسی بنا لیتے ہیں۔''

جب کہ عقل و شعور اور بلوغت کی عمر کو پہنچنے کے بعد جب انسان کی خواہشاتِ نفس اور جذبات بیدار ہوتے ہیں تو پھر یہ جذبات و خواہشات، انسان کو برائی و سرکشی اور من مانی پر ابھارتے ہیں۔ اگر خوفِ خدا یا خوفِ سزا (قانون دنیوی) وغیرہ مانع ہو تو انسان ان جذبات کو کنٹرول کر لیتا ہے ورنہ ان کا اسیر بن جاتا ہے۔ انسان کے انہی جذبات و خیالات اور خواہشاتِ نفس سے اس کا دشمن شیطان فائدہ اٹھاتا ہے اور انسان کو برائی پر بہت جلد آمادہ کر لیتا ہے۔ بلکہ اگر کہیں ظاہری طور پر کسی برائی کا موقع موجود ہو تو شیطان پوری شدت سے برے وسوسے انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، برائی کو اس کے لیے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے، برائی کرنے میں اسے لذت کا احساس دلاتا ہے، پھر بار بار اس برائی پر ابھارتا رہتا ہے حتیٰ کہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ برائی انسان کی ضرورت بن جاتی ہے۔ مثلاً جس شخص کو شراب اور نشہ کی لت پڑ جائے اس کے لیے اس

---

(۱) [بخاری: کتاب الجنائز: باب ماقیل فی اولاد المشرکین (۱۳۸۵)]

کے بغیر زندہ رہنا مشکل بن جاتا ہے ......، جسے عشق و محبت کا روگ لگ جائے ،اس کے لیے اس کے بغیر وقت گزارنا ناممکن ہو جاتا ہے ......،اور جسے ظلم و جبر اور فتنہ وفساد برپا کرنے کا جنون ہو جائے ، اسے اس وقت تک اطمینان نہیں ملتا جب تک کہ وہ اس کا عملی اظہار نہ کرلیا کرے ...... یہ اگرچہ انسان کی کمزوریاں ہیں اور انہیں پیدا بھی اسی لیے کیا گیا ہے کہ شیطان کو گمراہی پھیلانے اور اپنا مشن پورا کرنے کا پورا پورا موقع ملے مگر اس کے باوجود شیطان انسان پر زبردستی نہیں کرسکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف انسان کو بھی اس کمزوری سے بچنے اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے مواقع دیے گئے ۔مثلاً اول تو اس کا دل ہی ایسا بنایا جس میں گناہ پر ملامت کا احساس بھی پوری طرح پیدا ہو جاتا ہے ، خیرو بھلائی کا جذبہ بھی بیدار رہتا ہے پھر دوم یہ کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا رہے ،توبہ واستغفار اور شیطان سے بچنے کے لیے تعوذ کے کلمات صدق دل سے ادا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ شیاطین کے مقابلہ میں خود اس انسان کی مدد فرماتے ہیں۔ پھر سوم یہ کہ جس طرح ایک شیطان ہر انسان کے ساتھ برے خیالات پیدا کرنے کے لیے مقرر ہے اسی طرح ایک فرشتہ بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کی حفاظت اور اس کے دل میں اچھے خیالات پیدا کرنے کے لیے مقرر فرما رکھا ہے ۔انسان کے ساتھ شیطان اور فرشتے کی اسی کشمکش کو درج ذیل حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((ان للشیطان لمة بابن آدم وللملک لمة فاما لمة الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمة الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذلک فلیعلم انه من الله فلیحمد الله ومن وجد الاخری فلیتوذ بالله من الشیطان الرجیم))(1)

''ابن آدم پر شیطان بھی اثر انداز ہوتا ہے اور فرشتہ بھی ۔شیطان اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں برائی اور حق کی تکذیب ڈالتا ہے اور فرشتہ اس طرح اثر

---

(۱) [ترمذی :کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (۲۹۸۸)امام ترمذی نے اس روایت کو'حسن صحیح' قرار دیاہے]

انداز ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل میں اچھائی اور حق کی تصدیق ڈالتا ہے۔لہذا جس کے ساتھ یہ (فرشتے والا معاملہ ہو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جس کے ساتھ دوسرا یعنی شیطان والا) معاملہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کی پناہ مانگے۔''

کیا فرشتے اور شیاطین دل کے خیالات جانتے ہیں؟

فرشتوں کے بارے میں اگرچہ اختلاف ہے کہ وہ دل کی بات جانتے ہیں یا نہیں لیکن راجح موقف یہی ہے کہ فرشتے انسان کے دل کے خیالات جانتے ہیں تبھی تو وہ نیت وارادے پر بھی ثواب لکھتے ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔[۱] اسی طرح یہ سوال کہ شیطان بھی انسان کے خیالات سے آگاہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

تو اس کے بارے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کو ان خیالات سے آگاہی حاصل کرنے کی قوت نہیں دی گئی۔ اگرچہ اس سلسلہ میں ابن صیاد (کاہن) سے متعلقہ درج ذیل حدیث سے اس کے منافی ایک اور بات کا اشارہ بھی ملتا ہے:

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ عُمَرَ انْطَلَقَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی رَهْطٍ قِبَلَ ابْنِ صَیَّادٍ حَتّٰی وَجَدُوْهُ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ عِنْدَ أُطُمِ بَنِی مَغَالَةَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَیَّادٍ الْحُلُمَ فَلَمْ یُشْعِرْ حَتّٰی ضَرَبَ النَّبِیُّ بِیَدِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَیَّادٍ ...... إِنِّیْ قَدْ خَبَأْتُ لَکَ خَبِیْئًا ، فَقَالَ ابْنُ صَیَّادٍ : هُوَ الدُّخُّ : فَقَالَ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَکَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ : دَعْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَضْرِبْ عُنُقَهٗ ! فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : إِنْ یَکُنْهُ فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَیْهِ وَإِنْ لَمْ یَکُنْهُ فَلَا خَیْرَ لَکَ فِیْ قَتْلِهٖ﴾[۲]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ابن صیاد کی طرف نکلے، وہ بنو مغالہ کے محلے میں بچوں

---

(۱) [اس کی مزید تفصیل راقم کی کتاب ''انسان اور فرشتے'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے]

(۲) [بخاری : کتاب الجنائز : باب اذا اسلم الصبی فمات ...... (۱۳۵۴) مسلم (۲۹۳۰) احمد (۹/۲ ۔ ۱۹۸ ۔ ۴۶۷/۳) ابوداؤد (۴۳۲۹) ترمذی (۲۲۴۹) ابن حبان (۶۷۸۵) شرح السنة (۴۱۶۵) مشکل الآثار (۳۹۳/۷)]

کے ساتھ کھیل رہا تھا اور خود بھی ابھی بلوغت کے قریب تھا۔ اسے بالکل علم نہ ہوا حتی کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اسے جھنجھوڑا اور پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابن صیاد نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ''امیین'' کے رسول ہیں پھر اس (ابن صیاد) نے کہا: کیا آپ ﷺ بھی گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ آپ ﷺ نے اسے دھکا دیا اور کہا میں تو اللہ اور اس کے (سچے) رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تو کیا دیکھتا ہے؟ اس نے کہا میرے پاس سچے اور جھوٹے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا ہے پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں نے اپنے دل میں (کیا) چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا ''دھواں'' ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو ذلیل ورسوا ہو جائے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتا (آپ ﷺ نے دل میں سورۃ ''الدخان'' سوچ رکھی تھی جس کا معنی دھواں ہے) عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: (عمر!) اگر یہ دجال ہے تو تو اس پر مسلط نہیں ہو سکتا (بلکہ اسے تو حضرت عیسی علیہ السلام قتل کریں گے) اور اگر یہ وہ نہیں تو پھر اسے قتل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔''

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ابن صیاد کو کیسے پتہ چلا کہ آپ ؐ نے اپنے دل میں فلاں بات سوچ رکھی ہے؟ بعض اہل علم نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کے پاس چونکہ شیاطین آیا کرتے تھے اس لئے شیاطین نے اسے بتا دیا ہوگا کہ آپ ؐ نے اپنے دل میں کیا بات سوچ رکھی ہے۔ لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیاطین کو اس کا کیسے علم ہو گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ ؐ نے صحابہ کے سامنے یہ بات کی ہو جسے شیاطین نے سن لیا ہو اور آ کر ابن صیاد کو بتا دیا ہو! (واللہ اعلم!)

شیطان وسوسہ کیسے ڈالتا ہے؟

شیطان وسوسہ کیسے ڈالتا ہے؟ اس کی اصل حقیقت تو ہم نہیں جانتے البتہ اس کی وسوسہ اندازی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو جو تعوذ

سکھایا گیا، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

''(اے نبیؐ! آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے۔'' [الناس ۔۴تا٦]

'وسوسہ' مخفی آواز کو کہتے ہیں چونکہ شیطان نہایت مخفی اور غیر محسوس انداز میں وسوسہ ڈالتا ہے اس لیے شیطان کو 'وسواس' کہا گیا ہے ۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کے دل پر جنگل مارے ہوئے ہے، جہاں یہ بھولتا یا غافل ہوتا ہے وہاں فوراً شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔(۱)

اس کے علاوہ درج ذیل احادیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالنے کی پوری استطاعت رکھتا ہے:

۱۔ حضرت صفیہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان کے آخری عشرے میں آپؐ اعتکاف فرماتھے کہ وہ آپ کے پاس گئی اور عشاء کے وقت کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد واپسی کے لیے کھڑی ہوئی تو آپؐ بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔(تاکہ انہیں گھر چھوڑ آئیں) جب وہ مسجد کے اس دروازے کے پاس پہنچیں جہاں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا حجرہ تھا تو دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے اور آپ کو سلام کہہ کر آگے بڑھ گئے۔آپؐ نے ان (کو بلایا اور ان سے) فرمایا: آرام سے جاؤ، یہ (میری بیوی) حضرت صفیہؓ ہے۔وہ کہنے لگے :اے اللہ کے رسول !اللہ پاک ہے۔(آپ کی بابت ہمیں بھلا کیا بدگمانی ہوسکتی ہے؟) گویا آپؐ کی یہ بات ان پر بڑی گراں گزری لیکن آپؐ نے فرمایا:

ان الشیطان یجری من ابن آدم مبلغ الدم وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما (۲)

---

(۱) [تفسیر ابن کثیر، بذیل تفسیر سورة الناس]

(۲) [بخاری : کتاب الادب: باب التکبیر والتسبیح عندالتعجب (۶۲۱۹)مسلم(۲۱۷۵)]

''شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے، اس سے مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی شبہ/وسوسہ نہ ڈال دے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے تبھی تو آپ ؐ نے ان دوصحابیوں کو بتایا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا ہوں تاکہ ان کے دل میں شیطان کوئی اور شبہہ نہ پیدا کردے۔اس حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ..... ''شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے''.....بعض لوگ ان کا مجازی معنی مراد لیتے ہیں کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح خون اس وقت تک جسم میں گردش کرتا رہتا ہے جب تک زندگی قائم ہے، اسی طرح موت تک شیطان بھی انسان کے تعاقب میں رہتا ہے، فی الواقع انسان کے خون میں شامل نہیں ہوجاتا۔

شیطان کا انسان کے تعاقب میں رہنا تو پہلے ہی اس کی 'ذمہ داری' اور مشن ہے اس لیے یہ تاویل بھی اگرچہ یہاں مراد لی جاسکتی ہے مگر اس کے ساتھ اس کے حقیقی معنی کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ بے شمار دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ شیطان حقیقی طور پر انسان کے جسم میں داخل ہوجاتا ہے، اس کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب "عاملوں، کاھنوں ،جادو گروں اور ایذاء دینے والے جنات کا پوسٹمارٹم ''میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یأتی الشیطان احدکم فیقول :من خلق کذا ؟من خلق کذا ؟حتی یقول: من خلق ربک ؟فاذا بلغه فلیستعذ بالله ولینته))(۱)

''شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آکر (اس کے دل میں) کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی ؟اور فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بندے کی یہ حالت ہوتو اس کو چاہیے کہ تعوذ پڑھے اور (مزید غوروفکر) سے رک جائے۔''

---

(۱) [بخاری :کتاب بدء الخلق :باب صفة ابلیس وجنوده (۳۲۷۶)مسلم :کتاب الایمان: باب بیان الوسوسة فی الایمان (۱۳٤)]

ایک روایت میں ہے کہ ''لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا: اس مخلوق کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب وہ یہ کہیں تو اس کے جواب میں کہو:

﴿اَللّٰهُ اَحَدٌ، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

''اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔''

پھر انسان کو چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے اور پھر اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے پناہ مانگے۔'' (یعنی تعوذ پڑھے)(۱)

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پادتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے تا کہ اذان کی آواز سن سکے۔ اور جب اذان ختم ہوتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے لیکن جوں ہی تکبیر شروع ہوجاتی ہے وہ پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور جب تکبیر ختم ہوجاتی ہے تو شیطان دوبارہ آجاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، ان ان باتوں کی شیطان یاد دہانی کراتا ہے جن کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا اور اس طرح اس شخص کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔''(۲)

۴۔ حضرت سبرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''شیطان ابن آدم کے تمام راستوں میں بیٹھتا ہے چنانچہ اس کے اسلام کی راہ میں بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: کیا تم اسلام کی خاطر اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دین و مذہب چھوڑ دو گے؟ بندہ اس کی بات ٹھکرا کر اسلام قبول کر لیتا ہے تو پھر وہ اس کی ہجرت کی راہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تم ہجرت کی خاطر اپنا وطن اور اپنا ماحول چھوڑ دو گے؟ بندہ اس کی یہ بات بھی

(۱) [ابو داؤد: كتاب السنة : باب في الجهمية (۴۷۲۲) بحواله مشكوٰة المصابيح : كتاب الايمان (۷۵)]

(۲) [بخاری : کتاب الاذان :باب فضل التاذين (۶۰۸)]

ٹھکرا کر ہجرت کے لیے چل پڑتا ہے۔ پھر شیطان اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: تم جہاد کرو گے تو تمہاری جان اور مال کو نقصان پہنچے گا، ممکن ہے لڑائی میں تم مارے جاؤ اور تمہاری بیوی کسی اور سے شادی کر لے گی اور تمہارا مال و دولت بھی لوگوں میں تقسیم ہو جائے گا! مگر اس کے باوجود انسان اس کی بات ٹھکرا کر جہاد کے لیے نکل جاتا ہے جو شخص ایسا کرے گا اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر فرض ہے۔ اگر اس کو شہید کر دیا جائے تو پھر بھی اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔ اگر وہ ڈوب کر مر جائے یا جانور سے گر کر مر جائے تو پھر بھی اللہ پر واجب ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔"[1]

اس روایت کے سیاق وسباق سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شیطان انسان کے دل میں مختلف مواقع پر یہ خیال اور وسواس پیدا کرتا ہے اور عملی طور پر ہر انسان کو اس تجربہ ومشاہدہ سے گزرنا پڑتا ہے مثلاً کسی وقت اللہ کے نام پر کوئی سائل امداد کا مطالبہ کرتا ہے تو ہمارے دل میں اس کے لیے تعاون کا جذبہ پیدا ہوتا ہے مگر اسی اثناء شیطان اس کے برعکس یہ خیال دل میں ڈالنے لگتا ہے کہ تمہارا مال کم ہو جائے گا اور اس خیال سے یا تو انسان اپنے پہلے ارادے کو چھوڑ دیتا ہے یا پھر اس کے برعکس اللہ کی توفیق سے شیطان پر غالب آ جاتا ہے۔

شیطان اور اس کے وسواس کے بارے میں سید مودودیؒ کی رائے

مولانا مودودیؒ سے شیطان کے حوالے سے درج ذیل سوال کیا گیا کہ

سوال: لفظ شیطان کی ماہیت کیا ہے جو کہ قرآن میں متعدد مقامات پر مذکور ہے اور یوں بھی عام فہم زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ کیا شیطان ہم انسانوں جیسی کوئی مخلوق ہے جو زندگی وموت کے حوادث سے دوچار ہوتی ہے اور جس کا سلسلہ توالد وتناسل کے ذریعہ قائم ہے؟ کیا یہ بھی ہماری طرح ہم آہنگی میں مربوط ہوتی ہے جس طرح سے ہم کھانے کمانے اور دیگر لوازمات زندگی میں مشغول رہتے ہیں؟ اس کے انسان کو دھوکہ دینے کی کیا قدرت ہے؟ کیا یہ اعضائے جسمانی میں سرایت کر جانے کی قدرت رکھتی ہے اور اس طرح انسان کے اعصاب ومحرکات پر قابو پا لیتی ہے اور بالجبر اسے غلط راستے پر لگا دیتی ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر دھوکہ کیسے دیتی ہے؟ یا شیطان عربی زبان کی اصطلاح میں محض ایک لفظ ہے جو ہر اس

(۱) [صحیح سنن نسائی (۲۹۳۷) صحیح الجامع الصغیر (۲/۷۲)]

فرد کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو تخریبی پہلو اختیار کر لے۔ یا یہ انسان کی اس اندرونی جبلت کا نام ہے جسے قرآن نفس امارہ یا نفس لوامہ کے الفاظ سے تشبیہ دیتا ہے یعنی نفس جو غلط کاموں کی طرف اکساتا ہے چونکہ شیطان کا حربہ بڑا خطرناک ہوتا ہے اس لئے اس سے بچنے کی خاطر یہ سوال پوچھا جا رہا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے اس کا درج ذیل جواب دیا:

جواب: شیطان کے متعلق میرے پاس کوئی ذریعہ معلومات قرآن وحدیث کے سوا نہیں ہے۔ اس ذریعہ سے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ ہے کہ شیطان محض کسی قوت کا یا انسان ہی کے کسی رجحان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ جنوں میں سے ہے اور جن ہماری طرح ایک مستقل مخلوق ہے جس کا ہر فرد، فردِ انسان کی طرح ایک شخصیت Personlity رکھتا ہے۔ اس کی معیشت اور اس کے مشاغل اور توالد وتناسل وغیرہ کے متعلق ہم کچھ زیادہ نہیں جانتے۔ اس کو ہمارے جسم پر قبضہ کر کے ہم سے بالجبر کوئی کام کرا لینے کے اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں۔ وہ صرف ہمارے نفس کو ترغیب دینے، اکسانے اور برے کاموں کی طرف مائل کرنے یا وساوس اور شبہات کا کام کر سکتا ہے۔ اور ہم چاہیں تو اس کی ترغیبات کو رد کر کے اپنے ارادے سے ایک راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ (۱)

اسی طرح مولانا سے اس سلسلہ میں ایک اور سوال کیا گیا کہ

سوال: جب بھی کسی برائی کے سرزد ہو جانے کے بعد مجھے مطالعہ باطن کا موقع ملا ہے تو میں نے یوں محسوس کیا ہے کہ خارج سے کسی قوت نے مجھے غلط قدم اٹھانے پر آمادہ نہیں کیا بلکہ میری اپنی ذات ہی اس کی ذمہ دار ہے۔ جب میری جبلی خواہش فکر پر غالب آ جاتی ہے اور میری روح پر میری نفسانیت کا قبضہ ہو جاتا ہے تو اس وقت میں گناہ کا ارتکاب کرتا ہوں۔ باہر سے کوئی طاقت میرے اندر حلول کر کے مجھے کسی غلط راہ پر نہیں لے جاتی۔ مگر جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ان فکری اور عملی گمراہیوں کا محرک شیطان ہے جو اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے۔ یہ دشمن انسانیت کبھی خارج سے اور کبھی انسان کے اندر گھس کر اسے غلط راستوں پر لے جاتا ہے

(۱) [ماھنامہ 'ترجمان القرآن' جلد ۵۲، عدد ۵۔ اگست ۱۹۵۹ء]

اس سلسلہ میں دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ آپ بھی شیطان کو ایک مستقل وجود رکھنے والی ایسی ہستی تسلیم کرتے ہیں جو انسان کو بہکاتی اور پھسلاتی ہے؟

مولانا اس کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

جواب: شیطان کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہ جن کی نوع کا ایک فرد ہے، اور اس نوع کے بہت سے افراد نوع انسانی کی طرح مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ نیز شیاطین جن انہی کافروں میں سے ہیں۔ اسی طرح قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ جنوں کی نوع ناری الخلقت ہے۔ مجھے اس نوع کے وجود میں کوئی اشکال محسوس نہیں ہوتا۔ مادہ اور قوت Energy کے متعلق ہماری معلومات درحقیقت ابھی بالکل ابتدائی ہیں، قوت کے مادی صورت اختیار کرنے کے بعد کی حالتوں کے متعلق تو ہم نسبتاً کچھ زیادہ جانتے ہیں، مگر مادی صورت اختیار کیے بغیر محض قوت رہنے کی حالت میں وہ کیا کیا کچھ ہو سکتی ہے، اس علم کی سرحد سے ابھی ہم آگے نہیں بڑھ سکے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے، اور آخر کیوں ممکن نہیں ہے کہ محض توانائی ہونے کی حالت میں بھی مختلف انواع کی موجودات اس کائنات میں ہوں؟ اور ان میں بعض قسم کی موجودات ایسی بھی ہوں جن کے افراد شعور وارادہ اور حرکت وعمل کی قدرت کے ساتھ اپنی ایک مستقل ذات رکھتے ہوں؟ شیطان میرے نزدیک اسی نوعیت کی ایک مخلوق ہے اور یہ مخلوق بھی ہماری طرح اس کرۂ زمین میں پائی جاتی ہے۔

رہا ہمارے نفس کے ساتھ اس کا ربط Contact اور اس کا ہمارے اندر کے معرکہ خیر وشر میں شر کے رجحانات کو تقویت پہنچانا، تو یہ بھی کوئی ناقابل یقین یا ناقابل تعقل بات نہیں ہے۔ اپنے نفس کے متعلق ابھی ہماری معلومات بہت کم ہیں اور اس کی ترکیب کی گتھیوں کو ہم سلجھا نہیں سکے ہیں۔ یہ بات بعید نہیں ہے کہ جس وقت ہم اپنے اندر کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ آخری فیصلہ ابھی ہم نے نہیں کیا ہوتا ہے کہ خیر اور شر میں سے کس پہلو کو اختیار کریں، اس وقت کوئی غیر محسوس خارجی مؤثر ہمارے رجحاناتِ شر کو تقویت پہنچا تا ہو، اور اسی طرح کوئی دوسرا غیر محسوس خارجی مؤثر (یعنی فرشتہ) ہمارے رجحانات خیر کو مدد دے رہا ہو، بغیر اس کے کہ ہم اس کے عمل اور طریق عمل کا ادراک کر سکیں، اگرچہ اس کا ادراک ہمیں نہیں ہوتا لیکن اگر ایسی کشمکش کے مواقع پر بہت زیادہ غور سے اپنی

اندرونی حالت کا جائزہ لیا جائے تو ایک دھندلا سا خیال ضرور آتا ہے کہ خارج سے بھی کوئی چیز ہمارے داخلی عوامل کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ میں نے خود بھی کبھی اس کو محسوس کیا ہے۔ بہر حال کسی غیر مادی صاحب تشخص ہستی کا ہمارے قوائے نفسانی سے براہ راست ربط قائم کرنا اور ان کو متاثر کرنا کوئی بعید از امکان بات نہیں ہے اور نہ اس کا تصور کرنا کچھ مشکل ہے۔ الا یہ کہ ہم پہلے ہی سے یہ فرض کر بیٹھیں کہ اس کائنات میں ہماری موجودات کے سوا اور کسی قسم کی موجودات نہیں ہیں۔ (۱)

انسان اور شیطان کی باہمی آویزش کے حوالے سے ایک جگہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''قرآن کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک محدود نوعیت کی آزادی و خود مختاری دے کر اس دنیا میں امتحان کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور شیطان کو خود اس کے مطالبے پر یہ آزادی عطا کی ہے کہ وہ اس امتحان میں انسان کو ناکام کرنے کے لئے جو کوشش کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ صرف ترغیب و تحریص کی حد تک ہو۔ زبردستی اپنے راستے پر کھینچ لے جانے کے اختیارات اسے نہیں دیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود بھی انسان کو جبراً راہِ راست پر چلانے سے احتراز فرمایا ہے اور صرف اس بات پر اکتفا فرمائی ہے کہ انسان کے سامنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعہ سے راہِ راست کو پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے آدمی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو خدا کی پیش کردہ راہ کو اپنے لیے چن لے اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرے اور چاہے تو شیطان کی ترغیبات قبول کر لے اور اس راہ میں اپنی کوششیں اور محنتیں صرف کرنے پر آمادہ ہو جائے جو شیطان اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان دونوں راہوں میں سے جس کو بھی انسان خود اپنے لئے انتخاب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی پر چلنے کے مواقع اسے دے دیتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر امتحان کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد بتائیے کہ شیطان کا چیلنج دراصل کس کے لئے ہے؟ خدا کے لیے یا انسان کے لئے؟ اور انسانوں میں سے جو لوگ شیطان کی راہ پر جاتے ہیں ان کے معاملہ میں شیطان کی جیت خدا پر ہوتی ہے یا انسان پر؟ خدا نے تو آدمی اور شیطان کو آزادانہ کشتی

(۱) .[ماهنامه 'ترجمان القرآن' جلد۵۳،عدد ۲۔نومبر ۱۹۵۹ء]

لڑنے کا موقع دیا ہے اور بتادیا ہے کہ آدمی جیتے گا تو جنت میں جائے گا اور شیطان جیتے گا تو ہارنے والا آدمی اور اس کو غلط راہ پر لے جانے والا شیطان دونوں جہنم میں جائیں گے۔''(۱)

شیطانی وسواس اور انبیائے کرام

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلۡقَی الشَّیۡطٰنُ فِیۡۤ اُمۡنِیَّتِہٖ فَیَنۡسَخُ اللّٰہُ مَا یُلۡقِی الشَّیۡطٰنُ ثُمَّ یُحۡکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾[الحج ۵۲/]

''ہم نے آپؐ سے پہلے جس رسول اور نبیؑ کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا، شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملادیا پس شیطان کی ملاوٹ اللہ تعالیٰ دور کرتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کردیتا ہے اللہ تعالیٰ دانا اور باحکمت ہے۔''

اس آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ شیطان لعین، انبیائے کرام جیسے قدسی نفوس کے دلوں میں بھی وسواس پیدا کرسکتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں ایک روایت بھی بعض کتب احادیث میں مروی ہے جس سے بہت سے لوگ شبہات کا شکار ہوئے ہیں۔ انبیاء کے حوالے سے شیطانی وسواس کی حقیقت کیا ہے، اس سلسلہ میں آئندہ سطور میں مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ کی تفسیر'' تیسیر القرآن ''کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر پیش کی جارہی ہے۔ مولانا کیلانیؒ رقمطراز ہیں کہ:

'' تمنی کے معنی تمنا یا آرزو کرنا بھی لغوی لحاظ سے درست ہیں اور تلاوت کرنا بھی۔ ترجمہ میں پہلے معنی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی یا رسول جب کوئی آرزو کرتا ہے (اور نبی یا رسول کی بڑی سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کرلیں اور اس دعوت کو فروغ اور قبول عام حاصل ہو) تو شیطان اس کی خواہش کی تکمیل میں کئی طرح سے رکاوٹیں کھڑی کردیتا ہے۔ اور ایسا وسوسہ بعض دفعہ تو شیطان نبی اور اس کے پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جیسے کفار کے کسی حسی معجزہ کے مطالبہ پر خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ خیال آنے لگا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی ایسا معجزہ دکھادے تو اس سے کئی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں یا مثلاً رؤسائے

---

(۱) ['تفہیم الاحادیث' (ج۱ص ۴۰۰، ۴۰۱) بحوالہ 'رسائل ومسائل' (ج۴/ ص ۱۰۰۔۱۰۱)]

قریش نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ ان ناتواں اور حقیر لوگوں (یعنی کمزور مسلمانوں) کو اپنی مجلس سے کسی وقت اٹھادیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی دعوت غور سے سننے کو تیار ہیں اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی عدمِ مخالفت اور اسلام کے غلبہ کی خاطر کافروں کے اس مطالبہ پر غور کرنے کے لئے تیار بھی ہو گئے تھے تو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروقت تنبیہ ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ ایسی آیات نازل فرمادیتا جو خود اسے منظور ہوتا تھا اور اس کا دوسرا پہلو بھی ہے کہ شیطان نبی یا رسول کی خواہش کی تکمیل کی راہ میں دوسرے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے، اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے اور اس کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں اور یہ لوگ دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں ؛ایک منافقین اور دوسرے وہ لوگ جن کے دل قبولِ حق کے سلسلہ میں پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہوں ۔لیکن اللہ تعالیٰ بالآخر ایسے لوگوں کی تمام تر سازشوں اور کوششوں کو ناکام بنادیتا ہے۔اور جس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ کسی نبی یا رسول کو مبعوث فرماتا ہے، اسے پختہ سے پختہ تر بنادیتا ہے۔

کسی نبی یا رسول کی آرزو میں شیطانی وسوسہ؟

اور اگر 'تمنٰی' کا معنی تلاوت کرنا سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی یا رسول کوئی آیت تلاوت کرتا ہے تو اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے سلسلہ میں شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انہیں شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿حرمت عليكم الميتة﴾ تو بعض لوگوں نے اعتراض جڑ دیا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ اللہ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور انسان کا مارا ہوا (ذبح کیا ہوا) حلال؟ یہ خالصتاً شیطانی وسوسہ تھا۔ اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿انكم وماتعبدون من دون الله حصب جهنم﴾ (یعنی تم بھی اور اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن بنیں گے) اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی تو کافروں نے فوراً یہ اعتراض جڑ دیا کہ پرستش تو سیدنا عیسیٰؑ اور سیدنا عزیرؑ اور فرشتوں کی بھی کی جاتی رہی ہے تو کیا یہ ہستیاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گی ؟ یہ بھی خالصتاً شیطانی وسوسہ تھا۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ دوسری صریح اور محکم آیات نازل فرما کر شکوک وشبہات اور شیطانی وساوس کو دور فرما کر اپنے حکم کی وضاحت فرمادیتے ہیں۔

لات ومنات کی سفارش کا من گھڑت قصہ

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق بعض تفاسیر میں ایک واقعہ مندرج ہے جو یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سورہ النجم کی تلاوت فرمارہے تھے اور یہ تلاوت مشرکین مکہ بھی پاس بیٹھے سن رہے تھے۔جب آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں ﴿**افرایتم اللات والعزی ومنات الثالثة الاخری**﴾ تو شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر درج ذیل الفاظ یوں پڑھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ بھی آپ ہی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں/ **تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترجی** (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں یعنی لات،عزی اور منات۔اور اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کی یقیناً توقع کی جاسکتی ہے)چنانچہ جب مشرکین مکہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے کلیجے ٹھنڈے ہوگئے کہ ان کے بتوں کا بھلائی سے ذکر کیا گیا ہے۔چنانچہ وہ بڑے غور سے آپ کی تلاوت سننے لگے اور سورہ النجم کے اختتام پر آپ نے اور دیگر مسلمانوں نے سجدہ کیا تو ساتھ ہی مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔

پھر یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا اگلا حصہ یہ ہے کہ پھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مسلمانوں اور کفار مکہ میں صلح و سمجھوتہ ہوگیا ہے۔یہ خبر اڑتی اڑتی جب مہاجرین حبشہ کو ملی تو ان میں سے بعض مہاجر مکہ واپس آگئے لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

یہ واقعہ کئی لحاظ سے غلط ہے مثلاً:

۱۔ان تمام روایات کی اسناد مرسل اور منقطع ہیں۔لہذا یہ روایات ساقط الاعتبار ہیں۔اسی وجہ سے صحاح ستہ میں اس قسم کی کوئی روایت مذکور نہیں۔

۲۔ان آیات میں ''اس شیطانی وسوسہ'' سے پہلے ہی بتوں اور دیویوں کی مذمت مذکور ہے اور بعد میں بھی۔لہذا درمیان میں بتوں کا یہ ذکر کسی لحاظ سے بھی فٹ نہیں بیٹھتا۔

۳۔تاریخی لحاظ سے یہ روایات اس لئے غلط ہیں کہ ہجرت کا واقعہ ۵ نبوی میں پیش آیا تھا اور جو مہاجر اس غلط افواہ کی بنا پر واپس مکہ آئے تھے وہ صرف تین ماہ بعد آئے تھے۔جبکہ یہ سورت مدنی ہے اور ہجرت حبشہ سے واپسی اور اس سورہ کے نزول کے درمیان کم از کم آٹھ نو سال کا عرصہ ہے۔

شیطانی وساوس کا مختلف لوگوں پر مختلف اثر:

ان روایات میں دراصل کافروں کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جو یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جو بعد میں محکم اور واضح آیات نازل کر کے شکوک وشبہات کو دور کرتے ہیں وہ پہلے ہی ایسے واضح احکام کیوں نہیں بھیج دیتے جن سے شکوک وشبہات پیدا ہی نہ ہوں'' یہ اعتراض بھی دراصل کج رو اور کج فطرت کافروں کی عیاری کا غماز ہے اور اس کا جواب سورہ آل عمران کے ابتدا میں آیات متشابہات اور آیات محکمات (آیت نمبر ۷) میں بیان ہو چکا ہے اور یہاں بھی انہیں دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ:

۱۔ شکوک میں مبتلا صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو منافق ہوں یا ہٹ دھرم قسم کے کافر۔

۲۔ ایسی آیات سے بھی ایمانداروں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برحق ہے۔

۳۔ ایسی آیات دراصل سب لوگوں کے لئے ایک آزمائش اور جانچ ہوتی ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کس مقام پر کھڑا ہے؟ آیا وہ منافقوں سے تعلق رکھتا ہے یا اللہ پر ایمان لانے والوں سے؟''(۱)

(۱) [تفسیر ''تیسیر القرآن'' از مولانا کیلانی ؒ (ج۳/ص۱۷۱ تا ۱۷۳)]

باب سوم/فصل (۱)

شیاطین اور جنات کی دنیا، ایک نظر میں

شیطان اکبر کی واردات اور حملوں سے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اس سے متعلقہ معلومات اچھی طرح حاصل ہوں۔شیطان چونکہ جنات کی جنس سے ہے اور اپنی تمام عادات وصفات وغیرہ میں یہ انہی کے مشابہہ ہے اس لیے آئندہ سطور میں ہم جنات کے بارے میں عمومی تعارف اور بنیادی معلومات مہیا کرر ہے ہیں۔

جنات وشیاطین اور ان کا دین وایمان

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے بھی جنات کو بھی انسانوں ہی کی طرح اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس عبادت کے لیے انہیں اختیار بھی دیا ہے لیکن جس طرح انسان اس اختیار کو صحیح استعمال کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں یا پھر کفر کی راہ اختیار کر لیتے ہیں ،اسی طرح بعض جن بھی اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان بن کر مسلمان ہوجاتے ہیں، جبکہ بہت سے جن اسلام میں داخل نہیں بھی ہوتے ۔اس سلسلہ میں خود قرآن مجید میں جنوں کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ

﴿ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ [الجن ۔۱۴،۱۵]

''ہاں ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے انصاف ہیں ۔پس جو فرماں بردار ہو گئے انہوں نے تو راہ راست کا قصد کیا اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بن گئے ۔''

جنات کی خوراک

صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جن بھی انسانوں کی طرح کھانے پینے والی مخلوق ہے ۔نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات اپنی خوراک دو طرح سے حاصل کرتے ہیں ۔ایک تو وہ خوراک جو انسان کھاتے ہیں اور یہ جنات بھی چوری چھپے ان کے ساتھ

شامل ہو کر اسے کھا لیتے ہیں جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھانا کھانے لگو تو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جب پانی پینے لگو تو دائیں ہاتھ سے پیو کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔(۱)

۲۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جب ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کسی کھانے میں حاضر ہوتے تو اس وقت تک کھانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے نہ بڑھاتے جب تک کہ آپؐ شروع نہ فرما لیتے۔ ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ کھانے کے لیے حاضر تھے کہ ایک لڑکی آئی، گویا اسے کوئی دھکیل کر لایا ہے۔ وہ اپنا ہاتھ کھانے کے لیے بڑھانا چاہتی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک دیہاتی آیا گویا کوئی اسے بھی دھکیل کر لایا ہو۔ آپ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور اس لیے شیطان اس لڑکی کو دھکیل کر لایا تاکہ اس کے ساتھ وہ کھانا حلال کر سکے۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا پھر شیطان اس کو دھکیل کر لایا تاکہ اس کے ذریعے کھانا اپنے لیے حلال کر سکے مگر میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ قسم اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں سمیت میرے ہاتھ میں ہے!(۲)

اس کے علاوہ بھی جنات کی باقاعدہ الگ خوراک کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنوں نے مجھ سے اپنی خوراک کے بارے میں سوال کیا تو میں نے کہا کہ

((لکم کل عظم فی ایدیکم اوفرما یکون لحما وکل بعرة علف لدوابکم ......فقال رسول اللہ ﷺ فلاتستنجوابھمافانھما طعام اخوانکم))(۳)

(۱) [مسلم: کتاب الاشربة :باب آداب الطعام ...... (۲۰۲۰)]

(۲) [مسلم کتاب الاشربة :باب آداب الطعام (۲۰۱۷)]

(۳) [مسلم: کتاب الصلاة : باب الجھر بالقراۃ فی الصبح (۴۵۰)]

''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا جائے، وہ تمہاری خوراک ہے اور اللہ کا نام لینے کی برکت سے وہ تمہارے ہاتھوں میں گوشت سے بھرپور ہو جائے گی۔ اور مینگنیاں تمہارے جانوروں کا چارہ ہیں...... پھر اللہ کے رسول ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ ہمارے بھائیوں (یعنی مسلمان جنوں) کی خوراک ہے۔''

جنات کی رہائش

جنات عموماً ویران مقامات، کھنڈرات، جنگلوں اور صحراؤں میں رہائش رکھتے ہیں جبکہ ان میں سے مسلمان جنات خاص طور پر بیت اللہ کا قرب و جوار، مکہ و مدینہ جیسے معزز وافضل شہروں اور مسجدوں وغیرہ جیسی پاک جگہ کو اپنی رہائش کے لیے منتخب کرتے ہیں اور ان کے برعکس شریر اور غیر مسلم جن، گندی جگہوں مثلاً بیت الخلاء، کوڑا کرکٹ کے ڈھیر اور کفر و شرک کے اڈے وغیرہ جیسی معنوی یا حسّی طور پر نجاست سے لبریز جگہوں کو اپنی رہائش کے لیے پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم بیت الخلاء میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) (۱)

''یا اللہ! میں جنوں اور جنیوں (چڑیلوں) سے بچاؤ کے لیے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

ایک روایت میں واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ

''ان گندی جگہوں پر شیطان رہتے ہیں لہٰذا جب کوئی بیت الخلاء میں جائے تو یہ دعا (درج بالا) پڑھ لیا کرے۔'' (۲)

جنات جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں کہ:

''اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر جن جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور اکثر و بیشتر اہل علم کے بقول مسلمان جن جنت میں جائیں گے۔'' (۳)

(۱) [بخاری: کتاب الوضوء: باب مایقول عندالخلاء]

(۲) [حاکم (ج ۱/ص ۱۸۷) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے]

(۳) [مجموع الفتاوی (ج ۱۹/ص ۳۸)]

کیا جن اپنی شکل تبدیل کر سکتا ہے؟

قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ جن اپنی شکل تبدیل کر سکتے ہیں چند دلائل ملاحظہ ہوں:

ا۔ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال: ۴۷]

''ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اِتراتے ہوئے اور لوگوں میں خودنمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے گھیر لینے والا ہے جبکہ ان کے اعمال، شیطان انہیں زینت دار دکھا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آج تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ میں خود بھی تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں جماعتیں نمودار ہوئیں تو اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا کہ میں تو تم سے بری ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''

ان آیات کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مشرکینِ مکہ جنگ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو شیطان سراقہ بن مالک نامی ایک مشرک سردار کا روپ دھار کر آیا تھا اور انہیں اپنے اور اپنے قبیلے بنو بکر بن کنانہ کے تعاون کا بھرپور وعدہ دلایا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے یہ وعدہ اس لیے دلایا کیونکہ یہ قبیلہ قریش مکہ کا حریف تھا۔ (۱)

۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''مدینہ میں کچھ جنوں نے اسلام قبول کرلیا ہے لہٰذا اگر تم کوئی سانپ دیکھو تو اسے تین مرتبہ اذن (حکم) دو کہ وہ چلا جائے۔ اور اگر وہ اس کے بعد بھی نہ جائے تو اسے قتل کردو کیونکہ وہ شیطان ہے۔'' (۲)

(۱) [دیکھئیے: تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر فتح القدیر/بذیل آیت مذکورہ]

(۲) [مسلم: کتاب السلام: باب اجتناب المجذوم ونحوہ (۲۲۳۶-۱۴۱)]

۳۔ حضرت ابو سائبؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعیدؓ سے ملاقات کے لیے گیا تو وہ نماز میں مشغول تھے چنانچہ میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا دریں اثناء ان کے گھر کے ایک طرف ان کے بستر کے نیچے سے مجھے سانپ کی حرکت محسوس ہوئی اور میں نے دیکھا تو واقعی سانپ تھا چنانچہ میں اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو ابو سعیدؓ نے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھے رہو۔ میں بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں ایک نو بیاہتا جوڑا رہتا تھا۔ جب ہم جنگ خندق میں اللہ کے حضور ﷺ کے ہمراہ تھے تو اس شخص نے دوپہر کے وقت اللہ کے رسول ﷺ سے اپنے گھر جانے کی اجازت طلب کی آپؐ نے اسے فرمایا کہ مجھے بنو قریظہ (یہودی قبیلے) سے خطرہ ہے۔ لہذا تم اپنا ہتھیار بھی ساتھ لے جاؤ۔

جب وہ صحابیؓ اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اس کی بیوی گھر کی دہلیز پر کھڑی تھی۔ اس صحابیؓ کی غیرت نے جوش مارا اور اس نے اس پر حملہ کرنے کے لیے اپنا نیزہ تان لیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اپنا نیزہ دور رکھو اور پہلے گھر میں داخل ہو کر جائزہ لو کہ کس چیز نے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ بستر پر ایک بہت بڑا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے، اس نے فوراً سانپ کو اپنا نیزہ چبھویا اور اسے نیزہ میں پرو کر نیزہ صحن میں گاڑ دیا وہ سانپ نیزے پر تڑپنے لگا اور پھر یہ معلوم نہیں کہ سانپ پہلے مرا یا اسے قتل کرنے والا صحابیؓ؟ پھر حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمائش کی کہ آپؐ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس صحابیؓ کو زندہ کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کے لیے استغفار کرو پھر فرمایا کہ مدینہ میں کچھ جنوں نے اسلام قبول کرلیا ہے لہذا جب تم کوئی جن (سانپ وغیرہ کی شکل میں) دیکھو تو اسے تین دن تک (اور بعض روایات میں تین مرتبہ) نکل جانے کی وارننگ دو۔ پھر اس کے باوجود اگر وہ نہ جائے تو اسے قتل کردو کیونکہ وہ شیطان ہے۔''(۱)

معلوم ہوا کہ وہ سانپ اصل میں جن تھا جس نے اپنا روپ بدلا ہوا تھا۔

(۱) [مسلم: کتاب السلام ...... (۲۲۳۶-۱۳۹)]

۴۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کا معروف واقعہ ہے کہ وہ صدقہ کی کھجوروں کی حفاظت پر مامور تھے کہ شیطان ایک آدمی کی شکل میں آ کر چوری کرنے لگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اسے پکڑ لیا اور اس کی منت سماجت کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ تین دن مسلسل ایسا ہوتا رہا کہ وہ شیطان انسانی روپ میں آتا مگر ابو ہریرہؓ اسے ہر مرتبہ پکڑ لیتے۔ پھر تیسرے دن اس نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسا وظیفہ بتاتا ہوں کہ اگر تم سوتے وقت اسے پڑھ لو تو صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمہارے لیے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس نے کہا تم آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو حضرت ابو ہریرہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا......خود تو جھوٹا تھا مگر تمہیں سچی بات بتا گیا ہے۔(۱)

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ شیاطین رجنات اپنی شکلیں تبدیل کر سکتے ہیں لیکن یہ شکلوں کی تبدیلی کیسے اور کیونکر ہوتی ہے اس کی کنہ وحقیقت اور حالت وکیفیت ہم نہیں جانتے۔

جنات کی شادیاں اور اولاد

قرآن وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں مذکر ومؤنث کا تصور موجود ہے اور ان میں بھی آپس میں شادی، بیاہ، عشق ومحبت اور زنا کاری وفحاشی وغیرہ جیسے تمام کام اسی طرح پائے جاتے ہیں جس طرح یہ کام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ جنات کی اولاد کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جو جنوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے۔ ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔'' [الکھف ۵۰]

(۱) [بخاری: کتاب الفضائل القرآن: باب فضل سورۃ البقرۃ ......(۵۰۱۰)]

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی شادیاں ہوتی ہیں تبھی تو ان کی اولاد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔اسی طرح احادیث میں بیت الخلاء میں داخل ہونے کی جو یہ دعا مذکور ہے:((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))''یا اللہ !میں جنوں اور جنیوں (چڑیلوں) سے بچاؤ کے لیے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں نر اور مادہ پائے جاتے ہیں۔

سرعت رفتار

جنات رشیاطین کو جس سرعت رفتار سے نوازا گیا ہے وہ انسانوں کو حاصل نہیں۔مثلاً حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں مذکور ہے کہ

﴿ قَالَ یا اَیُّھَا الْمَلَأُ اَیُّکُمْ یَأْتِیْنِی بِعَرْشِھَا قَبْلَ اَنْ یَّأْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ وَاِنِّی عَلَیْہِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴾[النمل/۳۸،۳۹]

''جب آپ (یعنی حضرت سلیمانؑ) نے کہا اے سردارو!تم میں سے کوئی ہے جو ان (اہل یمن) کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس (ملکہء یمن یعنی سبا) کا تخت مجھے لا دے؟ ایک قوی ہیکل جن کہنے لگا کہ آپ کے اپنی اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے ہی میں اسے آپ کے پاس لا دیتا ہوں اور یقین مانیے کہ میں اس پر قادر ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔''

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس وقت یروشلم میں تھے اور وہاں سے ملکہ سبا کا تخت تقریباً ڈیڑھ دو ہزار کلومیٹر دور تھا۔اور یہ عرش تھا بھی بہت وزنی۔مگر قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں آپ کی یہ مجلس برخواست ہونے سے پہلے پہلے یہ عرش آپ کی خدمت میں حاضر کر سکتا ہوں۔اور یہ کام کوئی انسان نہیں کر سکتا مگر جنوں کو اتنی سرعت رفتار اور قوت وطاقت سے نوازا گیا ہے!

فضاؤں میں اڑان

جنات کو فضاؤں میں اڑنے اور سرعت رفتار سے ایک جگہ سے دوسرے جگہ جانے کی قوت بھی دی گئی ہے حتی کہ جنات زمین سے آسمانوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کے ساتھ دنیوی امور کے حوالے سے جو مجلس ہوتی ہے،اسے سننے اور راز چوری کرنے کی یہ کوشش بھی کرتے ہیں۔اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

بے پناہ قوت وطاقت، تجربہ وذہانت اور عقل وشعور!

درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کو بے پناہ قوت وطاقت، تجربہ وذہانت اور عقل وشعور سے نوازا گیا ہے:

﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ﴾

"اور اس (حضرت سلیمانؑ) کے رب کے حکم سے بعض جنات اس کی ماتحتی میں اس کے سامنے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو بھی ہمارے حکم کی سرتابی کرے ہم اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جو کچھ سلیمانؑ چاہتے جنات تیار کر دیتے مثلاً قلعے مجسمے، بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔" [السبا/۱۲،۱۳]

شیاطین زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے......!

اللہ تعالیٰ کے نیک، صالح بندوں پر شیاطین غلبہ نہیں پا سکتے اور نہ ہی زبردستی کسی کو گمراہ کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ [الحجر/۴۲]

"بلاشبہ میرے (صالح) بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں لیکن ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں"

اسی طرح جہنم میں جانے کے بعد شیطان خود جہنمی لوگوں سے کہے گا:

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ......﴾ [ابراہیم۔۲۲]

"میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنی طرف) بلایا تو تم نے میری بات مان لی، لہٰذا (آج) تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔"

بعض نیک لوگوں سے شیطان ڈرتے ہیں!

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ))

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جب بھی شیطان کسی راستے سے تمہیں آتا ہوا دیکھ لیتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کی طرف بھاگ جاتا ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک روایت میں صراحت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ

((ان الشیطان لیخاف منک یا عمر))(۲) ''اے عمرؓ! شیطان تجھ سے ڈرتا ہے۔''

شیاطین قرآن جیسا معجزہ لانے سے قاصر ہیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام انس وجن کو یہ چیلنج دیا کہ

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾[الاسراء/۸۸]

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا، ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''

شیاطین بند دروازے کو کھول نہیں سکتے!

جیسا کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگے تو اپنے بچوں کو گھروں میں روک کر رکھو کیونکہ اس وقت شیاطین پھیلتے ہیں۔ البتہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر انہیں چھوڑ سکتے ہو۔ اور اللہ کا نام لے کر دروازے بند کرلو کیونکہ شیطان کسی بند دروازے کو نہیں کھول سکتا۔'' (بشرطیکہ وہ اللہ کا نام لے کر بند کیا گیا ہو)(۳)

شیاطین آنحضرت ﷺ کی شکل اختیار نہیں کر سکتے!

جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) [بخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة ابلیس وجنوده (۳۲۹۴)]

(۲) [صحیح سنن ترمذی (۲۹۱۳)]

(۳) [بخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة ابلیس (۳۳۰۴) مسلم (۲۰۱۲)]

((من رأني في المنام فقد رأني فان الشيطان لايتمثل بي)) (1)

''جب کسی شخص نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔''

شیطان اللہ کے رسول ﷺ کی صورت تو ہرگز اختیار نہیں کرسکتا مگر وہ یہ ضرور کرسکتا ہے کہ کسی اور خوبصورت شکل میں آ کر کہے کہ میں تمہارا نبی ہوں اور اس طرح لوگوں کو دھوکہ دے۔اس دھوکہ سے بچاؤ کی اہل علم ایک تدبیر تو یہ بتاتے ہیں کہ

ہم نے چونکہ نبی اکرمؐ کو حالت حیات میں دیکھا نہیں اس لیے ہم آپؐ کو پہچان ہی نہیں سکتے لہذا ایسا کوئی معاملہ ہو تو فوراً سمجھ لینا چاہئے کہ لامحالہ ایسی تصویر شیطان کی ہوگی۔

دوسری تدبیر یہ بتائی جاتی ہے کہ خواب میں جو صورت دکھائی گئی ہو، اگر وہ غیر شرعی حالت میں نہ ہو اور کوئی خلاف شرع حکم بھی نہ دے تو پھر ممکن ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کی تصویر ہو اور شیطان کی تصویر نہ ہو۔واللہ اعلم!

شیطان ،انسانوں کی آبادی پر حملہ آور نہیں ہو سکتے......!

جنات وشیاطین کے حملے اگرچہ غیر مرئی وغیر محسوس شکل میں ہوتے ہیں اور کبھی کبھار کسی پر جسمانی حملے بھی یہ کرتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ شیطان کے کسی لشکر نے انسانوں کی بستی پر حملہ کر کے انہیں ملیا میٹ کیا ہو۔

(۱) [بخاری : کتاب التعبیر :باب من رأى النبیؐ في المنام ......(٦٩٩٤)مسلم (٢٢٦٦،٢٢٦٨)]

فصل دوم (۲)

حقیقتِ جن ...... اور منکرین جنات وشیاطین کے اعتراضات کا علمی محاکمہ ✪

جن کی حقیقت کے متعلق شبہات کی ابتدا دورِ جدید میں غالباً انیسویں صدی کے وسط آخر میں ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں محض کسی مذہبی کتاب کی سند پر کسی ایسی شے کو موجود ماننا، جس کے وجود کا کوئی سائنٹفک ثبوت موجود نہ ہو، بڑے شرم کی بات ہوگئی تھی اور ایسی شرم ناک بات کا ارتکاب صرف وہی شخص کرسکتا تھا جو اس زمانے کے اہل علم کی نگاہوں میں تاریک خیال اور توہم پرست کٹھ ملا بننے کے لیے تیار ہوتا۔ ان حالات میں ان مسلمانوں نے جو اپنی دنیوی ترقی کے لیے اپنے غیر مسلم آقاؤں اور پیشواؤں کی نگاہ میں روشن خیال اور عقل پرست بننا ضروری سمجھتے تھے۔ ایک نئی نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا۔ اور ہر اس مسئلے کو جسے ماننے کے لیے انیسویں صدی کے مادہ پرست بندگان حواس و پرستارانِ عادت، آمادہ نہ ہوسکتے تھے، ایسے عجیب طریقوں سے تاویل کی خراد پر چڑھایا کہ وہ مسئلہ قرآن سے خارج بھی نہ ہوا اور ان لوگوں کے افکار وتخیلات کے مطابق ڈھل بھی گیا جو قرآن کی روح اور اس کے اصولِ اوّلیہ سے بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں جن قرآنی ارشادات کو توڑ امروڑا گیا انہی میں سے ایک وہ ارشادات ہیں جو ابلیس، شیاطین اور جنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ

✪ [یہ فصل دراصل ماہنامہ 'ترجمان القرآن' (جنوری ۱۹۳۵ء) میں مولانا مودودیؒ کے قلم سے شائع ہونے والے ایک مضمون پر مشتمل ہے جسے مولانا کی کتاب تفہیمات (حصہ دوم) کے حوالے سے پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں موصوف نے منکرینِ جنات کے دلائل واعتراضات کا بھرپور علمی محاکمہ کیا ہے، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (امین) اس مضمون کے شروع میں مولانا کا یہ اقتباس درج ہے: "یہ مضمون ایک کتاب پر تنقید کے سلسلے میں لکھا گیا تھا جو چند سال قبل شائع ہوئی تھی۔ ابتداء ہم نے مصنف کے ان خیالات پر مختصر تنقید کی تھی جو انھوں نے اپنی کتاب میں جنوں کے متعلق ظاہر کیے تھے۔ پھر ایک اہل قلم نے اس تنقید پر تعاقب کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ مضمون لکھا گیا ہے۔ چونکہ اس سے مقصود محض فائدۂ علمی ہے، کسی پرانی بحث کو تازہ کرنا نہیں ہے۔ اس لیے دونوں صاحبوں کے نام حذف کردیے گئے ہیں۔"]

ان الفاظ سے کوئی ایسی مخلوق مراد نہیں ہے جو انسان سے الگ فوق الطبعی وجود رکھتی ہو۔ بلکہ ان سے کہیں تو انسان کی اپنی بہیمی قوتیں مراد ہیں جنھیں شیطان کہا گیا ہے، اور کہیں ان سے مراد وحشی اور جنگلی اور پہاڑی قومیں ہیں، اور کہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو چھپ چھپ کر قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ یہ تاویلات اتنی رکیک ہیں کہ ان کا ارتکاب صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو یا تو عربی زبان اور قرآن مجید کا تھوڑا سا علم بھی نہ رکھتا ہو، یا پھر وہ جس کے دل میں خدا اور یومِ آخرت کے خوف سے زیادہ اہل دنیا کا خوف ہو۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جن حالات سے ہندوستان کے مسلمان گذرے ہیں ان میں یہ دونوں باتیں جمع ہوگئی تھیں۔ اس لیے یہ اور ان سے بھی زیادہ رکیک تاویلات قرآن مجید میں کی گئیں اور طرفہ ماجرا یہ کہ ادعائے علم وحمایتِ اسلام کے ساتھ کی گئیں۔

جس طرح انسان پر بہت سے دور گذر چکے ہیں اسی طرح یہ دور بھی گذر گیا۔ اب خود یورپ میں بھی ایک بڑا گروہ اپنا پیدا ہو چکا ہے جو روحانیت کا قائل ہے اور اس محسوس ومرئی دنیا کے علاوہ ایک ایسے عالم کے وجود کو بھی مانتا ہے جو ہمارے حواس سے پوشیدہ ہے۔ اس لیے اب جن وشیاطین کے مستقل وجود کو تسلیم کرنا اتنا خطرناک نہیں رہا جتنا اب سے پہلے کچھ مدت تھا۔ تاہم ابھی اس دور کے اثرات بالکل زائل نہیں ہوئے ہیں اور ابھی تک محض قرآن مجید کی سند پر کسی ایسی بات کو ماننے سے دماغ انکار کر رہے ہیں جو فوق الطبعی ہونے کے ساتھ خارقِ عادت بھی ہو۔ یہ اسی دور کے بچے کھچے اثرات تھے جو اس دور میں ہم کو نظر آئے۔ مولانا...... قرآن کے صریح ارشادات کو دیکھ کر یہ تو ماننے پر مجبور ہوگئے کہ ''جن'' سے مراد وہ ایک آتشیں مخلوق ہے جو انسان سے علیحدہ وجود رکھتی ہے۔ لیکن قرآن میں جگہ جگہ جنوں کی طرف جو امور منسوب کیے گئے ہیں، وہ چونکہ خارقِ عادت ہیں اور ان کو بعینہٖ اس طرح ماننا جس طرح قرآن میں وہ بیان ہوئے ہیں، اقتضائے عقلیت کے خلاف محسوس ہوتا ہے، اس لیے انھوں نے کسی نہ کسی طرح تاویل کر کے جنوں کی دو قسمیں قرار دے لیں۔ ایک وہ مخصوص نوع کی مخلوق جو ناریُ الوجود ہے اور انسان سے اصلاً مختلف ہے۔ دوسرے انسانوں کا کوئی خاص طبقہ جس کے متعلق نہ وہ خود جانتے ہیں نہ کسی حوالہ سے بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سا طبقہ ہے اور کس بنا پر 'جن' کے نام پر موسوم ہوگیا؟

ہمارے دوست...... الحمد للہ ان اثرات سے محفوظ ہیں مگر پھر بھی ایک مقام پر ان کو 'جن' کے انسان ہونے کا شبہ ہو ہی گیا۔ وہ مولانا...... کے اس خیال سے تو متفق نہیں ہیں کہ ''قرآن

مجید میں جہاں جہاں جن وانس کے الفاظ ساتھ ساتھ آئے ہیں وہاں جن سے مراد وہ آتشیں جن نہیں بلکہ انسان ہی کا ایک طبقہ ہے۔" لیکن خاص کر حضرت سلیمانؑ کے جنوں پر بھی ان کو شبہ ہے کہ وہ انسان ہی تھے، آتشیں نہ تھے، کیونکہ وہ نظر نہ آتے تھے اور انسانوں کی طرح غوطے لگاتے اور برتن بناتے تھے۔

دو قاعدے: اس مسئلے کی تحقیق میں آگے قدم بڑھانے سے پہلے دو قاعدے ذہن نشین کر لیجیے

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی معلومات میں سے کسی ایسی شے کو جو ہمارے دائرہ علم وادراک سے خارج ہے، ہمارے علم میں لانا چاہتے ہیں تو لامحالہ وہ اس شے کو ہماری زبان کے کسی ایسے ہی لفظ سے تعبیر کرتا ہے جس کو ہم نے اس چیز کے ساتھ کسی قریب تر مشابہت رکھنے والی چیز کے لئے وضع کیا تھا۔ تاکہ ہم اس شے کا کسی حد تک صحیح تصور کر سکیں جو اللہ کے علم میں ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ حق تعالیٰ کسی چیز کو یونہی کسی مناسبت اور ربطِ معنوی کے بغیر کسی خاص لفظ سے موسوم کر دے درآں حالیکہ اس چیز کے لیے دوسرے الفاظ کو چھوڑ کر اس خاص لفظ کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو جس چیز کو 'جنت' سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے لیے 'جنت' کا لفظ 'جہنم' کے مقابلہ میں اولیٰ نہ ہوتا۔ اور جس چیز کو 'نور' سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے لیے 'نار' کا استعمال بھی اسی طرح جائز ہوتا جس طرح کہ 'نور' کا لفظ ہے۔

دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ جب انسانی زبان کا کوئی ایسا لفظ اپنی کتاب میں استعمال فرماتا ہے جس کے ایک معنی لغت اور محاورے میں معلوم و معروف ہوں تو لامحالہ کتاب الٰہی میں بھی اس لفظ کے وہی معنی قرار پائیں گے جو لغت اور محاورے میں شائع و ذائع ہیں۔ الا یہ کہ کسی صریح علامت سے ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو کسی خاص موقع پر یا مستقل طور پر عام معنی سے الگ اپنے ایک اصطلاحی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ ایسی کوئی علامت موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کہ لغت اور محاورے سے قطع نظر کر کے کتابِ الٰہی کے کسی لفظ کا خواہ مخواہ کوئی من مانا مفہوم لے لیا جائے۔ یہ دروازہ اگر کھل جائے تو پھر تاویل و تفسیر سے گذر کر معاملہ مسخ و تحریف تک جا پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد الٹی پلٹی تفسیروں کا سلسلہ کسی حد پر جا کر رک نہیں سکتا۔

'جن' کی لغوی تحقیق: قاعدہ اول کے مطابق ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عربی لغت میں لفظ 'جن'

کا اصل کیا ہے اور اہل زبان نے اسے کس مفہوم کے لیے وضع کیا ہے۔

'جن' کا مادّہ، ج ن ن ہے۔اس مادہ کا مرکزی تصور پوشیدگی ہے اور اس کے تمام مشتقات میں کسی نہ کسی طور پر یہ تصور ضرور پایا جاتا ہے۔اصل الجن ستر الشیء من الحاسة (راغب) کل شیء ستر عنک فقد جن عنک (جمهره ابن درید ولسان العرب)

اسی بنا پر جنان ہر چیز کے جوف کو کہتے ہیں جو نظر نہیں آتا۔روح کو جنان اس لیے کہتے ہیں کہ جسم اس کو چھپائے ہوئے ہے۔دل کو جنان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صندوقِ سینہ میں مستور ہے۔حریم خانہ کو جنان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چار دیواری میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔باغ کو جنت اس لیے کہتے ہیں کہ درختوں کے جھنڈ اس کی زمین کو چھپا لیتے ہیں۔اگر باغ میں یہ صفت نہ ہو تو اس کو باغ نہیں کہہ سکتے۔بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہے جنین ہے۔حتیٰ کہ ہر چیز جو چھپی ہوئی ہے اس پر جنین کا اطلاق ہو سکتا ہے۔چنانچہ چھپے ہوئے کینے کو 'حقدِ جنین' کہا گیا ہے۔قبر کو جَنن کہتے ہیں۔کفن کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے۔دفن کرنے کے لیے اِجنان کا لفظ آتا ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے:'ولی ملفته صلی الله علیه وسلم واجنانه علی والعباس' پردے اور آڑ کو جُنّة کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے ﴿اتخذوا ایمانهم جنة﴾ (منافقون/۲) 'انہوں نے اپنی قسموں کو اس نفاق کے لیے پردہ بنالیا ہے جو اپنے دلوں میں لیے ہوئے ہیں۔' جنه وجن وعلیه/ 'چھپالیا اس کو۔' چنانچہ قرآن مجید میں ہے ﴿فلما جن علیه اللیل﴾ 'جب رات کی تاریکی اس پر چھا گئی۔' اجنان کے معنی چھپا دینا اور استجنان کے معنی چھپ جانا۔جن اللیل وجنان اللیل۔رات کی شدید تاریکی جو پردہ پوش ہوتی ہے۔

چنانچہ درید بن الصمہ کہتا ہے:"ولولا جنون اللیل ادرک رکضنا"

اور ہذلی کہتا ہے:"حتی یجیء وجن اللیل یوغله"

راز اور پوشیدگی کو بھی جن کہتے ہیں۔مثل ہے لاجن بهذا الامر یعنی اس معاملہ میں کوئی راز نہیں ہے۔جن الناس اور اجنان الناس/ آدمیوں کی اس بھیڑ کو کہتے ہیں جس میں اگر کوئی آدمی گھر جائے تو پتہ نہ چل سکے کہ کہاں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں جن کے نام سے جس نوع مخلوقات کو بھی موسوم کیا جائے گا وہ بہر حال غیر محسوس یا کم از کم مستور ہی ہوگی۔جس مخلوق میں مستوری کی صفت نہ پائی جائے اس کو اس نام سے بھی موسوم نہیں کیا جا سکتا۔تمام اکابر اہل لغت نے بالاتفاق یہی بات 'جنوں' کی

وجہ تسمیہ میں لکھی ہے۔ چنانچہ جمہرہ ابن درید، مفردات امام راغب، صحاح، قاموس، لسان العرب، تاج العروس، غرض زبان کی کسی مستند لغت کو اٹھا کر دیکھ لیجیے، سب میں یہی لکھا ملے گا کہ جن اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

کلام عرب کی شہادت: لغت کے بعد کلامِ عرب پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے بطور خود یہ کوئی نئی اصطلاح وضع نہیں کی تھی۔ اہل عرب پہلے سے ایک ایسی فوق الطبعی مخلوق کو 'جن' کے نام سے یاد کرتے تھے جو بالاصل غیر مرئی وغیر محسوس تھی، مگر کبھی کبھی ان کو مختلف شکلوں میں نظر آتی تھی، جس کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ وہ غیر معمولی افعال پر قادر ہے اور عالمِ طبیعت واجسام پر مختلف طریقوں سے اثر انداز ہوتی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ خاص خاص مقامات پر یہ مخلوق قابض ہو جاتی ہے، چنانچہ ایسے مقامات کو وہ ارضِ مجنہ کہا کرتے تھے۔ سنسان جنگلوں اور بیابانوں کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی جن کے قبضے میں ہوتے ہیں، چنانچہ جب وہ کسی بیابان میں رات کو پڑاؤ کرتے تو کہتے: نعوذ بعزیز هذا الوادی من الجن الليلة من شر ما فيه، "یعنی ہم اس وادی کے مالک جن کی پناہ مانگتے ہیں کہ وہ آج رات ہمیں یہاں خیریت سے ٹھہر جانے دے۔" خالی مکانوں کے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ ان میں جنوں کا تسلط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص کسی خالی مکان میں رات گزارتا اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ رات کو جنوں کا مہمان تھا۔ اخطل کہتا ہے: وبتنا كانا ضيف جن بليلة

جہلائے عرب جب کوئی نیا مکان بنواتے تو پہلے وہاں جنوں کے لیے قربانی کرتے تاکہ وہ ساکنین مکان کو نہ ستائیں۔ اس کی طرف سے حدیث میں اشارہ ہے کہ انه نهى عن ذبائح الجن "نبی ﷺ نے جنوں کے لیے قربانی کی ممانعت کر دی۔"

جب کوئی انسان پاگل ہو جاتا تو عرب یہ سمجھتے تھے کہ اس پر جن مسلط ہو گیا ہے۔ اسی لیے وہ اس کو مجنون کہتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی ان کے اس خیال کو بیان کیا گیا ہے کہ ﴿افترى على الله كذبا ام به جنة﴾ [سبا/۸] "(یعنی مشرکین نبی اکرم ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ) یہ شخص یا تو خدا پر افترا باندھتا ہے یا اس پر جن آتا ہے۔"

جب گائے پانی نہ پیتی تھی تو اس کے نر کو مارا جاتا تھا کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ جن ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ مادہ کو پانی پینے سے روکتا ہے۔ ان کا وہم تھا کہ ایک جن ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو وہ "تابع" یعنی ہمزاد کہا کرتے تھے۔ ہر غیر معمولی چیز جنوں کی

طرف منسوب کی جاتی تھی۔ چنانچہ جو شخص کام میں بہت تیز ہوتا اس کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ جن اس میں سما جاتا ہے اس لیے اس کو جنی (یعنی منسوب بہ جن نہ کہ خود جن) کہا جاتا تھا۔ ہر شاعر کا ایک خاص جن ہوتا تھا اور وہی اس کو شعر کہلوایا کرتا تھا۔ جب کسی شخص کا زور ٹوٹ جاتا تو کہتے کہ "نفرت جنه / اس کا جن، جس کے زور سے وہ کام کر رہا تھا، بھاگ گیا"۔ جو عورت بہت جمیل ہوتی اس کو مجازاً اجنیہ یعنی 'پری' کہتے کیونکہ جن عورتوں کا جمال ان کے نزدیک فوق الانسانی جمال تھا۔

جنوں کی انہی فوق الانسانی صفات اور قدرتوں کی بنا پر اہل عرب خدا سے ان کا نسب ملاتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے ﴿وجعلوا بينه وبين الجنة نسبا﴾ [الصّٰفّٰت/۱۵۸] "یعنی انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی۔" اور اسی بنا پر وہ عبادت میں ان کو خدا کا شریک بناتے تھے: ﴿بل كانوا يعبدون الجن اكثرهم بهم مؤمنون﴾ [سبا/۴۱] "بلکہ وہ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ انہی کے معتقد ہوئے تھے"

﴿وجعلوا لله شركاء الجن وخلقهم وخرقوا له بنين وبنت بغير علم﴾ [انعام/۱۰۰] "اور انہوں نے اللہ کے ساتھ جن شریک ٹھہرا لیے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور انہوں نے علم کے بغیر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لی ہیں۔" نیز وہ مصیبت اور خوف کے وقت انہی جنوں سے پناہ مانگتے تھے ﴿كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن﴾ [الجن/۶] "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔"

وہ ملائکہ کو بھی جن کہتے تھے۔ چنانچہ اعشیٰ کا قول ہے:

ومسخر عن جن الملئک تسعة   قياما لديه يعملون بلا اجر

"اس نے ملائکہ جن میں سے نو (۹) کو تابع کر لیا جو اس کے حضور کھڑے رہتے ہیں اور مفت خدمت کرتے ہیں۔"

فرشتوں کے متعلق جہلائے عرب کا خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ چنانچہ اس کی طرف متعدد مقامات پر قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ﴿وجعلوا الملئكة الذين هم عباد الرحمن اناثا﴾ [الزخرف/۱۹] "انہوں نے ملائکہ کو جو رحمان کے بندے ہیں لڑکیاں (یا دیویاں) قرار دیا ہے۔" اور ﴿افاصفاكم بالبنين واتخذ من الملئكة اناثا﴾ [بنی اسرائیل/۴۰] "کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں سے سرفراز کیا اور خود اپنے لیے بیٹیاں رکھیں؟"

ان شہادتوں کے مقابلہ میں ایک شہادت بھی عرب کی روایات سے ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس سے معلوم ہوتا کہ عرب کبھی لفظِ جن کا اطلاق حقیقی معنوں میں انسان پر بھی کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس تمام شواہد یہی بتاتے ہیں کہ اہل عرب 'جن' اور 'انس' کو دو مختلف نوع کی مخلوقیں سمجھتے تھے۔ مثال کے طور پر بدر بن عامر کہتا ہے:

ولقد نطقت قوافیاً انسیۃ ولقد نطقت قوافی التجنین

اور عمران بن حطان الحروری کہتا ہے:

قد کنت عندک حولا لا تروعنی فیہ روائع عن انس ولا جانی

اس کے بعد ائمہ لغت کی یہ متفقہ شہادت ملاحظہ ہو۔ جوہری اپنی کتاب الصحاح میں کہتا ہے:

"الجن خلاف الانس سمیت بذالک لانھا تخفی ولا تری / جن بخلاف انس، اس نام سے اس لیے موسوم ہوئے کہ وہ پوشیدہ ہیں، نظر نہیں آتے۔"

اور ابن سیدہ کہتا ہے:

"الجن نوع من العالم سموا بذالک لاجتنانھم عن الابصار ولانھم استجنوا من الناس فلا یرون / جن ایک نوع کی مخلوق ہے جس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ نگاہوں سے مخفی ہے، دکھائی نہیں دیتی۔"

چند مقامات:

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے چند باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

اول یہ کہ لغت عرب میں جن کے وہی معنی ہیں جو ہماری زبان میں "چھپے ہوئے" اور "پوشیدہ" کے ہیں۔ اس لفظ کو جب انواع مخلوقات میں سے کسی نوع کے لیے نام کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو ضرور ہے کہ وہ کوئی ایسی نوع ہو جو عادتاً مخفی و مستور ہو حتیٰ کہ اس کا ظاہر اور نمایاں ہونا خرقِ عادت میں سے شمار کیا جائے۔ نہ یہ کہ وہ عادتاً ظاہر اور نمایاں ہو جیسے انسان۔ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ لفظ 'سیال' کا اطلاق ہمیشہ ایسی ہی چیز پر کیا جائے گا جو عادتاً بہنے والی ہو اور اگر کبھی وہ جامد پائی جائے تو اس کا جمود خلافِ معمول شمار کیا جائے گا، مثلاً پانی۔ لیکن اگر کوئی شخص لفظ سیال کا اطلاق کسی ایسی چیز پر کرے جو عادتاً جامد ہو (مثلاً پتھر) اور جس کا جامد ہونا نہیں بلکہ سیال ہونا خلافِ معمول ہو تو آپ یقیناً حکم لگا دیں گے کہ وہ شخص لفظ سیال کے معنی سے ناواقف ہے اور لفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں استعمال کر رہا ہے۔ اسی طرح

اگر قرآن مجید میں لفظ جن (مخفی ومستور) کا اطلاق کسی ایسی مخلوق پر کیا جاتا جو عادتاً مخفی و مستور نہیں ہے بلکہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مرئی ومحسوس ہے (مثلاً انسان) تو نعوذ باللہ یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ اس کتاب کو پیش کرنے والا یا تو مجنون ہے یا لفظ جن کے معنے سے ناواقف ہے۔یقین مانیے کہ ایسی صورت میں خواہ تمام عجم قرآن پر ایمان لے آتا مگر کوئی عرب تو کبھی اس پر ایمان نہ لاتا۔کیونکہ وہ جن کا بطور معجزہ وخرقِ عادت مرئی ومحسوس بن جانا تو مان سکتا ہے مگر یہ کبھی بھی نہیں مان سکتا کہ مرئی ومحسوس انسان کو جن کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔جس وقت کفارِ عرب نے کہا تھا کہ محمد ﷺ کو کوئی عجمی شخص قرآن سکھاتا ہے تو اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ کوئی دلیل نہ پیش کر سکے،اور جب قرآن نے اس الزام کا جواب یہ دیا کہ ﴿لسان الذی یلحدون الیه اعجمی وھذا لسان عربی مبین﴾[النحل/۱۰۳] ''جس شخص کو یہ سکھانے والا بتاتے ہیں،اس کی زبان تو عجمی ہے حالانکہ قرآن جس زبان میں ہے وہ عربی مبین ہے''۔تو اس جواب کو سن کر تمام عرب کی زبانیں بند ہوگئی تھیں۔لیکن اگر کہیں اس وقت کفارِ عرب کو ایک مثال بھی قرآن میں ایسی مل گئی ہوتی جس میں لفظ 'جن' کا اطلاق انسان پر کیا گیا ہو تو وہ پلٹ کر جواب دیتے کہ یہ کہاں کی لسانِ عربی مبین ہے جس میں 'جن' کا اطلاق انسان پر کیا جا رہا ہے۔

دوم یہ کہ عرب میں پہلے سے 'جن' کا نام ایک ایسی فوق الطبعی غیر جسمانی مخلوق کے لیے موضوع اور شائع ومتعارف تھا جو عادتاً محسوس نہ ہوتی تھی،جس کو کبھی کبھی وہ ''سعالی'' اور ''غول'' وغیرہ کی شکل میں دیکھتے تھے اور جس کے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ وہ فوق الطبعی انداز سے ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔پس جب قرآن نے اس شائع شدہ لفظ کو استعمال کیا تو لامحالہ اس کے معنی وہی لیے جائیں گے جن کے لیے وہ پہلے سے وضع کیا ہوا تھا اور شائع تھا۔قرآن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ عربی میں اتارا گیا ہے تاکہ عرب جو اس کے اولین مخاطب ہیں۔اس کو سمجھ سکیں۔﴿انا انزلنه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون﴾[یوسف/۲] یہ دعویٰ اسی صورت میں سچا ہو سکتا تھا جب کہ قرآن میں وہی الفاظ اور اصطلاحات اور اندازِ بیان استعمال کیے جاتے جو عرب میں رائج ومعروف تھے،یا اگر اہل عرب کی زبان کے کسی لفظ کو معلوم ومتعارف معنی کے سوا کسی خاص معنی میں استعمال کیا بھی جاتا تو وہ اصل لغت کے خلاف نہ ہوتا اور اس خاص معنی کی تشریح کردی جاتی تاکہ عرب اس کو سمجھ سکتے۔لیکن آپ لفظ 'جن' کے جو معنی بیان کرتے ہیں،نہ کلامِ عرب میں معلوم ومتعارف ہیں اور نہ ان کی کوئی ایسی تشریح ہی قرآن میں ملتی ہے

جس سے واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ اس نام کا وہ مسمّٰی مراد نہیں ہے جو اہلِ عرب نزولِ قرآن کے زمانہ میں عموماً اس سے مراد لیا کرتے تھے۔ اب اگر آپ کی بات مان لی جائے تو قرآن کا اپنا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ وہ عام فہم عربی میں اترا ہے۔

سوم یہ کہ قرآن میں جگہ جگہ عربوں کے اس اعتقادِ باطل کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جن اور ملائکہ کو خدائی میں شریک ٹھیراتے تھے، خدا سے ان کا نسب جوڑتے تھے، ان سے پناہ مانگتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ پھر ان اعتقاد کا ابطال اس طرح کیا گیا ہے کہ 'جن' خدا کے شریک نہیں ہیں، نہ اس کی اولاد ہیں، بلکہ وہ بھی اسی طرح خدا کی ایک مخلوق ہے جس طرح انسان اس کی مخلوق ہے، فرق یہ ہے کہ انسان مٹی کے ست سے پیدا کیا گیا ہے اور 'جن' آگ کی پھونک سے۔ مگر احکامِ خداوندی کے مخاطب دونوں ہیں۔ خدا کے سامنے جواب دہ ہونے میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور نافرمانی کی سزا دونوں کے لیے یکساں ہے۔ پس انسان کا ان کی عبادت کرنا محض ایک جاہلانہ فعل ہے۔ بلکہ اس میں انسان کے لیے ذلت بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان ایک بالاتر نوع ہے۔ جنوں کے نمائندے 'ابلیس' کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انکار کرنے پر وہ راندۂ درگاہ کیا گیا۔ انسان کو خلافت اور رسالت کے بلند مناصب پر سرفراز کیا گیا اور جنوں کو اس کی اطاعت اور پیروی کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ احقاف کے آخری اور سورۂ جن کے پہلے رکوع میں بیان ہوا ہے۔ پھر انسانوں ہی میں سے ایک برگزیدہ ہستی حضرت سلیمانؑ کو یہ شرف عطا ہوا کہ جن ان کے تابع کیے گئے۔ یہ تمام باتیں جو قرآن میں عربوں کے اعتقادات باطلہ کی تردید کے لیے کی گئی تھیں، اسی صورت میں بامعنی ہو سکتی تھی جب کہ ان میں 'جن' سے مراد وہی مخلوق ہوتی جس کو اہل عرب خدائی میں شریک اور عبادت میں خدا کا ساجھی بناتے تھے۔ ورنہ اگر ان میں 'جن' سے مراد انسان ہی ہوتے تو پھر یہ کسی طرح بھی عربوں کے اوہام کا ابطال کرنے والی نہ ہوتیں اور عربوں کے وہ اعتقادات اپنی جگہ رہ جاتے جو وہ اپنے تصور میں جنوں کے متعلق رکھتے تھے۔

چہارم یہ کہ اگر جنوں کے ذکر سے کسی خاص مقام یا بعض مخصوص مقامات پر قرآن کا مقصود دراصل انسانوں یا ان کے کسی خاص گروہ کا ذکر کرنا تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کو لفظ 'جن' سے تعبیر کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیوں نہ ان کو لفظ انسان ہی سے تعبیر کیا گیا؟ خواہ مخواہ ایسے الفاظ استعمال کرنے کی کیا حاجت پیش آئی تھی جن سے ناری جن اور خاکی جن کے درمیان التباس واقع ہوتا؟ اس طرح کی تاویلات کے بارے میں یہ ایک اہم اصولی سوال

ہے جس کو ہمارے زمانے کے اکثر نرالی تاویلیں کرنے والے حضرات قرآنی الفاظ کے معنی بیان کرتے وقت نظر انداز کر جاتے ہیں۔ وہ اس پہلو پر کبھی غور نہیں کرتے کہ جب کسی خاص معنی کو بیان کرنے کے لیے معروف اور شائع الفاظ عربی زبان میں موجود ہیں اور خود قرآن نے بھی اس معنی کو بیان کرنے کے لیے حسب موقع وہی الفاظ استعمال کیے ہیں، تو آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ کسی خاص مقام پر اس معنی کو بیان کرنے کے لیے (اگر واقع میں اس کا مقصود وہاں وہی معنی بیان کرنا ہو) بعض دوسرے الفاظ استعمال کرتا، درآنحالیکہ وہ الفاظ اس معنی کے لیے شائع اور متعارف نہ تھے اور نہ ہیں؟ مثال کے طور پر اگر واقع یہی تھا کہ حضرت سلیمانؑ کو مصر سے یا دوسرے مقامات سے اعلیٰ درجہ کے غواص، ظروف ساز، معمار اور سنگ تراش آدمی فراہم کردئے گئے تھے تو یہی کہہ دینے میں کون سا امر مانع تھا کہ ہم نے سلیمانؑ کو ایسے اور ایسے آدمی فراہم کردیے تھے۔ کیا اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود نہ تھا کہ مجبوراً اس کو 'جن' اور 'شیاطین' کے الفاظ کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی؟(۱) کیا خود اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کا ذکر کرنے کے مواقع پر ان کو انسان یا بنی آدم کے الفاظ سے تعبیر نہیں کیا ہے؟ اور اگر خاص آدمیوں میں کوئی خصوصیت ایسی تھی کہ ان کو 'جن' اور 'شیاطین' کے استعاروں میں ادا کرنا ضروری تھا تب بھی اس تصریح میں کیا چیز مانع تھی کہ یہ 'جن' بنی آدم سے تھے؟

قرآن میں معنی جن کی تصریح:

ان مقدمات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب دیکھیے کہ قرآن مجید نے لفظ 'جن' کو کس معنی میں استعمال کیا ہے۔ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن میں 'جن' اور 'انسان' کی حقیقتیں الگ الگ بیان کی گئی ہیں اور بالفاظ صریح ایک جگہ نہیں، متعدد جگہ بتایا گیا ہے کہ 'جن' ایک ناریُ الاصل مخلوق ہے اور 'انسان' ارضیُ الاصل ہے۔ لفظ 'جن' کو استعمال کرنے کے ساتھ جب اس کے معنی کی یہ تصریح بھی خود قرآن ہی نے کردی ہے تو عقل یہ چاہتی ہے کہ جہاں کہیں وہ الفاظ استعمال ہوں وہاں اس کے وہی معنے لیے جائیں جن کی تصریح کی جاچکی ہے۔(۲) اس کے

(۱) [ملاحظہ ہو: سورۂ سبا رکوع ۲، سورہ ص/ رکوع ۳]

(۲) [بلاشبہ قرآن میں دو جگہ 'جانّ' کا لفظ 'سانپ' کے معنی میں بھی آیا ہے۔ لیکن اول تو خود قرآن میں دوسری جگہ اس چیز کے لیے ثعبان اور حیۃ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوگیا کہ وہاں 'جانّ' کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ دوسرے لفظ 'جانّ' بمعنی سانپ عربی میں عام طور پر مستعمل ہے اور موقع و محل سے ہر عربی دان خود جان لیتا ہے کہ یہاں 'جانّ' سے مراد سانپ ہے]

خلاف کسی اور معنی کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اس دوسرے معنی کی بھی کوئی تصریح قرآن میں موجود ہو، یا پھر آپ کے پاس ایسے قوی دلائل موجود ہوں جن کی بنا پر قرآن کی تصریح کے خلاف معنی میں اس لفظ کو لینا جائز ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو براہِ کرم کوئی ایک ہی آیت ایسی پیش فرمایئے جس میں 'جن' بہ معنی 'انسان' کی ویسی ہی تصریح ہو جیسی کہ 'جن' بہ معنی 'آتشیں مخلوق' کی تصریح ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہم کو حق ہے کہ آپ کے دلائل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ آیا وہ اس حد تک قوی ہیں کہ قرآن نے 'جن' کے جس معنی کی تصریح کی ہے اس کو چھوڑ کر آپ کے تجویز کردہ معنی کو قبول کیا جائے۔

جن بمعنی انسان کی پہلی دلیل:

مولانا... نے جس بناء پر 'جن' کے انسان ہونے کا گمان کیا ہے وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

''......'جن' کا لفظ قرآن میں صرف مکی سورتوں میں آیا ہے۔ مدنی سورتوں میں کہیں نہیں آیا اور انس کا لفظ بلا جان کے سارے قرآن میں کہیں مستعمل نہیں ہوا ہے۔ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ جن وانس کے الفاظ جہاں جہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں وہاں جن کے معنی اس آتشیں جن کے نہیں ہیں بلکہ انسانوں کے ہی ایک طبقہ کے ہیں۔''

میں پوچھتا ہوں کیا یہ کوئی دلیل ہے؟ کسی سورت کے مکی یا مدنی ہونے اور جن کے ساتھ انس کا لفظ آنے یا نہ آنے کو لفظ 'جن' کے معنی میں آخر کس قسم کا دخل حاصل ہے؟ آپ ان تمام آیتوں کو نکال کر دیکھ لیجیے جن میں 'جن' اور 'انس' کے الفاظ ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ کسی جگہ بھی آپ کوئی اشارہ ایسا نہ پائیں گے جو انس کے عام اور جن کے خاص ہونے پر دلالت کرتا ہو۔ جہاں کہیں جن اور انس کے الفاظ معطوف ومعطوف علیہ کی حیثیت سے آئے ہیں' وہاں عطف نہ تو **عطف العام علی الخاص** کے طور پر آیا ہے نہ **عطف الخاص علی العام** کے طور پر اور نہ **عطف الشیء علی مراد فیہ** کے طور پر۔ ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم کے عطف کے حکم لگانے کے لیے ضروری ہے کہ سامع کو پہلے سے اس کا علم ہو کہ معطوف ومعطوف علیہ میں سے ایک عام ہے اور دوسرا خاص، یا دونوں مترادف ہیں۔ مثلاً ﴿**رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات**﴾ [نوح ۲۸/] میں سامع خود سمجھ سکتا ہے کہ عطف، **عطف العام علی الخاص** کے قبیل سے ہے۔ یا ﴿**واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح**﴾ [الاحزاب ۷/] میں صاف معلوم

ہو جاتا ہے کہ عطف ،عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے ۔یا لفظی قولہ کتنبا ومینا، میں عطف کا عطف الشیء علی مرادفہ کے قبیل سے ہونا ہر وہ شخص جانتا ہے جو 'کذب' اور 'مین' کے معنی سے واقف ہے ۔پس جب جن وانس میں یہ تینوں صورتیں نہیں ہیں تو لامحالہ طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ ان دونوں کے درمیان واؤ عطف مطلق معیت کے لیے ہے ۔کیونکہ لغت سے یا عرف سے یا کسی قرینہ عقلی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص یا ترادف کا تعلق ہے ۔اگر قرآن کی اصطلاح خاص میں ان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کا تعلق ہوتا اور بغیر کسی تصریح کے وہ ان دونوں کے درمیان محض واؤ عطف کا استعمال کرتا تو یہ اس کے بیان کا نقص ہوتا ۔اس مقصد کے لیے اس کو کم از کم الانس والجن منھم ہی کہنا چاہیے تھا تاکہ سامعین کو معلوم ہو جاتا کہ جن کے نام سے جس گروہ کو یاد کیا جا رہا ہے وہ لغت اور عرف عام کے خلاف انسانوں کا ایک گروہ ہے ۔

لیکن ہم کو عطف ومعطوف علیہ کی بحث میں بھی پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔مدعی کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں جن وانس کے الفاظ ساتھ ساتھ آئے ہیں وہاں جن سے مراد انسانوں ہی کا ایک طبقہ مراد ہے ۔اب آپ ان تمام آیات کو پڑھ جائیے جن میں یہ دونوں لفظ یکجا استعمال ہوئے ہیں ۔اگر خود انہی میں متعدد آیتیں آپ کو ایسی مل جائیں گی جن میں ان دونوں گروہوں کی مغائیرت صاف نظر آتی ہو تو مدعی کا دعویٰ آپ باطل ہو جائے گا ۔

﴿ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمأ مسنون والجان خلقنہ من قبل من نار السموم﴾ [الحجر ۲۶، ۲۷] "ہم نے انسان کو کالے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور اس سے پہلے جنوں کو ہم نے لو کی گرمی سے پیدا کیا تھا"

﴿خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار﴾ [الرحمن ۱۴، ۱۵] "اس نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کی لپٹ سے"

﴿فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان﴾ [الاعراف ۳۹] "پس اس روز نہ کسی انسان سے اس کے گناہ کی بابت پوچھا جائے گا اور نہ کسی جن سے ۔

﴿لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان﴾ [الرحمان ۵۶] "ان سے پہلے ان حوروں کو نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہو گا اور نہ کسی جن نے ۔"

﴿کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن﴾ [الجن ۶] "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے ۔"

﴿ویوم یحشرھم جمیعا ثم یقول للملائکة اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحنک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بھم مومنون﴾ [سبا/۴۰،۴۱] "جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا پھر ملائکہ سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہی کو پوجا کرتے تھے؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے ہمارا ولی تو ہے نہ کہ یہ۔ دراصل یہ لوگ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر درحقیقت انہی پر ایمان رکھتے تھے۔"

﴿وجعلوا بینه وبین الجنة نسبا﴾ [صٰفٰت/۱۵۸] "اور انھوں نے خدا کے اور جنوں کے درمیان رشتہ جوڑ رکھا تھا۔"

﴿ویوم یحشرھم جمیعا یامعشر الجن قد استکثرتم من الانس وقال اولیاؤھم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا﴾ [انعام/۱۲۹] "اور جس دن خدا ان سب کو جمع کرے گا تو فرمائے گا: اے گروہ جن تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو اپنے دام میں گرفتار کرلیا۔ اور انسانوں میں سے جو ان کے دوست تھے وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم میں سے بعض نے بعض سے خوب فائدہ اٹھایا اور ہم اب اس مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی۔"

ان آیات سے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ یہ کہ جن اور انس دو الگ اور متبائن الحقیقت گروہ ہیں؟ یا یہ کہ ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا جز ہے۔

دوسری دلیل:

(منکرین جنات کی) دوسری دلیل یہ ہے کہ...... "ابلیس اور اس کی ذریت کو، جو حسب تصریح قرآن 'جن' ہیں، اللہ تعالیٰ نے غیر مرئی بیان کیا ہے: ﴿انه یرٰکم ھو وقبیله من حیث لاترونھم﴾ [اعراف/۲۷] بخلاف اس کے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جو جن تھے وہ نظر آتے تھے اور انسانوں کے سے کام کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت سلیمانؑ والے جن وہ آتشیں جن نہیں ہیں بلکہ انسان ہیں"۔

اس کے جواب میں بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ والے جنوں کے متعلق قرآن میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ نظر آتے تھے، انسانی شکل میں تھے۔ اور حضرت سلیمانؑ کے علاوہ عام لوگ بھی ان کو دیکھتے تھے۔ لہٰذا قرآن کی جو آیت آپ استدلال میں پیش فرمارہے ہیں وہ ان آیات کے خلاف نہیں ہے جن میں حضرت سلیمانؑ

والے جنوں کا ذکر آیا ہے۔ رہا آپ کا یہ گمان کہ وہ انسانوں کے سے کام کرتے تھے، تو یہ بھی قرآن سے ثابت نہیں۔ قرآن میں کہاں کہا گیا ہے کہ وہ انسانوں کی طرح پانی میں غوطے لگاتے تھے یا انسانوں کی طرح برتن اور عمارتیں بناتے تھے، یا انسانوں کی طرح باندھے جاتے تھے؟ وہاں تو مطلقا غواصی اور ظروف سازی اور معماری وغیرہ کا ذکر ہے اور محض اس ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غواصی وغیرہ انسانوں کی سی غواصی وغیرہ تھی۔ تاوقتیکہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ غواصی بغیر اس طریقے کے ممکن نہیں ہے جس طریقہ سے انسان غوطہ لگاتا ہے۔ اور ظروف سازی وغیرہ انہی طریقوں میں منحصر ہیں جنھیں انسان استعمال کرتے ہیں۔ اگر محض یہ بات کہ جو فعل انسان کرتا ہے وہ کسی ہستی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، یہ حکم لگانے کے لیے کافی ہو کہ وہ ہستی لامحالہ انسان ہی ہونی چاہیے، تو ایک شخص نعوذ باللہ خود اللہ کو انسان کہہ سکتا ہے کیونکہ قرآن میں بعض وہ افعال انسان کرتے ہیں جو خدا کی طرف منسوب کیے گئے ہیں مثلا بولنا، دیکھنا، سننا وغیرہ۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر اس پہلو سے قطع نظر کر کے یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ انسانون کی طرح نظر آتے تھے، اور انسانوں ہی کی طرح وہ سب افعال کرتے تھے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ تب بھی جو آیت آپ پیش فرما رہے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس گروہِ مخلوقات سے خارج تھے جو نظر نہیں آتا۔ اس لیے کسی مخلوق کا ایسا ہونا کہ وہ انسان کو نظر نہ آئے، اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کا نظر آنا ممکن ہی نہ ہو۔ اور بطورِ خرقِ عادت بھی وہ نظر نہ آسکے۔ قرآن میں شیاطینِ جن کے غیر مرئی ہونے کی صفت تو صرف ایک ہی جگہ بیان ہوئی ہے مگر ملائکہ کی اس صفت کا متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے۔ مثلا

﴿انی اری مالاترون﴾ [انفال ۴۸] ''یعنی شیطان نے اپنے اولیاء سے کہا کہ میں فرشتوں کی وہ فوجیں دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں۔''

﴿فانزل الله سکینته علیه وایده بجنود لم تروها﴾ [التوبہ ۱۴۰] ''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اس پر اتاری اور ایسے لشکروں سے اس کی تائید کی جن کو تم نہ دیکھتے تھے۔''

﴿وانزل جنودا لم تروها﴾ [التوبہ ۲۶] ''اور اللہ نے وہ لشکر اتارے جن کو تم نہ دیکھتے تھے۔''

﴿اذ جآء تکم جنود فارسلنا علیهم ریحا وجنودا لم تروها﴾ [احزاب ۹] ''جب تم پر فوجیں حملہ آور ہوئیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔''

﴿یوم یرون الملائکۃ لابشریٰ یومئذ﴾[الفرقان ۲۲/] ’’جس روز یہ لوگ ملائکہ کو دیکھیں گے، اس روز مجرموں کی خیر نہ ہوگی۔‘‘

اس کے باوجود متعدد مواقع پر قرآن مجید ہی نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ انسانی شکل میں آئے ہیں نہ صرف انبیاء نے بلکہ عام انسانوں تک نے ان کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان بہت سی مستثنیٰ مثالوں کو دیکھ کر آپ نے ملائکہ کے متعلق بھی کیوں نہ کہہ دیا کہ ان سے مراد بھی انسانوں ہی کا ایک طبقہ ہے؟ غیر مرئی ہونے میں دونوں برابر۔ انسانی شکل میں ظاہر ہونے کے واقعات ملائکہ میں متعدد اور جنوں میں صرف ایک۔ باوجود اس کے تعجب ہے کہ آپ ملائکہ کے متعلق تو تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بطور معجزہ وخرقِ عادت بار بار وہ انسانی صورت اختیار کرتے رہے ہیں۔ لیکن جنوں کے متعلق اس قسم کا ایک واقعہ سن کر آپ کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ حضرت سلیمانؑ کی غیر معمولی دعا کو قبول کر کے جس طرح اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت کے طور پر ہوا اور پرندوں کو ان کے تابع کیا تھا اور ان کو جانوروں کی بولیاں سکھائی تھیں، اسی طرح بطور خرقِ عادت اس نے جنوں کو بھی مرئی محسوس بنا دیا ہوگا۔ اس کے برعکس آپ قرآن کی تمام تصریحات اور لغت عرب کے خلاف یہ تاویل کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں کہ صرف اس خاص موقع پر انسانوں کو 'جن' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور مولانا...... تو اس ایک مثال سے فائدہ اٹھا کر انسانوں کی ایک مستقل قسم کا نام ہی 'جن' فرض کر لیتے ہیں۔ درآنحالیکہ اس کے لیے کوئی ثبوت ان کو قرآن سے نہیں ملا اور اس کے خلاف قرآن مجید کی صریح آیات اور کلامِ عرب کی واضح شہادتیں موجود ہیں۔ اتنی بڑی ذمہ داری کا بار اٹھانے سے پہلے کیا اس بات پر غور کر لینا بہتر نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک غیر مرئی مخلوق کو مرئی بنا دینا کون سا ایسا مستبعد اور محال امر ہے کہ اس سے بچنے کے لیے اتنی مشقت اور اتنے تکلف کی حاجت پیش آئے؟ جب آپ نے ملائکہ جیسی لطیف مخلوق کا مرئی ہونا مان لیا تو شیاطین جیسی کثیف مخلوق کے مرئی ہو جانے میں اتنا استبعاد کیوں محسوس ہوتا ہے؟ قرآن مجید میں جنوں کی جو کچھ حقیقت بیان کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ایک آتشیں مخلوق ہیں لیکن جبریل فرشتے کے متعلق تو یہ کہا ہے کہ وہ 'روح' اور وہ بھی روح اللہ ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا﴾[مریم ۱۷/] ’’پھر ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا اور وہ اس کے سامنے اچھے خاصے آدمی کی شکل میں نمودار ہوئی۔‘‘

﴿وانه لتنزیل رب العالمین نزل به الروح الامین﴾[الشعرا/۱۹۲،۱۹۳] ''یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔اس کو لے کر روح الامین اترا۔''

جب ''روح اللہ'' جیسی مجرد از عوارض مادہ شے کو باذن الٰہی مرئی ہوجانا ممکن ہے تو ''نارالسموم'' جیسی چیز کا، جو مادے اور مادی تکاثف سے قریب تر ہے (۱) جسمیت اختیار کرلینا کیوں ناممکن یا بعید از عقل وقیاس ہے کہ اس سے بچنے کی خاطر قرآن میں تاویلات بعیدہ کا دروازہ کھولا جائے؟ قرآن کی روح سے تو صرف باری تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے کہ انسان کی نگاہیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں ﴿لاتدرکه الابصار وهو یدرک الابصار﴾[انعام/۱۰۴] اور ﴿قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی﴾[اعراف/۱۴۳] صفت بالذات صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ باقی جتنی مخلوقات ہیں ان میں سے کسی کے لیے بھی یہ صفت بالذات نہیں ہے۔البتہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا کہ وہ عادتاً نظر نہیں آتیں۔لیکن اگر خدا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے کہ خواہ ان کو مرئی کردے یا ہماری نظروں کو اتنا تیز کردے کہ ان کی لطیف تر صورتوں کو دیکھ سکیں۔

تیسری دلیل:

آپ نے اور مولانا ...... نے اس بات سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے کہ......
''حضرت سلیمانؑ کے پاس جو غوطہ خور اور معمار وغیرہ تھے۔ان کو'شیاطین' کہا گیا ہے اور شیاطین کا اطلاق جنوں کی طرح انسانوں پر بھی کیا گیا ہے۔اس لیے آپ کہتے ہیں کہ ان معماروں اور غوطہ خوروں کو ان کے مرئی ہونے اور انسانوں کے سے کام کرنے کی بنا پر شیاطین الانس کیوں نہ سمجھا جائے۔''

(۱) [جنوں کی تخلیق جس آگ سے ہوتی ہے وہ میرے نزدیک وہ آگ نہیں ہے جو کیمیاوی استحالات سے مادی اجسام میں پیدا ہوئی ہے، بلکہ وہ ایک خاص طور کی آگ ہے، ہماری ان مادی آگوں سے مختلف، چونکہ انسانی زبان میں اس کو تعبیر کرنے کے لیے ''نار'' سے زیادہ اقرب کوئی لفظ نہ تھا، اس لیے حق تعالیٰ نے اس کو اس لفظ سے تعبیر فرمایا۔یہ ایسا ہی ہے جیسے ''اللہ نور السمٰوات والارض'' سے مراد شعاع نہیں ہے جو مادی نیرات سے نکلتی ہے، بلکہ ایک غایت درجہ مجرد اور منزہ حقیقت ہے جس کے تصور سے انسان کے ذہن کو روشناس کرنے کے لیے 'لفظ نور' سے زیادہ اقرب اور کوئی لفظ نہیں۔تاہم اگر آپ کی یہ رائے مان لی جائے کہ 'جن' اسی مادی آگ کے بنے ہوئے ہیں جو آکسیجن اور کاربن کے اشتعال مواصلت سے پیدا ہوتی ہے تو روحانی فرشتوں کے مقابلہ میں ان مادی جنوں کا مرئی ومحسوس بن جانا تو اور بھی زیادہ قریب از عقل وقیاس ہے۔]

اس کو دلیل کے بجائے میں صرف غلط فہمی کہوں گا۔ اول تو قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کے کاریگروں اور خادموں کے لیے صرف شیاطین ہی کا لفظ نہیں آیا بلکہ 'جن' کا لفظ بھی آیا ہے مثلاً

﴿وحشر لسلیمٰن جنوده من الجن والانس والطیر﴾ [النحل ۱۷/۲۷] ''اور سلیمانؑ کے لیے اس کے لشکر از قسمِ جن وانس و پرند جمع کیے گئے۔''

﴿ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ...... یعملون له مایشآء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور رٰسیٰت ...... فلما قضینا علیه الموت مادلهم علی موته الادابة الارض تأکل منسأته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب مالبثوا فی العذاب المهین﴾ [سبا/۱۲ تا ۱۴]

''اور جنوں میں سے جو اس کے (حضرت سلیمانؑ) آگے اس کے رب کے اذن سے کام کرتے تھے...... جو کچھ وہ چاہتا وہ اس کے لیے بناتے تھے، بڑی بڑی عمارتیں، مورتیں اور حوض جیسے بڑے بڑے تھال اور ایک جگہ جمی رہنے والی بھاری دیگیں...... پھر جب ہم نے سلیمانؑ پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا تو ان کو اس کی موت کی خبر جس چیز نے دی وہ کچھ اور نہ تھا، محض زمین کا کیڑا جو سلیمانؑ کے عصا کو کھا رہا تھا۔ جب سلیمانؑ گر پڑے تب ان جنوں پر یہ راز کھلا کہ وہ غیب جانتے ہوتے تو اتنی مدت تک اس ذلیل غلامی کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔''(۱)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ غوطہ خور اور معمار شیاطین 'جن' کی قسم سے تھے، شیاطین الانس نہ تھے۔ دوسرے یہ بات آپ کی اور مولانا کی نظر سے پوشیدہ رہ گئی کہ قرآن مجید میں کہیں مطلقاً الشیطان اور الشیاطین بول کر انسان مراد نہیں لیے گئے ہیں، بلکہ ابلیس اور اس کی ذریت ہی مراد لی گئی ہے۔ ہاں اگر کہیں انسانوں کے کسی گروہ کے لیے

(۱) [یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس آیت میں 'جن' کے ساتھ انس کا لفظ نہیں آیا ہے۔ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جن وہ 'جن' تھے جن کو غیب دانی کا گھمنڈ تھا اور جنھیں اہل عرب بھی عالم الغیب سمجھتے تھے۔ انھی جنوں میں سے ایک گروہ بعد میں نبی ﷺ سے قرآن سن کر اپنے دوسرے ہم قوموں سے کہتا ہے کہ اب ہمارے غیب دانی کے وسائل ہم سے چھن گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ ﴿وانا لمسناالسمآء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهبا وانا کنا نقعد منها مقاعدللسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا﴾ [الجن] اس آیت میں غیب کی خبریں حاصل کرنے کی جو صورت بیان کی گئی ہے وہ انسان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی کجا کہ کوئی انسان اس پر قادر ہو]

شیاطین کا لفظ بطور صفت استعمال کیا گیا ہے تو ایسے ہر موقع پر صراحتہ یا کنایتہ یہ بتا دیا گیا ہے کہ وہاں شیاطین سے مراد انسان ہیں، جیسے ﴿وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن﴾[الانعام/۱۱۳]﴿واذ خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم﴾[البقرۃ/۱۴]

ایمان بالکتاب کا مقتضیٰ:

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی ایسی قوی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر سیدنا سلیمانؑ کے قصہ میں، یا کسی دوسرے مقام پر، لفظ 'جن' کے معنی متعین کرنے میں اس معنی سے انحراف کرنا جائز ہو جس کی تصریح خود قرآن مجید متعدد مواقع پر کر چکا ہے۔ اور جب اس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے تو کسی شخص کے لیے جو قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ جس کو خدا نے 'جن' کہا ہے اور آدمی نہیں کہا اس کو وہ اپنے قیاس سے آدمی کہہ دے۔ ایسا قیاس کرنے کے لیے اگر کوئی سبب داعی ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عادتِ جاریہ، جس کا مشاہدہ اور ادراک کرنے کے ہم خوگر ہیں، ان واقعات کے خلاف ہے جو بعض مواقع پر قرآن مجید میں جنوں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں لیکن اسی طرح آگ کا ایک خاص شخص کے لیے سرد ہو جانا، لکڑی کا ایک خاص موقع پر اژدہا بن جانا، دریا کا ایک خاص وقت میں پھٹ کر راستہ دے دینا، ایک شخص کا مٹی کے پرند بنا کر ان میں جان ڈال دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا، چند آدمیوں کا ایک غار میں تین سو سال تک سوتے پڑے رہنا اور پھر بھی زندہ رہنا، ایک شخص کا مرنے کے سو برس بعد جی اٹھنا اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا جوں کا توں بالکل تازہ حالت میں پانا، ایک شخص کا ساڑھے نو سو برس تک زندہ رہنا اور وہ بھی یوگا کی مشقوں سے نہیں بلکہ ایک منکر قوم کے مقابلہ میں تبلیغِ دین کی تھکا دینے والی مشقوں کے ساتھ، یہ اور ایسے ہی متعدد واقعات ہیں جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں اور سب اس عادتِ جاریہ کے خلاف ہیں جس کو دیکھنے کے ہم خوگر ہیں۔ اگر ہم قرآن کو خدائے علیم وخبیر اور قادر وتوانا کا کلام نہ مانیں تو سرے سے ان واقعات کی تاویل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ محض اس بنیاد پر ان سب کو جھٹلا دیا جا سکتا ہے کہ ایسا ہوتے ہم نے کبھی نہیں سنا اور نہ دیکھا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ قرآن اس خدا کا کلام ہے جو ازل سے ابد تک عالمِ وجود کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کا حقیقی علم رکھتا ہے اور خدا وہ خدا ہے جس کے معجزے ہم کو سورج اور سیاروں اور زمین اور خود اپنے وجود میں ہر آن نظر آ رہے ہیں۔ تو ہمیں کسی غیر معمولی اور

خلافِ عادت واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا جس طرح وہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔ یہ واقعات تو کیا چیز ہیں، اگر قرآن میں کہا گیا ہوتا کہ ایک وقت میں چاند کو ماؤنٹ ایورسٹ پر لاکر رکھ دیا گیا تھا، اور کسی وقت خدا نے سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکالا تھا، تب بھی ایک مومنِ صادق کو اس بیان کی صداقت میں ایک لحہ کے لیے شک نہ ہوسکتا تھا، اور نہ کسی طرح تاویل کر کے اس کو عادتِ جاریہ کے مطابق ثابت کرنے کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اس لیے کہ یہ کائنات جس کی وسعت کا تصور کرنے سے ہمارا دماغ تھک جاتا ہے، اور اس کائنات کی ہر شے، حتیٰ کہ گھاس کا ایک تنکا اور کسی جانور کے جسم کا ایک بال بھی اپنی پیدائش میں درحقیقت اتنا ہی انگیز معجزہ ہے جتنا چاند کا ایورسٹ پر آجانا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ فرق اگر کچھ ہے تو صرف یہ کہ ایک قسم کے واقعات کو دیکھنے کی ہمیں عادت ہوگئی ہے، اس لیے ہم کو ان کے معجزہ ہونے کا شعور نہیں ہوتا، اور دوسری قسم کے واقعات شاذ ہیں اس لیے ان کی خبر جب ہم کو دی جاتی ہے تو ہمیں اچنبھا ہوتا ہے اور ہماری عقل جو صرف مشاہدات و تجربات پر اعتماد کرنے کی خوگر ہوگئی ہے ان کو باور کرنے میں جھجکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے واقعات کے متعلق جب ہم کو کوئی خبر دی جائے تو ہمیں حق ہے کہ ان کے وقوع کے متعلق قابلِ وثوق شہادت طلب کریں۔ لیکن ایک مومن کے لیے قرآن سے بڑھ کر قابلِ وثوق شہادت اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ وہ دل سے یقین رکھتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے، اور خدا کے فعل پر خود خدا ہی کی شہادت سب سے زیادہ معتبر ہے۔ البتہ جو شخص قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک رکھتا ہو اس کو حق ہے کہ قرآن کے ہر بیان میں شک کرے خواہ وہ عادتِ جاریہ کے موافق ہو یا مخالف!

باب چہارم (۴)

شیطان کے مکر و فریب اور مکروہ عزائم ......!

شیطان انسان کا ازلی دشمن ......!

شیطان کو انسان کا ازلی دشمن بنایا گیا ہے اور اس کی ہمہ وقت یہ کوشش ہے کہ وہ لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کرے اور جس طرح خود اسے جہنم میں جانا ہے اسی طرح انسانوں کو بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے کر جائے۔ شیطان کے ان مکروہ عزائم سے، انسان کو متنبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُوْرُ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوْ حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [فاطر/۵،۶]

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً سچا ہے، تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے۔ یاد رکھو! شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن جانو۔ وہ تو اپنے گروہ (پیروکاروں) کو صرف اس لیے ہی بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ تم شیطان کو دشمن سمجھو کیونکہ اسے میں نے تمہارا دشمن بنا کر پیدا کیا ہے۔ اس لیے اس سے دوستی، محبت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اس کے بارے میں وہی رویہ اپناؤ جو تم اپنے دشمنوں کے لیے اپناتے ہو اور انسان اپنے دشمن کے بارے میں ظاہر ہے کہ یہی رویہ اختیار کرتا ہے کہ ایک تو اس سے بغض اور نفرت رکھتا ہے۔ دوم یہ کہ اس سے بچاؤ اور اپنے تحفظ کے لیے تدابیر اختیار کرتا ہے۔ سوم یہ کہ انسان وہ کام کرتا ہے

جس سے اس کے دشمن کو نقصان، دکھ، افسوس اور تکلیف ہو اور چہارم یہ کہ اپنے دشمن سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اب اگر انسان شیطان کو انہی معنوں میں اپنا دشمن سمجھے تو وہ یقیناً اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی سے بچ کر اس کی رضا کا مستحق بن جائے گا ورنہ پھر شیطان کا مطیع فرمان بن کر اپنے رب کی ناراضگی اور عذاب کا مستحق قرار پائے گا۔ انسان چونکہ ان کاموں کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے جو شیطان کی خواہش ومنشا کے عین مطابق ہیں، اس لیے ایسے لوگوں کی سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ أَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ [الکھف/۵۰]

''جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، یہ (ابلیس) جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں (اسے دوست بنانے والے ظالم لوگ ہیں اور) ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔''

اس آخری جملے کا ایک ترجمہ یوں بھی کیا گیا ہے: ''ظالموں نے کیا برا بدل اختیار کیا ہے؟'' اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور دوستی کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت وفرمانبرداری اور دوستی اختیار کر لی ہے انہوں نے خود اپنے لیے ہی بہت برا کیا ہے۔

شیطان انسان کا دشمن ہے (چند قرآنی آیات)

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [یوسف/۵]

''بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾ [الاسراء/۵۳]

''یقیناً شیطان انسان کے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔''

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ [الفرقان/۲۹]

''اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔''

﴿وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [الزخرف/٦٢]

''تمہیں (سیدھی راہ سے) شیطان روک نہ دے کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴾ [یس/٦٠ تا ٦٢]

''اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد و پیان نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے۔ شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے!''

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الاعراف/٢٧]

''اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا کر دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو (فتنہ میں مبتلا کر کے) جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان سے ان کے (جنتی) لباس اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھلا دے۔ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

شیطان کے مکروفریب اور مکروہ عزائم

شیطان نے قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس بات پر مہلت مانگ رکھی ہے کہ میں تیرے بندوں کو تیرے راہ راست سے بھٹکاؤں گا۔ یہ اس نے محض دعویٰ ہی نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی عزت وجلال کی قسم کھا کر چیلنج بھی کیا جیسا کہ مندرجہ ذیل سرخی کے تحت آنے والی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے:

شیطان نے گمراہی کی لائن کیوں اور کب اختیار کی؟

یہ تو اگرچہ پہلے سے اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ شیطان کے ذریعے انسانوں کے ایمان کا امتحان لیا جائے گا اور خود شیطان کو گمراہی کا علمبردار بنا دیا جائے گا مگر اس کا عملی اظہار حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد ہوا۔ یہ کیوں اور کس طرح ہوا اس کی تفصیل قرآن مجید میں اس انداز میں بیان ہوئی ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں گلے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے لگا ہوں تو جب میں اسے درست کر چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا چنانچہ سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے جس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! ''تجھے کیا ہو گیا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟ بولا: مجھے گوارا نہ ہوا کہ ایسے انسان کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے اور بلاشبہ یوم جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔ وہ کہنے لگا: میرے رب! پھر مجھے اس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دے دے جب لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت دی جاتی ہے، اس دن تک جس کا وقت (ہمیں) معلوم ہے۔ وہ

بولا: یارب! چونکہ تو نے مجھے (آدم کے ذریعہ) بہکا دیا ہے تو اب میں بھی دنیا میں لوگوں کو (ان کے گناہ) خوشنما کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو بہکا کر چھوڑوں گا، الا یہ کہ تیرے چند مخلص بندے (بچ جائیں تو اور بات ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے، میرے بندوں پر تو تیرا کچھ زور نہ چل سکے گا، تیرا بس صرف ان گمراہوں پر چلے گا جو تیری اتباع کریں گے اور جہنم ہی وہ جگہ ہے جس کا ایسے سب لوگوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔'' [الحجر/۲۸تا۴۳]

شیطان لعین کے اسی چیلنج یا مکروہ ارادے اور ان سے خبردار رہنے کو قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے:

﴿لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا﴾ [النساء/۱۱۷تا۱۲۱]

''اس (شیطان) پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس (شیطان) نے (اللہ تعالیٰ) سے کہا تھا کہ ''میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا اور میں انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا، انہیں آرزو دلاؤں گا اور انہیں حکم دوں گا کہ کہ چوپایوں کے کان پھاڑ ڈالیں، اور انہیں یہ حکم بھی دوں گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت میں تبدیلی کر ڈالیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست (اور سرپرست) بنا لیا اس نے صریح نقصان اٹھایا۔ شیطان ان سے وعدہ کرتا اور امیدیں دلاتا ہے اور جو وعدے بھی شیطان انہیں دیتا ہے وہ فریب کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس سے نجات کی وہ کوئی صورت نہ پائیں گے۔''

شیطان کی پیروی نہ کرو!

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ شیطان کی فرمانبرداری نہ کرو اور جن خطوط پر وہ چلتا ہے ان پر تم نہ چلو۔ اس مفہوم کی چند آیات درج ذیل ہیں:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾
''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔'' [البقرۃ/۲۰۸]

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ [النور/۲۱]
''اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔''

﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ [الانعام/۱۴۲]
''(اے ایمان والو!) جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو''

واضح رہے کہ شیطان کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی کی جائے۔ گویا ہر وہ کام جو اللہ کی نافرمانی پر مبنی ہو اسے بجالانا شیطان کی پیروی کرنا ہے کیونکہ شیطان کا مشن ہی یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا نافرمان بن جائے۔

شیطان کی پیروی کرنے والا نقصان اٹھائے گا:

جو لوگ اللہ کی بجائے شیطان کی پیروی کریں، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ نقصان اٹھائیں گے اور آخرت میں جہنم میں شیطان کے ساتھ ہوں گے۔ مثلاً

﴿وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ [النسآء/۱۱۹]
''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے، وہ واضح خسارے سے دوچار ہو گیا''

﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا﴾ [النسآء/۳۸]
''جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو، تو وہ بدترین ساتھی ہے۔''

﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [الاعراف/۳۰]
''ایک گروہ کو تو اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ انہوں نے خدا کی بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔''

﴿اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ﴾ [المجادلۃ/۱۹:۲۰]

''ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کرلیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے یہ شیطانی لشکر ہے، کوئی شک نہیں کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولوں کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں۔''

شیطان اپنی پیروی سے اظہار برأت کردے گا!

شیطان کا مقصد انسانوں کو گمراہ کرنا ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے شیطان مختلف داؤ وفریب تو استعمال میں لاسکتا ہے، مگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیطان کسی شخص کو زبردستی گمراہ کردے یہی وجہ ہے کہ جہنم میں جانے کے بعد شیطان اہل جہنم کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کردے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقَالَ الشَّيۡطٰنُ لَمَّا قُضِىَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمۡ وَعۡدَ الۡحَـقِّ وَوَعَدْتُّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُكُمۡ وَمَا كَانَ لِىَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِىۡ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِىۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِكُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِىَّ اِنِّىۡ كَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَكۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ [ابراھیم/۲۲]

''اور جب تمام امور کا فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا کہ: اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سچا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کی تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا، سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنی طرف) بلایا تو تم نے میری بات مان لی لہٰذا (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کرسکتے ہو۔ اس سے پہلے جو تم مجھے اللہ کا شریک بناتے رہے ہو میں اس کا انکار کرتا ہوں بلاشبہ ظالموں کے لیے المناک عذاب ہے۔''

باب پنجم (۵)

شیطان کی چند تاریخی وارداتیں......!!

قصہ حضرت آدمؑ اور ابلیس کا!

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے اور وہ ہر ممکنہ طریقے سے انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اب آئندہ صفحات میں ہم شیطان کے چند تاریخی حملوں کا تذکرہ کریں گے۔ ان میں سب سے پہلے ہم حضرت آدمؑ اور حواؑ کے بارے میں بتائیں گے کہ شیطان نے انہیں کس طرح بھٹکایا اور اللہ کی نافرمانی کروا کر جنت سے نکلوا دیا۔ یہ تفصیل قرآن مجید کے مختلف مقامات پر موجود ہے ان میں سورۂ اعراف کا مقام اپنے موضوع و مدعا کے اعتبار سے زیادہ جامع ہے، اس لیے اس مقام کا انتخاب کیا گیا ہے اور حاشیہ میں قابل توضیح مقامات کی تفسیر مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی تفسیر ''تیسیر القرآن'' سے ماخوذ ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ٥ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ٥ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ٥ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ٥ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ٥ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ٥ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ٥ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ٥ وَيٰٓاٰدَمُ

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۝﴾ [الاعراف ۷/۱۱ تا ۲۵]

''ہم نے تمہیں پیدا کیا اور پھر تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: ''جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا تو پھر کس بات نے تجھے سجدہ کرنے سے روک دیا؟'' کہنے لگا: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ (۱) سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نیچے اتر یہاں سے۔ تیرا حق نہ تھا کہ تو یہاں تکبر کرتا۔ لہٰذا نکل جا، تو ان لوگوں سے ہوگیا جنہیں نکو (ذلیل) بن (۲)

(۱) [**آگ اور مٹی کے خواص کا تقابل**: ابلیس کا گمان یہ تھا کہ آگ مٹی سے افضل ہے کیونکہ آگ لطیف ہوتی ہے اور مٹی کثیف۔ آگ نیچے سے اوپر کو اٹھتی ہے اور مٹی اوپر سے نیچے کو گرتی ہے، آگ اپنی شکل اور رنگ بدل سکتی ہے مگر مٹی میں بغیر محنت شاقہ کے یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ اس ظاہری برتری کے بعد اگر نتیجہ دیکھیں تو آگ ہر چیز کو جلا کر فنا کر دیتی ہے جبکہ مٹی سے نباتات یا ہر قسم کے پھل، غلے اور درخت پیدا ہوتے ہیں۔ آگ کی طبیعت میں سرکشی ہے، مٹی کی طبیعت میں انکسار اور تواضع ہے۔ اسی آگ کی فطرت کی بنا پر ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی اور تکبر کی راہ اختیار کی اور راندۂ درگاہ الٰہی بن گیا اور آدمؑ سے اللہ کی نافرمانی ہوگئی تو اس نے گناہ کی معافی مانگ لی اور وہ اللہ کے مقرب بن گئے۔ بعض علماء نے آگ اور مٹی کا تقابل کر کے انہی وجوہ کی بنا پر مٹی کو آگ سے افضل قرار دیا ہے۔]

کر رہنا پڑتا ہے۔ابلیس کہنے لگا:''اچھا پھر مجھے روز محشر تک مہلت دے دے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے یہ مہلت (۳) دے دی جاتی ہے۔ ابلیس نے کہا: تو نے مجھے گمراہی میں (٤) مبتلا کیا ہے تو اب میں بھی تیری سیدھی راہ پر (گھات لگا کر) بیٹھوں گا پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے دائیں سے، بائیں سے غرض ہر طرف سے گھیروں گا (اور اپنی راہ پر ڈال دوں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو

---

(۲) [**حقیقتاً ابلیس کے تین قصور تھے**: ایک اللہ کے حکم کو نہ مانا، دوسرے فرشتوں کی جس جماعت میں وہ رہتا تھا سجدہ کرتے وقت وہ اس جماعت سے الگ ہوا، تیسرے اس نافرمانی پر نادم ہونے کی بجائے تکبر کیا، خود کو بڑا سمجھا اور سیدنا آدمؑ کو حقیر سمجھا۔ لہذا اس پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہوئی اور وہ ذلیل و خوار ہوا اور یہ لعنت و پھٹکار ہمیشہ اس کے لیے اس کا مقدر ہو گئی۔]

(۳) [**ابلیس کے عزائم**: شیطان چونکہ سیدنا آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے راندہ درگاہ الٰہی ہوا تھا اس لیے وہ سیدنا آدمؑ کا دشمن بن گیا اس نے اپنے کسی قصور کا احساس نہ کیا اور ان گناہوں کی سزا کا اصل سبب سیدنا آدمؑ کو قرار دیا اور قیامت تک اللہ سے مہلت بھی مانگی اور آدم اور اس کی اولاد کو بہکانے اور ورغلانے کا اختیار بھی مانگا تو اللہ نے اسے یہ اختیار دے دیا۔اس عرصے میں شیطان سیدنا آدمؑ اور ان کی اولاد کو بہکا کر گمراہ کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ آدمی فی الواقع خلافت ارضی کا اہل نہیں ہے اور میں نے جو اسے سجدہ نہیں کیا تو اس معاملہ میں میں ہی راہ راست پر تھا۔]

(٤) [**ابلیس کا اللہ پر الزام**: ابلیس نے مزید جرم یہ کیا کہ اپنی اس نافرمانی اور گمراہی کا الزام اللہ تعالیٰ پر لگا دیا اور کہا کہ تو نے مجھے ایسی مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جو مجھ سے فروتر تھی، اس سے میرے نفس کی غیرت اور پندار کو ٹھیس پہنچی اور تو نے مجھے ایسی آزمائش میں ڈال دیا کہ میں تیری نافرمانی پر مجبور ہو گیا اور چونکہ میری گمراہی کا ذریعہ آدم بنا ہے لہذا اب جس طرح بھی مجھ سے بن پڑا اسے اور اس کی اولاد کو ہر حیلے بہانے سے گمراہ کر کے چھوڑوں گا اور تجھے معلوم ہو جائے گا کہ میں آدمؑ اور اس کی اولاد کی اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، تھوڑے ہی بندے ایسے رہ جائیں گے جو تیرے فرمانبردار اور شکر گزار ہوں گے۔]

شکرگزار نہ پائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہاں سے نکل جا۔ تو میری درگاہ سے ٹھکرایا ہوا اور رسوا شدہ مخلوق ہے ، (یاد رکھ!) انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا، تیرے سمیت (۵) ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا، اور اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں (٦) اس جنت میں رہو اور جہاں سے جی چاہے کھاؤ ، مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ، انہی کے سامنے کھول دے اور کہنے لگا: ''تمہیں تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ یہاں رہنے والے نہ بن جاؤ''۔ پھر ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں فی الواقع تمہارا خیر خواہ (٧) ہوں ، چنانچہ ان دونوں کو دھوکا دے کر آہستہ آہستہ اپنی بات پر

(۵) [**یہ سب گفتگو شیطان** کے سیدنا آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کے موقعہ پر ہوئی۔ ابلیس کی اس گستاخانہ گفتگو کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ جنت میں تیرے جیسے متکبر، سرکش اور نافرمان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ آدم کی اولاد میں سے جو تیرے بھرے میں آجائیں گے وہ سب جہنم میں تیرے ساتھی ہوں گے۔]

(٦) [**ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے** جنت سے نکال دیا اور آدمؑ کے بعد اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے فرمایا کہ یہ جنت تمہارا مسکن ہے یہاں سے جو چاہو اور جتنا چاہو کھاؤ پیو، البتہ اس ایک درخت کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ یہ درخت کون سا تھا؟ اس کی صراحت نہیں کی گئی اور نہ اس کی ضرورت ہی تھی۔ اس حکم سے مقصود صرف آدم وحوا کی آزمائش تھی کہ وہ کہاں تک اللہ کا یہ حکم بجالاتے ہیں اور شیطان جو اپنی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا ہے کہ میں آدم اور اس کی اولاد کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا کیا یہ اس کی چالوں میں آتے ہیں یا نہیں؟]

(٧) [**شیطان کے انسان کو گمراہ کرنے کے طریقے**: ان دو آیات میں شیطان کے انسان کو گمراہ کرنے کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طریق کار کا آغاز شیطان کا انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرنے سے ہوتا ہے اور وسوسہ سے مراد ہر وہ خیال ہے جس پر عمل کرنا کسی امر الٰہی کی نافرمانی پر منتج ہوتا ہو یعنی انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کا پہلا حملہ اس کے خیالات پر ہوتا ہے جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں۔۔۔۔

۔۔۔یوں دوڑتا ہے جیسے انسان کا خون دوڑتا ہے (بخاری: کتاب بدء الخلق: باب صفة ابلیس وجنودہ) شیطان انسان کو کبھی کوئی برا راستہ دکھا کر گمراہ نہیں کرتا، نہ کرسکتا ہے بلکہ ہمیشہ اسے سبز باغ دکھا کر گمراہ کرتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کام کرو گے تو تمہاری حالت موجودہ حالت سے بدر جہا بہترین ہوسکتی ہے اور فلاں کام کرنے سے تمہارے کاروبار میں خاصی ترقی ہوسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ سیدنا آدمؑ وحوا کو بھی اس نے ایسے سبز باغ دکھائے کہ اگر تم اس درخت کو کھالو گے تو پھر فرشتوں کی طرح یا فرشتے بن جاؤ گے تو پھر تمہارا اس جنت سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ ابلیس یا اس کے چیلے چانٹے سبز باغ ہی نہیں دکھاتے بلکہ طرح طرح کے دلائل اس کے دل میں ڈال کر اسے یہ یقین دہانی کرا دیتے ہیں کہ جو راہ اس نے دکھائی وہ فی الواقع اس کے لیے بہتری اور اس کی خیر خواہی کی راہ ہے، اس میں اس کا اپنا کچھ مفاد نہیں اور اس یقین دہانی کے لیے اگر اسے قسمیں بھی کھانا پڑیں تو کھائے جاتا ہے۔

شیطان کا سب سے پہلا ہدف انسان کے صنفی یا جنسی اعضاء ہوتے ہیں انسان کو گمراہ کرنے کی سب سے آسان صورت یہ ہوتی ہے کہ فحاشی کے دروازے کھول دے اور جنسی معاملات میں اسے بے راہ رو بنادے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان میں فطری طور پر جو شرم وحیاء کا جذبہ رکھ دیا ہے اس جذبہ کو کمزور تر بنادے۔ ابلیس اور اس کے چیلوں چانٹوں کی یہ روش آج تک جوں کی توں قائم ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک تہذیب وتمدن کی ترقی کا کوئی کام شروع ہی نہیں ہوسکتا جب تک وہ عورت کو بے حیا بنا کر بازار میں نہ لا کھڑا کریں اور اختلاط مرد وزن کی ساری راہیں کھول نہ دیں۔ عورت کے گھر میں رہ کر بچوں کی دیکھ بھال کو ان لوگوں نے عورت کے لیے قید خانے کا نام دے رکھا ہے اور پردے کو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں اور یہ سب کچھ شیطان کی سکھائی ہوئی چالیں ہیں۔ اور یہ خیال کہ شیطان نے پہلے حوا کو گمراہ کیا اور پھر حواؑ کے کہنے پر سیدنا آدمؑ نے بھی اس درخت کا پھل کھالیا، غالباً اسرائیلیات سے لیا گیا ہے، کتاب وسنت میں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے دونوں سے وعدے وعید کیے اور دونوں اس کے چکمے میں آ گئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے اس درخت کے قریب جانے سے سیدنا آدمؑ وحوا کو منع کر دیا تھا تو پھر وہ کیسے شیطان کے دام میں پھنس گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدتوں گزر چکی تھیں کہ آدم وحوا دونوں عیش وآرام سے جنت میں رہ رہے تھے اور انہیں اس درخت کے پاس آنے کا کبھی خیال ہی نہ آیا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ کا یہ حکم انہیں بھول ہی گیا تھا۔ اس وقت شیطان کو اس نافرمانی پر اکسانے کا موقع مل گیا جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے واضح ہے:

﴿فنسی ولم نجد له عزما﴾ ''پھر آدمؑ اللہ کا حکم بھول گئے اور ہم نے اس میں نافرمانی کا کوئی ارادہ نہ پایا۔'']

مائل (۸) کر ہی لیا پھر جب انہوں نے اس درخت کو چکھ لیا تو ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے پر ظاہر ہو گئیں اور وہ جنت کے پتے اپنی شرمگاہوں پر (۹) چپکانے لگے،

(۸) [یعنی یہ نہیں ہوا کہ ادھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا اور سبز باغ دکھائے تو فوراً آدمؑ وحوا اس درخت کا پھل کھانے کو تیار ہو گئے بلکہ وہ مدتوں ان باتوں کی یقین دہانی کراتا رہا تا آنکہ وہ انہیں اس نافرمانی پر اکسانے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔]

(۹) [**حیا اور مقامات ستر کو ڈھانپنا انسانی فطرت میں داخل ہے**
اس کا مطلب یہ ہے کہ شرم وحیا کا جذبہ اور اپنے مقامات ستر کو ڈھانپ کر رکھنا عورت اور مرد دونوں کی فطرت کے اندر داخل ہے پھل کھانے کی وجہ سے جب سیدنا آدمؑ وحوا کا جنتی لباس چھن گیا تو سب سے پہلے فکر جو انہیں دامن گیر ہوئی وہ یہ تھی کہ اپنے مقامات ستر کو چھپائیں اور فوری طور پر کچھ نہ ملا تو جنت کے درختوں کے پتوں ہی سے ایک دوسرے پر یا اپنے بدن پر چسپاں کر کے اپنی شرمگاہوں کو چھپا دیا۔ اس آیت سے ان ''محققین'' کے بیان کی تردید ہو جاتی ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کی داستان لکھنے بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان ابتداء ننگا رہا کرتا تھا اور مدتوں بعد اس نے لباس تیار کیا اور بدن ڈھانپنا سیکھا اور یہ وہی محققین ہیں جو انسان کو حیوان ہی کی ترقی یافتہ شکل قرار دیتے ہیں اور چونکہ حیوان اپنے مقامات ستر نہیں ڈھانپتے۔ اس لیے انہوں نے سمجھ لیا کہ انسان بھی ابتداءً ایسا ہی تھا۔ قرآن اس سب باتوں کی پرزور تردید کرتا ہے، وہ انسان کو ایک مستقل اور الگ مخلوق کی حیثیت دیتا ہے جو آدم سے شروع ہوئی اور آدم کا پتلا اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا پھر اسے سنوارا اور بہت اچھی شکل وصورت بنائی پھر اس میں اپنی روح میں سے پھونک کر اسے باقی مخلوق سے افضل وبرتر بنا دیا تھا پھر سیدنا آدمؑ کو نبوت عطا فرمائی لہٰذا وہ خالص موحد تھے جبکہ ہمارے ان محققین کا انسان ابتداء مظاہر پرست تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان محققین کا سارا انحصار ظن وتخمین پر ہے۔ جب کہ وحی الٰہی ہمیں حقیقی علم عطا کرتی ہے۔]

(۱۰) [**ابلیس وآدم کے خصائل کا فرق**: ان آیات سے شیطان اور آدم کی سرشت کا فرق معلوم ہو جاتا ہے جو یہ ہے کہ:
(۱) ابلیس نے اللہ کی نافرمانی عمداً کی جبکہ آدمؑ سے بھول کر ہوئی (۲) ابلیس سے باز پرس ہوئی تو اس نے اعتراف کرنے کی بجائے تکبر کیا اور اکڑ بیٹھا اور آدم سے ہوئی تو انہوں نے اعتراف کیا اور اللہ کے حضور توبہ کی۔ (۳) ابلیس نے اپنی نافرمانی کا الزام اللہ کے ذمے لگا دیا جبکہ آدم نے یہ اعتراف کیا کہ واقعی یہ قصور ہمارا ہی تھا۔ (۴) ابلیس انہی جرائم کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے ہمیشہ کے لیے ملعون اور راندہ ہوا قرار دیا گیا اور آدم اپنی غلطی کے اعتراف اور توبہ کی وجہ سے مقرب بارگاہ الٰہی بن گئے اور انہیں نبوت عطا ہوئی۔]

اس وقت ان کے پروردگار نے انہیں پکارا کہ: ’’کیا میں نے تمہیں اس درخت سے روکا نہ تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟‘‘ وہ دونوں کہنے لگے: ’’ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف (۱۰) نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم بہت نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے‘‘۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’تم سب (یہاں سے) نکل جاؤ۔ تم ایک (۱۱) دوسرے کے دشمن

---

(۱۱) [**ابلیس وآدم کی ایک دوسرے سے دشمنی کی وجہ**: ابلیس آدمؑ کا اس لیے دشمن بن گیا کہ اس کی آزمائش کا، جس میں وہ سخت ناکام رہا سبب، آدمؑ بنے تھے اور آدم اس لیے ابلیس کے دشمن بنے کہ اس نے مکروفریب سے سبز باغ دکھا کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر آدمؑ کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کر لیا چنانچہ ان دونوں کو جنت سے نکال کر زمین میں لا بسایا گیا کیونکہ جنت ایسی محاذ آرائی کی جگہ نہیں ہے، ایسی محاذ آرائی کے لیے زمین ہی موزوں تھی، مناسب یہی تھا کہ حق وباطل کے سب معرکے زمین ہی پر واقع ہوں، اس طرح اللہ کی وہ مشیت خود بخود پوری ہوگئی جس کے لیے اس نے انسان کو پیدا کیا تھا۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کی مشیت ہی یہی تھی کہ آدم وحوا اور ان کی اولاد زمین میں آباد ہو اور شیطان ان کا دشمن بن کر آدم اور اولادِ آدم کو گمراہ کرتا رہے اور ان کے درمیان محاذ آرائی کا عمل جاری رہے اور اس طرح دنیا کو بنی آدم کے لیے دارالامتحان بنایا جائے تو پھر آخر اس قصہ آدم وابلیس میں ابلیس کا یا آدم کا قصور ہی کیا تھا، ہونا تو وہی تھا جو اللہ کی مشیت میں تھا۔ پھر آدم وابلیس اللہ کی نافرمانی کے موردالزام کیوں ٹھہرائے گئے؟ (اس کا جواب درج ذیل ہے)

اللہ کی مشیئت اور تقدیر کا مسئلہ: اس طرح کے سوالات قرآن کریم میں اور بھی متعدد مقامات پر پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ اسی سورۃ میں ایک مقام پر فرمایا کہ: ’’ہم نے جنوں اور انسانوں کی اکثریت کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے۔‘‘ (۷:۱۷۹) یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب جنوں اور انسانوں کی اکثریت کو پیدا ہی جہنم کے لیے کیا گیا ہے تو پھر اس میں جنوں اور انسانوں کا کیا قصور؟ اسی طرح احادیث صحیحہ میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے مثلاً جب شکم مادر میں روح پھونکی جاتی ہے تو ساتھ ہی فرشتہ یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شخص جنتی ہوگا یا جہنمی۔ اور ایسے مقامات کتاب وسنت میں بے شمار ہیں جہاں انسان یہ سوچتا ہے کہ ہم تو قدرت کے ہاتھ میں محض کھلونے ہیں مشیت تو اللہ کی پوری ہوتی ہے پھر ہمیں کیوں سزا ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کو کسی چیز کے نتیجہ کے متعلق پیشگی علم ہونا یا اس کا علم غیب کسی انسان کو اس بات پر مجبور یا اس کا پابند نہیں بناتا کہ وہ وہی کچھ کرے جو اللہ کے علم یا اس کی مشیت ـــ

---۔ یا تقدیر میں لکھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ انسان اپنے پورے ارادہ واختیار سے کرنے والا ہوتا ہے، اس کا اللہ کو پہلے سے علم ہوتا ہے۔ اس بات کو ہم یہاں ایک مثال سے سمجھائیں گے:

ایک بادشاہ اپنی مہمات میں اکثر درباری نجومی سے مشورہ لیا کرتا تھا نجومی اسے سیاروں کی چال کے زائچے تیار کر کے امورِ غیب سے مطلع کر دیتا۔ نجومی کی یہ خبریں کبھی درست ثابت ہوتیں اور کبھی کوئی خبر غلط بھی ثابت ہو جاتی۔ ایک دفعہ بادشاہ اس نجومی سے خفا ہو گیا اور وہ اس نجومی کو کسی بہانے سزا دینے کے متعلق سوچنے لگا۔ اسے یک دم ایک خیال آیا اور اس نے ایک ایسا کمرہ بنانے کا حکم دیا جس کے چاروں طرف دروازے ہوں جب ایسا کمرہ تیار ہو گیا تو اس نے نجومی کو بلا کر کہا: میں اس کمرے میں داخل ہونے والا ہوں، تم حساب لگا کر بتاؤ کہ میں اس کمرے کے کون سی سمت والے دروازے سے باہر نکلوں گا۔ نجومی کو بھی بادشاہ کی خفگی کا علم تھا وہ سمجھتا تھا کہ یہ سوال دراصل زندگی اور موت کا سوال ہے۔ چنانچہ اس نے کہا کہ سوال کا جواب تو میں تمہیں دے ہی دوں گا لیکن میری شرط یہ ہے کہ میں اس سوال کا جواب لکھ کر آپ کے کسی معتمد علیہ وزیر کے پاس سربمہر کر کے امانت رکھ دیتا ہوں۔ آپ یہ جواب اس وقت دیکھیں جب آپ کمرہ سے باہر نکل آئیں۔ بادشاہ نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ نجومی نے سوال کا جواب لکھ کر سربمہر کر کے وزیر کے حوالے کر دیا تو بادشاہ نے اپنے معمار کو بلا کر کہا کہ میں اس کمرہ میں داخل ہوتا ہوں۔ اس کے چاروں دروازے مقفل کر دینا اور مجھے چھت پھاڑ کر اور سیڑھی لگا کر اوپر سے نکال لانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ باہر آ کر بادشاہ نے نجومی کا جواب طلب کیا جو سب کے سامنے پڑھا گیا، اس میں لکھا تھا کہ بادشاہ کسی بھی دروازے سے نہیں بلکہ چھت پھاڑ کر باہر نکلے گا۔ بادشاہ یہ جواب سن کر دم بخود رہ گیا اور نجومی اس کے عتاب سے بچ گیا۔

اب دیکھئے کہ نجومی کی پہلے سے لکھی ہوئی تحریر نے بادشاہ کو ہرگز اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ چھت پھاڑ کر باہر نکلے بلکہ وہ اس کام میں مکمل طور پر آزاد اور بااختیار تھا بالکل یہی صورت ان مسائل کی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے انسان جو کچھ کرتا ہے مکمل طور پر اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے اسی بنا پر اسے جزا وسزا ملے گی۔ رہی پیشگی لکھنے یا مشیت یا تقدیر کی بات تو یہ چیز اسے مجبور سمجھنے پر دلیل نہیں بن سکتی بلکہ یہ بات تو اللہ کے علم وسعت کی دلیل ہے۔]

ہو اب تمہارے لئے زمین میں جائے قرار اور ایک مدت تک کے لیے سامان زیست ہے" نیز فرمایا: تم اسی (زمین) میں زندگی بسر کرو گے، اسی میں مرو گے (۱۲) اور اسی سے دوبارہ نکالے جاؤ گے۔"

(۱۲) [**شیطان سیرت اور حق پرست انسانوں کا تقابل**: یعنی اس زمین پر ابلیس کی اولاد میں اور آدم کی اولاد میں یہ محاذ آرائی قیامت تک جاری رہے گی جب کہ پہلی بار صور پھونکا جائے گا۔ اس محاذ آرائی یا حق و باطل کے معرکے میں شیطان کے پیروکاروں کی بالکل وہی صفات ہوں گی جن کی ابلیس نے نمائندگی کی تھی یعنی وہ حق سے انحراف کریں گے، اللہ کی نافرمانی کریں گے، تنبیہ ہونے پر اپنے گناہوں کے اعتراف کی بجائے مزید سرکشی اختیار کریں گے، پھر خود ہی سرکشی نہ کریں گے بلکہ اوروں کو مکروفریب اور جھوٹے وعدوں سے گمراہ کرنے کی کوشش بھی کریں گے اور ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہوا تو دوسروں کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ اب ان کے مقابلہ میں حق پرستوں کے اوصاف بھی وہی ہوں گے جن کی نمائندگی سیدنا آدمؑ نے کی۔ یعنی اصل کے لحاظ سے وہ اللہ کے فرمانبردار ہوں گے، اگر غلطیاں ان سے ہوں گی تو کسی شیطانی انگیخت کی بناء پر نادانستہ ہوں گی، انہیں اپنی غلطی کا جلد ہی احساس ہوجائے گا تو وہ اُس غلطی کو اپنا ہی قصور تسلیم کریں گے اور اللہ کے حضور توبہ کریں گے"۔ (تیسیر القرآن : از مفسر قرآن مولانا عبدالرحمن کیلانیؒ (ج ۲/ص ۳۴ تا ۴۰)]

حضرت آدمؑ وحوا کے بارے میں ایک غلط فہمی

حضرت آدمؑ وحواؑ کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ ان کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہوتا، وہ یا تو ناقص الخلقت ہوتا یا پھر پیدا ہوتے ہی مر جاتا۔ چنانچہ شیطان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کے پاس جا کر کہنے لگا کہ اگر تم آئندہ پیدا ہونے والے بچے کا نام عبدالحارث رکھو گے تو وہ صحیح سالم اور زندہ پیدا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ حارث شیطان کا نام تھا اس لیے عبدالحارث (شیطان کا بندہ) نام رکھنے میں شرک کا ارتکاب تھا جو شیطان آدم وحواؑ سے کروانا چاہتا تھا چنانچہ انہوں نے مجبوراً اگلے بچے کا یہی نام رکھ دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش فرمائی۔ یہ غلط فہمی بعض ضعیف روایات اور قرآن مجید کی درج ذیل آیات کی بنا پر پیدا ہوئی:

﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَّعَوَااللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ٥فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَالَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَا اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّایُشْرِكُوْنَ ٥اَیُشْرِكُوْنَ مَالَایَخْلُقُ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ٥﴾

''وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی تاکہ اس کے ہاں سکون حاصل کرے۔ پھر جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ہو گیا جس کے ساتھ وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں اپنے رب سے دعا کرنے لگے کہ: اگر اللہ ہمیں اچھا بچہ عطا کرے تو ہم یقیناً اس کے شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب تندرست (بچہ) دے دیا تو اس بخشش میں دوسروں کو شریک بنانے لگے جبکہ اللہ بلند تر ہے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیا وہ شریک ٹھہراتے ہیں جن کا (کسی چیز کو) پیدا کرنا تو درکنار، وہ تو خود بھی پیدا کئے جاتے ہیں۔'' (الاعراف/۱۸۹،۱۹۱)

ان آیات کا مفہوم ومدعا کیا ہے؟ اور مذکورہ بالا غلط فہمی سے متعلقہ روایات کی حقیقت

کیا ہے؟ اس کے بارے میں ہم آئندہ سطور میں دو معاصر مفکرین کی تفاسیر سے متعلقہ اقتباس درج کررہے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا مودودیؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہاں مشرکین کی جاہلانہ گمراہیوں پر تنقید کی گئی ہے تقریر کا مدعا یہ ہے کہ نوع انسانی کو ابتداءاً وجود بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے جس سے خود مشرکین کو بھی انکار نہیں۔ پھر ہر انسان کو وجود عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس بات کو بھی مشرکین جانتے ہیں۔ عورت کے رحم مین نطفے کو ٹھیرانا، پھر اس خفیف سے حمل کو پرورش کر کے ایک زندہ بچے کی صورت دینا، پھر اس بچے کے اندر طرح طرح کی قوتیں اور قابلیتیں ودیعت کرنا اور اس کو صحیح وسالم انسان بنا کر پیدا کرنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اگر اللہ عورت کے پیٹ میں بندر یا سانپ یا کوئی اور عجیب الخلقت حیوان پیدا کردے، یا بچے کو پیٹ ہی میں اندھا بہرا لنگڑا لولا بنادے، یا اس کی جسمانی وذہنی اور نفسانی قوتوں میں کوئی نقص رکھ دے تو کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ کی اس ساخت کو بدل ڈالے۔ اس حقیقت سے مشرکین بھی اسی طرح آگاہ ہیں جس طرح موحدین۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ زمانہ حمل میں ساری امیدیں اللہ ہی سے وابستہ ہوتی ہیں کہ وہی صحیح سالم بچہ پیدا کرے گا۔ لیکن پھر بھی جہالت ونادانی کے طغیان کا یہ حال ہے کہ جب امید بر آتی ہے اور چاند سا بچہ نصیب ہوجاتا ہے تو شکریے کے لیے نذریں اور نیازیں کسی دیوی، کسی اوتار، کسی ولی اور کسی حضرت کے نام پر چڑھائی جاتی ہیں اور بچے کو ایسے نام دیے جاتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے سوا کسی اور کی عنایت کا نتیجہ ہے، مثلاً حسین بخش، پیر بخش، عبدالرسول، عبدالعزی، اور عبدالشمس، وغیرہ۔

اس تقریر کے سمجھنے میں ایک بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے جسے ضعیف روایات نے اور زیادہ تقویت پہنچادی۔ چونکہ آغاز میں نوع انسانی کی پیدائش ایک جان سے ہونے کا ذکر آیا ہے جس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں اور پھر فوراً ہی ایک مرد وعورت کا ذکر شروع ہوگیا ہے جنہوں نے پہلے تو اللہ تعالیٰ سے صحیح وسالم بچے کی پیدائش کے لیے دعا کی اور جب بچہ پیدا ہوگیا تو

اللہ کی بخشش میں دوسروں کو شریک ٹھہرا لیا، اس لیے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ شرک کرنے والے میاں بیوی ضرور حضرت آدم وحوا ہی ہوں گے۔ اس غلط فہمی پر روایات کا ایک خول چڑھ گیا اور ایک پورا قصہ تصنیف کر دیا گیا کہ حضرت حوا کے بچے پیدا ہو کر مر جاتے تھے آخر کار ایک بچے کی پیدائش کے موقع پر شیطان نے ان کو بہکا کر اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اس کا نام عبدالحارث (بندہ شیطان) رکھ دیں۔ غضب یہ ہے کہ ان روایات میں سے بعض کی سند نبی ﷺ تک بھی پہنچا دی گئی ہے لیکن درحقیقت یہ تمام روایات غلط ہیں اور قرآن کی عبارت بھی ان کی تائید نہیں کرتی۔ قرآن جو کچھ کہہ رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ نوع انسانی کا پہلا جوڑا جس سے آفرینش کی ابتدا ہوئی اس کا خالق بھی اللہ ہی تھا، کوئی دوسرا اس کار تخلیق میں شریک نہ تھا، اور پھر ہر مرد وعورت کے ملاپ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس کا خالق بھی اللہ ہی ہے جس کا اقرار تم سب لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔ چنانچہ اسی اقرار کی بدولت تم امید وبیم کی حالت میں جب دعا مانگتے ہو تو اللہ ہی سے مانگتے ہو لیکن بعد میں جب امیدیں پوری ہو جاتی ہیں تو تمہیں شرک کی سوجھتی ہے۔ اس تقریر میں کسی خاص مرد اور خاص عورت کا ذکر نہیں ہے بلکہ مشرکین میں سے ہر مرد وعورت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی مذمت کی ہے وہ عرب کے مشرکین تھے اور ان کا قصور یہ تھا کہ وہ صحیح وسالم اولاد پیدا ہونے کے لیے تو خدا ہی سے دعا مانگتے تھے مگر جب بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو شکریے کا حصہ دار ٹھہرا لیتے تھے۔ بلاشبہ یہ حالت بھی نہایت بری تھی لیکن اب جو شرک ہم توحید کے مدعیوں میں پاتے ہیں وہ اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ ظالم تو اولاد بھی غیروں ہی سے مانگتے ہیں، حمل کے زمانے میں منتیں بھی غیروں کے نام ہی کی مانتے ہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی نیاز انہی کے آستانوں پر چڑھاتے ہیں، اس پر بھی زمانہ جاہلیت کے عرب مشرک تھے اور یہ موحد ہیں، ان کے لیے جہنم واجب تھی اور ان کے لیے نجات کی گارنٹی ہے، اُن کی گمراہیوں پر تنقید کی زبانیں تیز ہیں مگر اِن کی گمراہیوں پر کوئی تنقید کر بیٹھے تو مذہبی درباروں میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اسی حالت کا ماتم حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں کیا ہے:

کرے غیرِ گربت کی پوجا تو کافر | ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہرِ سجدہ تو کافر | کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں | پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں | اماموں کا رتبہ نبیؐ سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کر نذریں چڑھائیں | شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے | نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے (۱)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ

مولانا کیلانیؒ مذکورہ آیات کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ

''ترمذی میں ایک روایت آتی ہے کہ ''آدم وحوا کے ہاں جو بچے پیدا ہوتے وہ مرجاتے تھے کیونکہ وہ کمزور الخلقت ہوتے تھے۔ ایک دفعہ جب سیدہ حوا کو حمل ہوا تو آدم وحوا دونوں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر تندرست بچہ پیدا ہوا تو ہم اللہ کے شکرگزار ہوں گے۔ اسی دوران شیطان نے حوا کو پٹی پڑھائی کہ اگر وہ اس ہونے والے بچے کا نام عبدالحارث رکھیں تو ان کا بچہ یقیناً تندرست ہوگا اور زندہ رہے گا۔ حارث دراصل ابلیس کا نام تھا اور جن دنوں وہ فرشتوں میں ملا ہوا تھا، اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ حوا نے شیطان سے اس بات کا وعدہ کر لیا اور سیدنا آدم کو بھی اس بات پر راضی کر لیا''۔ اس روایت کو حافظ ابن کثیرؒ نے تین وجہ سے معلول قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا قصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے نیز قرآن ہی کے الفاظ سے یہ قصہ کئی وجوہ سے باطل قرار پاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ﴿جعلا له شركاء﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا شریک صرف ایک شیطان ہی نہیں بنایا گیا بلکہ یہ شریک ایک جماعت یا کم از کم دو سے زیادہ ہیں۔

۲۔ ﴿عما یشرکون﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرک کرنے والے دو (آدم وحوا) نہ تھے بلکہ یہ بھی ایک جماعت ہے۔

۳۔ اگر شیطان کو ہی شریک بنایا تھا تو اس کے لیے مَنْ آنا چاہیے تھا جو ذوی العقول کے لیے آتا ہے حالانکہ یہاں ﴿مالا يخلق﴾ کے الفاظ ہیں۔

(۱) [''تفهيم القرآن'' (ج:۲ص:۱۰۷تا۱۰۸)حاشيه نمبر (۱٤٦)]

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سب نام سکھلا دیے تھے اگر ابلیس یا شیطان کا کوئی نام 'حارث' بھی ہوتا تو وہ آپ کو ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا کیونکہ اسی سے تو براہ راست آپ کی دشمنی ٹھن گئی تھی۔ علاوہ ازیں کسی بھی سند صحیح سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ سیدنا آدمؑ کے کسی بیٹے کا نام عبدالحارث بھی تھا۔

اس آیت کے مخاطب دراصل مشرکین مکہ ہیں۔ ابتداء میں سیدنا آدمؑ وحوا کا ذکر ضرور ہے مگر بعد میں روئے سخن دور نبوی ﷺ کے مشرکین کی طرف مڑ گیا ہے جن کی عادت تھی کہ جب بچہ پیٹ میں ہوتا تو اس کی سلامتی اور تندرست وصحیح سالم بچہ پیدا ہونے کے لیے اللہ ہی سے دعائیں کیا کرتے تھے لیکن جب صحیح وسالم بچہ پیدا ہو جاتا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو بھی شکریے کا حصہ دار ٹھہرا لیتے تھے اور ان کے نام ایسے ہی رکھ دیتے جن میں شرک پایا جاتا مثلاً عبدالشمس، عبدالعزی، عبد مناف وغیرہ اور نذریں نیازیں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے آستانوں پر چڑھایا کرتے تھے۔ یہ حالت تو دور نبوی ﷺ کے مشرکین کی تھی۔ مگر آج کے مشرکین جو خود مسلمان ہونے کا دعوی کرتے ہیں ان مشرکوں سے چار ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ یہ اولاد بھی غیروں سے مانگتے ہیں، حمل کے دوران منتیں بھی غیروں کے نام ہی کی مانتے ہیں اور بچہ پیدا ہونے کے بعد نیاز بھی انہی کے آستانوں پر جا کر چڑھاتے ہیں اور نام بھی مشرکانہ رکھتے ہیں جیسے پیراں دتہ، پیر بخش، وغیرہ۔ پھر بھی یہ موحد کے موحد اور مسلمان کے مسلمان ہی رہتے ہیں! (۱)

قصۂ ہابیل وقابیل اور شیطان کا کردار

قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ اجمالی طور پر اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِىْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِىَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِىْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ

(۱) ["تیسیر القرآن" (ج:۲ص:۱۲۳، ۱۲۴) حاشیہ نمبر (۱۸۹)]

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴾[المائدہ/۲۷،۳۲]

’’نیز آپ ان اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا سچا واقعہ سنایئے جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی دوسرے نے کہا: میں ضرور تمہیں مار ڈالوں گا، پہلے نے جواب دیا: اللہ تو صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے مار ڈالنے کے لئے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو فقط اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ سب کچھ سمیٹ لے اور اہل جہنم میں سے ہو جائے اور ظالم لوگوں کی یہی سزا ہے۔ بالآخر دوسرے نے اپنے آپ کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا چنانچہ اسے مار ڈالا اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔ پھر اللہ نے ایک ’کوا‘ بھیجا جو زمین کو کرید رہا تھا تاکہ اس قاتل کو دکھلائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپا سکتا ہے (کوے کو دیکھ کر) وہ کہنے لگا: افسوس میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں، کہ اپنے بھائی کی لاش کو نہ چھپا سکا۔ اس کے بعد وہ اپنے کئے پر بہت نادم ہوا۔ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے (تورات میں) لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کو جان کے بدلے کے علاوہ یا زمین میں فساد کرنے کی غرض سے قتل کیا تو اس نے گویا سب لوگوں کو مار ڈالا اور جس نے کسی کو (قتل ناحق سے) بچالیا تو وہ گویا سب لوگوں کی حیات کا موجب ہوا۔ اور ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر آتے رہے پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں‘‘

مذکورہ واقعہ چونکہ مجمل انداز میں بیان ہوا ہے اس لیے یہاں کچھ سوال پیدا ہوتے ہیں مثلاً:

۱۔حضرت آدمؑ کے یہ بیٹے کون تھے؟
۲۔ان کا تنازعہ کس بات پر ہوا تھا؟
۳۔انہوں نے کن چیزوں کی قربانیاں پیش کی تھیں؟
۴۔ایک کو دوسرے کے قتل پر کس نے آمادہ کیا تھا؟
۵۔قابیل نے قتل کیسے کیا اور قتل کرنے کا طریقہ اسے کس نے بتایا تھا؟
۶۔قتل کے بعد لاش چھپانے کے لیے کس نے مدد کی تھی؟

ان تمام سوالات کے جوابات سے پہلے ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ان کے جواب اگر قرآن وسنت میں نہ ملیں تو تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ قرآن میں مذکور اس واقعہ کا مقصود قتل کی مذمت و شنیعت بیان کرنا ہے تا کہ لوگ قتلِ ناحق سے حد درجہ احتیاط کریں اور وہ مقصود پوری طرح ان آیات سے حاصل ہو رہا ہے۔ باقی رہا ان سوالوں کے جواب کا مسئلہ تو وہ تاریخی نوعیت کی معلومات ہیں۔اگر حاصل ہو جائیں تو ٹھیک ورنہ ان کے معلوم نہ ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔اس تمہید کے بعد اب ہم ان سوالوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت آدمؑ کے ان دو بیٹوں کا نام کیا تھا؟ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث میں اس کی صراحت مذکور نہیں تاہم اسرائیلی روایات وآثار کی بنا پر جمہور مفسرین نے ان کے نام ہابیل اور قابیل بیان کیے ہیں۔

۲،۳۔ہابیل اور قابیل کا باہمی تنازعہ کس بات پر ہوا تھا؟ اس کا جواب بھی قرآن مجید یا صحیح احادیث میں مذکور نہیں تاہم اسرائیلی روایات کی بنا پر جمہور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس وقت دنیا ابتدائی حالت میں تھی اور حضرت آدمؑ وحوا کی اولاد کا آپس ہی میں نکاح کیا جاتا تھا۔جس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم وحواؑ کے ملاپ سے ہر مرتبہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے چنانچہ ایک حمل کے لڑکے لڑکی کا نکاح دوسرے حمل کی لڑکی لڑکے سے کر دیا جاتا۔چنانچہ ایک مرتبہ ہابیل اور اس کی بہن پیدا ہوئی، دوسری مرتبہ قابیل اور اس کی بہن پیدا ہوئی۔اب اسی اصول کے مطابق ہابیل کی بہن کا قابیل سے اور قابیل کے ساتھ پیدا ہونے

والی بہن کا ہابیل سے نکاح کیا جانا تھا مگر قابیل نے اس میں یہ کہتے ہوئے رکاوٹ پیدا کردی کہ میں تو اسی سے نکاح کروں گا جو میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑکی ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی سے خوبصورت تھی۔آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ خیرات نکالو جس کی خیرات مقبول ہوجائے اس کا نکاح اس لڑکی سے کردیا جائے گا۔چنانچہ دونوں نے اللہ کے لئے خیرات نکالنے کا فیصلہ کیا۔ہابیل نے تو اچھی خیرات دی۔(بعض کے بقول انہوں نے اپنے ریوڑ میں سے سب سے موٹا تازہ جانور پیش کیا) جب کہ دوسری طرف شیطان قابیل کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ تم اللہ کے لیے اپنا مال خیرات کرو گے تو مال کم ہوجائے گا۔قابیل نے کہا: پھر کیا کروں؟ شیطان نے کہا کہ تم دیکھو جو ردی اور فضول مال ہے، اسے خیرات کردو۔چنانچہ قابیل نے شیطان کی باتوں میں آکر ردی مال خیرات کردیا۔(بقولِ بعض قابیل نے اپنی فصل میں سے ردی سٹہ خیرات کیا تھا) کہا جاتا ہے کہ دونوں کی خیرات مکہ مکرمہ (یا کسی جگہ) رکھ دی گئی اور اللہ کی طرف سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی خیرات کو جلا گئی مگر قابیل کی خیرات کو یونہی چھوڑ گئی۔خیرات کا جلنا اس بات کی نشانی تھی کہ وہ خیرات قبول ہوگئی ہے۔چنانچہ ہابیل کی خیرات قبول ہوگئی مگر اس پر قابیل آگ بگولہ ہوگیا اور اب اس کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ ہابیل کو قتل کردے کیونکہ ہابیل کو قتل کرنے کی ایک وجہ تو طیش وغضب تھی اور دوسری یہ تھی کہ اس طرح جب ہابیل زندہ ہی نہ رہے گا تو اس لڑکی کو قابیل اپنے نکاح میں رکھنے کا مجاز بن جائے گا۔

۴۔ ہابیل کو قتل کرنے کی یہ ترکیب قابیل کو کس نے سمجھائی تھی؟اس کے بارے میں قرآن مجید تو یہ بتاتا ہے کہ ﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ اَخِيهِ﴾ ''اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا''۔البتہ اس کے دل میں یہ برا خیال ازخود پیدا ہوا یا شیطان نے پیدا کیا؟ اس کی صراحت قرآن وسنت میں مذکور نہیں۔تاہم نفس چونکہ اچھے اور برے خیالات کا منبع ہے اور شیطان بھی نفس میں برے خیالات پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے،اس لیے ممکن ہے کہ خود قابیل کے دل میں بھی یہ برا خیال پیدا ہوا ہو اور شیطان نے بھی اس میں اپنا کردار ادا کیا ہو۔

۵۔ قابیل نے اسے قتل کیسے کیا اور قتل کرنے کا طریقہ کس نے اسے بتایا؟ اس کے متعلق بھی قرآن وسنت میں کوئی صراحت نہیں البتہ یہ بات مسلم ہے کہ انسان کو پیدائشی طور پر اچھائی اور برائی القا کی گئی ہے ﴿فالھمھا فجورھا وتقوٰھا﴾ اس لیے ممکن ہے کہ اس کے دل میں خود ہی کوئی طریقہ پیدا ہو گیا ہو۔ البتہ بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ اس نے چھری کے ساتھ گردن کاٹی، بعض میں ہے کہ گلا دبا کر مارا اور بعض میں ہے کہ قابیل اپنے بھائی کی گردن مروڑ رہا تھا کہ شیطان نے دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا طریقہ نہیں آتا تو اس نے اسے طریقۂ قتل سمجھانے کے لیے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر اس زور سے مارا کہ جانور کا سر کچلا گیا اور وہ وہیں مر گیا۔ چنانچہ پھر قابیل نے بھی اسی طرح اپنے بھائی کو قتل کیا۔ (معاذ اللہ!)

٦۔ لاش چھپانے کا طریقہ کس نے سکھایا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین میں گڑھا کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپائے۔''

بعض روایات میں ہے کہ جب قابیل کو یہ مشکل پیش آئی کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے تو اسی اثنا دو کوے وہاں آئے اور آپس میں لڑنے لگے پھر ایک کوے نے دوسرے کو مار ڈالا اور زمین میں گڑھا کھود کر اسے وہاں دفن بھی کر دیا۔ اسی کو دیکھ کر قابیل نے بھی ایسے ہی کیا۔

ہابیل اور قابیل کے اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اپنا مقصد پورا کروانے کے لیے ہر ترکیب سمجھاتا ہے اور جب اس کی مقصد برآری ہو جاتی ہے تو وہ انسان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔

قصہ قومِ نوح اور شیطان کا کردار......!

حضرت نوحؑ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہو گزرے ہیں، آپ نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں دن رات تبلیغ کا کام کیا مگر چند ایک لوگوں کے علاوہ اور کوئی مسلمان نہ ہوا بلکہ وہ بد بخت قوم آپ ہی کے درپے آزار ہوگئی، آپ سے استہزا اور مذاق کرنے لگی۔ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سیلاب کی صورت میں اپنا عذاب بھیجا اور حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کے سوا اور کوئی بشر باقی نہ بچا۔ بلکہ آپ کا بیٹا اور بیوی جو عذاب آنے تک حالت کفر ہی میں رہے وہ بھی اس عذاب سے محفوظ نہ رہ سکے۔ عذاب ختم ہونے کے بعد حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والے لوگ ہی پوری کرۂ ارضی پر باقی بچے تھے۔ حضرت نوحؑ کی قوم میں آہستہ آہستہ کفر و شرک شروع ہوا تھا اس کفر و شرک کے آغاز میں شیطان نے بنیادی کردار ادا کیا جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''قوم نوحؑ میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی پانچ نیک صالح بزرگ تھے۔ جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے کسی طرح سے ان کی (اگلی نسل یا قوم) کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم ان پانچوں بزرگوں کے بت بنا کر اپنی مجلسوں (اور اجتماعات وغیرہ) میں رکھو اور ان بتوں کے نام بھی اپنے بزرگوں کے ناموں پر رکھو۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا (اور اپنے بزرگوں کے بت بنا لیے مگر) اس وقت ان بتوں (کو محض بزرگوں کی یاد کے لیے بنایا گیا تھا ورنہ قوم نوحؑ کے نیک صالح لوگ ان) کی عبادت و پرستش نہیں کرتے تھے لیکن جب یہ لوگ بھی مر گئے جنہوں نے بت بنائے تھے اور لوگوں میں علم بھی نہ رہا (کہ یہ بت تو محض بزرگوں کی یاد کے لیے بنائے گئے تھے) تو پھر ان بتوں کی پوجا شروع ہوگئی۔''[1]

مولانا محمد داؤد رازؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ

''بت پرستی کی ابتدا جملہ بت پرست اقوام میں اس طرح شروع ہوئی کہ انہوں نے اپنے نیک لوگوں کے ناموں پر بت بنا لیے۔ پہلے عبادت میں ان کو سامنے رکھنے لگے۔ شیطان

---

(۱) [بخاری: کتاب التفسیر۔باب ودّا ولا سواعا ......(۴۹۲۰)]

نے یہ فریب اس طرح چلایا کہ ان بتوں کے دیکھنے سے بزرگوں کی یاد تازہ رہے گی اور عبادت میں دل لگے گا۔ رفتہ رفتہ وہ بت ہی خود معبود بنا لیے گئے۔ تمام بت پرستوں کا آج تک یہی حال ہے پس دنیا میں بت پرستی یوں شروع ہوئی۔ اس لیے اسلامی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے بت اور صورت (تصویر) کے بنانے سے منع فرمادیا اور یہ حکم دیا کہ جہاں بت یا صورت دیکھو اس کو توڑ پھوڑ کر پھینک دو کیونکہ یہ چیزیں اخیر میں شرک کا ذریعہ ہوگئیں۔ اسلامی شریعت میں یادگار کے لیے بھی بت بنانا یا صورت کا بنانا درست نہیں اور کوئی کتنے ہی مقدس پیغمبر یا اوتار کی صورت ہو اس کی کوئی عزت یا حرمت نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ صرف ایک مورت ہے جس کا اسلام میں کوئی وزن نہیں۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اپنے اس اصول مذہبی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ ۲/]

''نیز نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کیا کرو۔'' (وحیدی) مگر یہ کس قدر افسوسناک حرکت ہے کہ بعض تعزیہ پرست حضرات تعزیہ کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ کی کاغذی صورت بنا کر تعزیہ کے آگے رکھتے اور اس کا پورا ادب بجالاتے ہیں۔ کتنے نام نہاد مسلمانوں نے مزار اولیاء کے فوٹو لے کر ان کو گھروں میں رکھا ہوا ہے اور صبح اور شام ان کو معطر کر کے ان پر پھول چڑھاتے اور ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ جملہ حرکات، بت سازی اور بت پرستی کی شکلیں ہیں۔ اللہ پاک مسلمانوں کو نیک سمجھ عطا کرے کہ وہ ایسی حرکتوں سے باز رہیں۔ ورنہ میدان محشر میں سخت ترین رسوائی کے لیے تیار رہیں۔''(۱)

قوم نوح کو شیطان نے آہستہ آہستہ اتنا گمراہ کر دیا کہ وہ اپنے ان بتوں کی پوجا ہی اپنا مقصد حیات بنا بیٹھے تھے اور باوجودیکہ حضرت نوح ؑ ان کے اس طرز عمل کو خدا کی نافرمانی اور شرک قرار دیتے تھے مگر وہ اتنے متعصب ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے کو کہتے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

''انہوں نے کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔'' [النوح ۲۳/]

(۱) صحیح بخاری: ترجمہ و تشریح از داؤد راز (ج:٦ ص:٤٦٢) طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور

ساڑھے نو سو سال کی شبانہ روز دعوت وتبلیغ کے بعد اس سرکشی کو دیکھتے ہوئے حضرت نوحؑ نے آخر کار اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ بلند کیے اور ان کی ہلاکت کے لیے یہ بدعا کی:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَايَلِدُوا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [النوح/۲۶،۲۷]

''اور حضرت نوحؑ نے کہا: اے میرے رب! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقینا) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کریں گے اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔''

آپ کی بدعا قبول ہوئی اور آسمان وزمین میں ہر طرف سے پانی کا سیلاب آ گیا جس میں اہل ایمان، جو ایک کشتی میں سوار تھے، کے علاوہ اور کوئی نہ بچا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿مِمَّا خَطِيئٰتِهِمْ اُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾

''یہ لوگ اپنے گناہوں کے سبب (پانی کے عذاب میں) ڈبو دیئے گئے اور جہنم میں پہنچا دیے گئے اور اللہ کے سوا اپنا کوئی مددگار (بھی) انہوں نے نہ پایا۔'' [النوح/۲۵]

یعنی جن بتوں کے نام نذر ونیاز اور چڑھاوے دیتے، جن کے لیے رکوع وسجود اور پرستش کرتے اور جنہیں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے وہ 'پنج تن پاک' ان کے کسی کام نہ آسکے اور اللہ کے عذاب کا کوڑا دنیا میں بھی ان پر برس کر رہا۔ اللهم قنا عذابک (آمین) لیکن جہالت کی انتہا ہے کہ یہی بت بعد میں بھی ڈھونڈھ کر یا پھر سے تیار کر کے لوگوں نے پوجنے شروع کر دیے حتی کہ کسی طرح سے یہی بت عرب میں پہنچ گئے اور اہل عرب نے بھی قوم نوحؑ کی طرح ان کی پرستش شروع کر دی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''جو بت حضرت نوحؑ کی قوم میں پوجے جاتے تھے بعد میں وہی عرب میں بھی پوجے جانے لگے۔ 'ود' دومۃ الجندل (نامی علاقے) میں بنو کلب (قبیلے) کا بت تھا۔ 'سواع' بنو ہذیل (قبیلے) کا۔ 'یغوث' بنی مراد کا اور بنی مراد کی شاخ بنی غطیف کا بھی یہی بت تھا جو وادی اجوف میں قوم سبا کے (علاقوں) کے پاس رہتے تھے۔ 'یعوق' بنی ہمدان کا بت تھا۔ 'نسر' حمیر کا بت تھا جو ذوالکلاع کی آل میں سے تھے۔''(۱)

(۱) [بخاری: کتاب التفسیر۔ ایضا]

باب ششم (٦)

شیطان اور مسلمان......!

حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)

((وانی خلقت عبادی حنفاء کلهم وانهم اتتهم الشیاطین فاجتالتهم عن دینهم وحرمت علیهم ما احللت لهم وامرتهم ان یشرکوا بی ما لم انزل به سلطانا))

''بے شک میں نے اپنے بندوں کو شرک سے پاک (اور دین فطرت پر) پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے جنہوں نے انہیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں، وہ شیطانوں نے ان کے لیے حرام کر دیں اور شیطانوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ یہ میرے ساتھ شرک کریں، جب کہ اس شرک کے حق میں، میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔''

شیطان کا مقصد ہر انسان کو اسی طرح اللہ کا نافرمان بنانا ہے جس طرح وہ خود ہے۔ اور پھر اپنے ساتھ ہی اسے آخرت کے روز جہنم میں لے جانا ہے۔ جہنم میں دو طرح کے لوگ جائیں گے ایک تو وہ جو اپنے گناہوں کی سزا پا کر جلد یا بدیر جہنم سے بالآخر نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور دوسرے وہ لوگ جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ دائمی طور پر جہنم میں رہنے والے وہ لوگ ہوں گے جو کفر و شرک کے مرتکب ہوئے اور اسی حالت میں پھر فوت ہو گئے۔ اس حقیقت کو شیطان بھی جانتا ہے چنانچہ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان سے کفر و شرک کروایا جائے تاکہ وہ دائمی جہنم کا مستحق ٹھہرے اس مقصد کی تکمیل کے لیے کبھی وہ براہ راست کفر شرک سے آغاز کرتا ہے اور کبھی دیگر گناہوں کا ارتکاب کرواتے کرواتے بالآخر انسان کو کفر و شرک تک لے جاتا ہے۔ اس کے لیے وہ کون کون سے ذرائع اور راستے اختیار کرتا ہے، کس پالیسی پر

عمل کرتا ہے، اپنے لشکروں کو کیا کیا گُر سکھاتا ہے، اپنی پچھلی ساری زندگی کے تجربات سے کیسے کیسے فائدہ اٹھاتا ہے؟...... یہ ساری تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان دشمنی میں شیطان کا بنیادی مقصد اس سے کفر وشرک کروا کروا کر جہنمی بنانا ہے اور اس کے علاوہ جو گناہ، معصیت، بغاوت اور خدا کی نافرمانی کا کام ہوسکتا ہے، انسانوں سے اس کا عملی اظہار کروانا ہے۔ غیر مسلم (یہودی، عیسائی، ہندو، دہریے وغیرہ) تو پہلے ہی اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے جہنم کے راستوں پر چل رہے ہیں اس لیے شیطان کے مکروہ عزائم کا رخ بالعموم ان لوگوں کی طرف زیادہ ہے جو مسلمان ہیں۔

یہ تو تھا انسان دشمنی میں شیطان کا بنیادی مقصد اور اصل مشن۔ اب اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جہنم سے بچنے اور شیطان کے داؤ فریب سے محفوظ رہنے کے لیے ہمارے پاس بنیادی تدبیر کیا ہے؟

آسمانی ہدایت کی پیروی

شیطان کی باتوں میں آ کر حضرت آدمؑ وحواؑ سے جب غلطی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا تو شیطان لعین اور جہنم سے بچنے کے لیے ان سے فرمایا:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

''جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کیونکہ) جو اس کی پیروی کریں گے ان پر کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔'' [البقرۃ/۳۸]

گویا شیطان اور جہنم سے بچنے کے لیے اصولی تدبیر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادی ہے کہ اس کی طرف سے جو ہدایت (حکم وپیغام) آئے صرف اسی کی پیروی کی جائے۔ یہ ہدایت انبیاء ورسل کے پاس وحی اور صحائف کی شکل میں آتی رہی۔ پھر سب سے آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر اسلام (قرآن وحدیث) کی شکل میں اس وحی کو مکمل کردیا گیا اور اسے ہی صراط مستقیم قرار دے دیا گیا۔ اب جو شخص قرآن وحدیث کی صحیح

پیروی کرے گا وہ شیطان اور جہنم کے عذاب سے بچ جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾

''اور بلاشبہ یہی (دین) میری سیدھی راہ ہے لہٰذا اسی پر تم چلتے جاؤ اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کردیں گی۔[الانعام/۱۵۳]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لیے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ ''یہ اللہ کا راستہ ہے۔'' پھر اس خط کے دائیں بائیں کچھ اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ:

((هذه سبل علی کل سبیل منها شیطان یدعو الیه))

''یہ وہ راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے (تاکہ انہیں پیچھے لگا کر گمراہ کرے) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت (مذکورہ بالا) تلاوت فرمائی۔''(۱)

گویا اللہ تعالیٰ کے دین کی مکمل پیروی ہی راہ ہدایت ہے اور اس سے گریز کی سب راہیں شیطانی ہیں جو انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہیں اور اللہ کا دین اب اسلام (قرآن وحدیث) کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے لہٰذا اس کو دل سے سچا اور منزل من اللہ سمجھتے ہوئے حتی المقدور اس پر عمل کرنا اور اپنی پوری زندگی کو اس کے تابع بنادینا ہی ہمیں شیطان کے عزائم اور جہنم کے عذاب سے بچاسکتا ہے۔اسی حقیقت کو قرآن مجید کی ایک آیت میں اس طرح بیان کیا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَاتَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔''[البقرۃ/۲۰۸]

(۱) [مسند احمد (۱/۴۶۵، ۴۳۵) مسند دارمی (۲۰۲) السنن الکبری للبیهقی (۳۴۳/۶) بحواله مشکوٰة (۱۶۶)]

باب ہفتم (۷)

شیطان کے اغراض ومقاصد

بنیادی مقصد: شیطان کا ایک ہی آخری مقصد ہے جس کے حصول کی خاطر وہ جدوجہد کررہا ہے وہ یہ کہ انسان کو جہنم میں دھکیل دے اور جنت سے محروم کردے:

﴿اِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ﴾[فاطر:٦]

''وہ تو اپنے پیروکاروں کو اپنی راہ پر اس لئے بلا رہا ہے تا کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہوجائیں''

ذیلی مقاصد: یہ شیطان کا بنیادی مقصد ہے اس کے ذیلی مقاصد یہ ہیں:

ا۔ بندوں کو کفر وشرک میں مبتلا کرنا:

یعنی بندوں کو غیراللہ کی عبادت اور اللہ اوراس کی شریعت سے انکار کی دعوت دینا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِیْءٌ مِّنْكَ﴾

''ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ پہلے وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں۔''[الحشر:١٦]

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا، آپ ؐ نے خطبہ میں فرمایا: لوگو! مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں وہ بات بتاؤں جس سے تم ناآشنا ہو اور وہ بات اللہ نے مجھے آج ہی بتائی کہ میں نے جو کچھ اپنے بندے کو عطا کیا وہ اس کے لئے حلال ہے اور میں نے تمام بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا تھا لیکن شیطان نے آکرانہیں اپنے دین سے پھیر دیا اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کرنے کا حکم دیا جن کے لئے میں نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

✿ [یہ باب شیخ عمر سلیمان الاشقر کی کتاب "عالم الجن والشیاطین" سے ماخوذ ہے۔(دیکھئے: ص ٦٧تا٧٨) ترجمہ از عبد السلام سلفی (ص٨٧تا٩٩)]

۲۔کافر نہ بنا سکے تو گناہوں میں مبتلا کرتا ہے:

اگر وہ لوگوں کو کفر وشرک میں مبتلا نہ کر سکے تو نا امید نہیں ہوجاتا بلکہ اس سے چھوٹا حربہ استعمال کرتا ہے یعنی ان سے چھوٹے موٹے گناہ کرواتا اور ان کے دلوں میں عداوت ودشمنی کی کاشت کرتا ہے۔ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لوگوسنو! شیطان اس بات سے قطعی نا امید ہے کہ اس کی اس شہر میں عبادت ہوگی مگر کچھ اعمال جن کو تم معمولی اور حقیر سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی سے خوش ہوگا۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ

''شیطان اس بات سے نا امید ہے کہ جزیرہ عرب میں نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں گے، لیکن ان کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے کے سلسلے میں وہ نا امید نہیں۔''

یعنی وہ لوگوں کے درمیان عداوت ودشمنی کی آگ روشن کرے گا اور ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکائے گا۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴾[المائدۃ:۹۱]

''شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

وہ ہر برے کام کا حکم دیتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾

''وہ تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ (وہ اللہ نے فرمائی ہیں)''[البقرۃ:۱۶۹]

مختصر یہ کہ ایسی عبادت جو اللہ کو پسند ہے وہ شیطان کو ناپسند ہے اور ہر ایسی معصیت جو رحمان کو ناپسند ہے وہ شیطان کو پسند ہے۔

۳۔شیطان کا بندوں کو اللہ کی اطاعت سے روکنا:

شیطان لوگوں کو صرف کفر و معاصی کی دعوت دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انہیں اچھے کام کرنے سے بھی روکتا ہے۔ بھلائی کے جس راستہ پر بھی اللہ کا کوئی بندہ چلنا چاہتا ہے شیطان اس کے راستہ میں ٹانگ اڑاتا اور اسے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ حدیث میں ہے:

''شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے چنانچہ اس کے اسلام کی راہ میں بیٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے: کیا تم اسلام کی خاطر اپنا اور اپنے باپ داداؤں کا دین چھوڑ دو گے؟ بندہ اس کی بات ٹھکرا کر اسلام قبول کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی ہجرت کی راہ میں بیٹھتا اور کہتا ہے: کیا تم ہجرت کی خاطر اپنا وطن، اپنا ماحول چھوڑ دو گے؟ بندہ اس کی بات ٹھکرا کر ہجرت کے لئے چل پڑتا ہے۔ (مہاجر کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو لمبی رسی میں کھونٹے سے بندھا ہوا ہو۔) پھر وہ اس کے جہاد کے راستہ میں بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: جہاد کرو گے تو اس میں نفس اور مال کی پریشانی تو ہے ہی، اگر لڑائی ہوئی اور تم مار دیئے گئے تو تمہاری بیوی دوسرے سے شادی کر لے گی اور تمہاری دھن دولت بھی ٹھکانے لگ جائے گی؟ بندہ اس کی بات کو ٹھکرا کر جہاد کے لئے نکل جاتا ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ پر واجب ہے۔ اگر وہ قتل ہو جائے تو اللہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، اگر وہ ڈوب جائے تو اللہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، اگر اس کا جانور اس کی گردن توڑ دے تو اللہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، اس کو احمد، نسائی اور ابن حبان نے صحیح سند سے روایت کیا۔'' (صحیح الجامع الصغیر للالبانی رجلد ۲ صفحہ ۲۷)

اسی جیسی بات قرآن کریم میں اللہ نے شیطان سے نقل کی ہے کہ اس شیطان نے اللہ رب العزت سے کہا تھا:

﴿قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾

''جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے لہذا اب میں بھی تیری صراط مستقیم پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لئے بیٹھوں گا، پھر انسانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے

بائیں سے غرض کہ ہر طرف سے گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔'' [الاعراف:۱۶۔۱۷]

بہر حال بھلائی کا کوئی ایسا راستہ نہیں جہاں شیطان بیٹھ کر لوگوں کو اس سے نہ روکتا ہو۔

۴۔عبادت واطاعت میں خرابی پیدا کرتا ہے:

اگر شیطان لوگوں کو اطاعت وفرمانبرداری سے نہ روک سکے تو وہ عبادت واطاعت کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کے اجر وثواب سے لوگوں کو محروم کردے۔

ایک صحابی نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا ''نماز خراب کرنے کے لئے شیطان میرے اور نماز کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جس کو ''خنزب'' کہا جاتا ہے، اگر تمہیں اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دو۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز ختم کردی۔'' (اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

جب بندہ نماز شروع کرتا ہے تو شیطان اس کے دل ودماغ پر سوار ہوکر اس کے دل میں ہزاروں خیالات ڈالتا ہے اور اسے اللہ کی یاد سے غافل کرکے دنیا کے مسائل میں الجھا دیتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب شیطان کو اذان کی آواز آتی ہے تو وہ گوز کرتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے، اذان ہونے پر وہ واپس ہوجاتا ہے اور پھر وسوسہ پیدا کرنا شروع کردیتا ہے پھر اقامت کی آواز سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے تاکہ اس کی آواز نہ سن سکے، اقامت ختم ہونے پر وہ واپس ہوجاتا ہے اور پھر سے وسوسہ پیدا کرنا شروع کردیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ''جب اقامت ختم ہوتی ہے تو شیطان آتا ہے اور انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور اس سے کہتا ہے فلاں بات یاد کرو فلاں چیز یاد کرو۔ اس کو ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو پہلے یاد نہیں تھیں۔ اس میں الجھ کر آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

رحمٰن کی ہر مخالفت شیطان کی اطاعت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ [النساء:۱۱۷۔۱۱۸]

''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں، وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے (وہ اس شیطان کی عبادت کر رہے ہیں) جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ لے کر رہوں گا۔''

جو شخص اللہ کے علاوہ کسی بھی چیز کی پرستش کرے گا خواہ وہ لکڑی اور پتھر کے بت ہوں، سورج ہو، چاند ہو، یا کوئی شخصیت یا نظریہ ہو، وہ مانے یا نہ مانے بہرحال وہ شیطان کی پرستش کرنے والا ہوگا کیونکہ شیطان ہی کے حکم اور پسند سے اس نے یہ کام کیا ہے۔ جو لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ حقیقت میں شیطان کی پوجا کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰئِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ، قَالُوا سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ﴾

''اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے، دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔'' [سباء: ۴۰-۴۱]

یعنی فرشتوں نے انہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ جنوں نے اس کا حکم دیا تھا تاکہ ان کی عبادت حقیقت میں شیاطین کے لئے ہو جائے جیسا کہ بتوں کی عبادت حقیقت میں شیاطین کی عبادت ہوتی ہے۔

خلاصہ: اب تک کی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ شیطان ہی ہر برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے اور ہر کار خیر سے روکتا اور اس سے ڈراتا ہے تاکہ لوگ پہلی چیز کا ارتکاب کریں اور دوسری چیز چھوڑ دیں۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿الشَّيْطَٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا﴾

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔'' [البقرۃ: ۲۶۸]

شیطان ہمیں مفلسی سے یہ کہہ کر ڈراتا ہے کہ اگر تم اپنی دولت راہ خدا میں خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے وہ جن فحش کاموں کی ترغیب دیتا ہے ان سے ہر خبیث اور گندہ کام مراد ہے خواہ وہ بخل ہو یا زناکاری یا کوئی دوسرا فعل۔

۵۔جسمانی اور ذہنی ایذا رسانی:

جس طرح شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان کو کفر وگناہ میں مبتلا کر کے گمراہ کر دے اسی طرح وہ مسلمان کو جسمانی اور ذہنی طور پر پریشان کرنا چاہتا ہے۔اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

1۔نبی ﷺ پر حملہ: آئندہ صفحات میں وہ حدیث آئے گی جس میں نبی ﷺ نے بتایا کہ شیطان نے آپ پر حملہ کیا تھا اور آپ کے چہرہ اطہر پر پھینکنے کے لئے آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا۔

2۔شیطانی خواب: شیطان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ انسان کو رنجیدہ اور پریشان کرنے کی غرض سے نیند کی حالت میں طرح طرح کے پریشان کن خواب دکھاتا ہے۔

نبی ﷺ نے بتایا کہ انسان نیند کی حالت میں جو خواب دیکھتا ہے وہ تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک رحمانی یعنی اللہ کی طرف سے ۔دوسرا شیطانی جو انسان کو رنجیدہ کرنے کے لئے شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔تیسرا نفسانی جس میں انسان اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے۔(صحیح الجامع۔۳/۱۸۴۔۱۸۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:"اگر کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔اسے چاہئے کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور خواب لوگوں سے بیان کرے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے اسے چاہئے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور خواب کسی سے بیان نہ کرے کیونکہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔"

3۔گھروں میں آتش زدگی: شیطان گھروں میں آگ لگانے کا کام بعض حیوانات کے ذریعہ سے کرتا ہے۔سنن ابوداؤد اور صحیح ابن حبان میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:"جب تم لوگ سونے لگو تو چراغ بجھا دو کیونکہ شیطان اس طرح کے حیوانوں (چوہوں) کو ایسی چیزوں (چراغ) کی طرف لاتا ہے اور تمہارے مکانوں میں آگ لگا دیتا ہے۔"

4۔موت کے وقت شیطان کا انسان کو جھنجھوڑنا: نبی ﷺ موت کے وقت شیطان کے وسوسہ سے پناہ مانگتے اور کہتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّی وَالْھَدَمِ ،وَالْغَرَقِ ،وَالْحَرْقِ وَاَعُوذُبِکَ اَنْ

يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ ، وَاَعُوْذُبِکَ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِکَ مُدْبِرًا ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَوْتِ لَدِيْغًا)) [صحیح الجامع ۱/۴۰۵]

''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گر کر ہلاک ہونے ، عمارت میں دبنے ، ڈوبنے اور جلنے سے اور پناہ چاہتا ہوں موت کے وقت شیطان کے جھنجھوڑنے سے ، اور اس بات سے کہ میں تیری راہ میں پشت دکھا کر مروں اور پناہ چاہتا ہوں کہ کسی جانور کے ڈسنے سے میری موت ہو۔'' (اس کو نسائی اور حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا)

5۔ پیدائش کے وقت شیطان کا بچے کو تکلیف دینا: نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر انسان کو جب اس کی ماں جنتی ہے شیطان تکلیف پہنچاتا ہے مگر مریم اور اس کا بیٹا اس سے محفوظ رہے۔ (صحیح الجامع ۴/۱۷۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ''جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے شیطان اس کے دونوں پہلوؤں میں انگلی چبھوتا ہے۔ عیسیٰ بن مریم اس سے محفوظ رہے۔''

بخاری ہی میں ہے کہ ''شیطان ہر بنی آدم کو اس کی پیدائش کے وقت تکلیف دیتا ہے جس سے بچہ چیخ اٹھتا ہے مگر مریم اور اس کا بیٹا اس سے محفوظ رہے۔''

حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے کو شیطان سے محفوظ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مریمؑ کی والدہ نے مریم کی پیدائش کے وقت اللہ سے دعا کی تھی کہ

﴿اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِکَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [آل عمران:۳۶]

''میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

چونکہ انہوں نے سچے دل سے دعا مانگی تھی اس لئے اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور مریمؑ اور عیسیٰؑ کو شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔ حضرت عمار بن یاسر بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ نے محفوظ رکھا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ابودرداء نے کہا: کیا تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کو اللہ نے اپنے نبی کی دعا سے شیطان سے محفوظ رکھا ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا، جس کو اللہ نے اپنے نبی کی دعا سے شیطان سے محفوظ رکھا، وہ عمار ہیں۔

6۔ طاعون (پلیگ) کی بیماری جنوں سے ہوتی ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا خاتمہ میدان جہاد کے نیزوں اور طاعون کی بیماری سے ہوگا جو جنوں کے

کچوکے کا نتیجہ ہے۔ دونوں حالتوں میں شہادت نصیب ہوگی۔'' (صحیح الجامع ۴/۹۰)

مستدرک حاکم میں ہے کہ

''طاعون تمہارے دشمن جنوں کے کچوکے کا نتیجہ ہے اس میں تمہارے لئے شہادت کا رتبہ ہے''۔

شاید اللہ کے نبی ایوبؑ کو جو بیماری لگی تھی وہ جن کی وجہ سے تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ﴾[ص:۴۱]

''اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔''

7۔ ایک دوسری بیماری: نبی ﷺ نے استحاضہ (وہ خون جو حیض کی مقررہ مدت کے بعد کسی بیماری کی وجہ سے جاری رہے) والی عورت سے فرمایا تھا:

''یہ شیطان کی رگڑ کی وجہ سے ہوتا ہے''۔ (اس کو ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا۔ دیکھئے: صحیح الجامع ۳/۱۹۶)

8۔ انسان کے کھانے، پانی اور گھر میں شیطان کا حصہ: انسان کے لئے شیطان کی لائی ہوئی ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ وہ اس کے کھانے پینے کی اشیا پر ناجائز قبضہ کرکے اس میں اپنا حصہ لگالیتا اور اس کے گھر میں شب باشی بھی کرتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اپنے رب کی ہدایات کی مخالفت کرے یا اس کے ذکر سے غافل ہوجائے۔ اگر وہ اللہ کی دی ہوئی ہدایات پر کاربند ہو اور اس کے ذکر سے غافل نہ ہو تو شیطان کی کیا مجال کہ ہمارے مال اور گھر میں حصہ دار ہوجائے۔ شیطان ہمارا کھانا اسی وقت حلال سمجھتا ہے، جب کوئی اسے بغیر بسم اللہ کہے کھانا شروع کردے۔ لیکن اگر اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ شیطان کے لئے حرام ہوجاتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ کسی کھانے میں شرکت کرتے تو اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک آپ خود شروع کرنے کے لئے اپنا دست مبارک نہ بڑھا دیتے۔ ایک مرتبہ ہم آپ کے ساتھ ایک کھانے میں شریک ہوئے، تبھی ایک لونڈی تیزی سے آئی گویا کوئی اس کا تعاقب کررہا ہو اور کھانے میں ہاتھ بڑھانے لگی، نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا، پھر ایک دیہاتی اسی کیفیت کے ساتھ آیا آپ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ نے

فرمایا: کھانے کے وقت بسم اللہ نہ کہا جائے تو شیطان اس کھانے کو حلال سمجھتا ہے، شیطان کھانا حلال کرنے کے لئے اس لونڈی کو ساتھ لایا تھا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر اس دیہاتی کو لے کر آیا تاکہ اس کے ذریعہ سے حلال کرے۔ میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس شیطان کا ہاتھ لونڈی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔"

نبی ﷺ نے ہمیں شیطان سے اپنے مال کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر دروازہ بند کر لیا جائے اور برتنوں پر کوئی چیز ڈھانپ دی جائے، اس سے چیزیں شیطان کی دستبرداری سے محفوظ رہیں گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر دروازہ بند کرو شیطان بند دروازہ نہیں کھول سکتا، مشکیزے کا منہ بند کر دو اور اس پر اللہ کا نام لو، برتن ڈھانپ دو اور اللہ کا نام لو، چراغ بجھا دو۔" (صحیح مسلم)

شیطان انسان کے ساتھ اس وقت بھی کھاتا اور پیتا ہے جب وہ بائیں ہاتھ سے کھائے پیئے، اسی طرح کھڑے ہو کر پینے کے وقت بھی شیطان ساتھ پیتا ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"جو بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اس کے ساتھ شیطان کھاتا ہے جو بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اس کے ساتھ شیطان پیتا ہے۔"

مسند احمد میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

"نبی ﷺ نے ایک آدمی کو کھڑا ہو کر پیتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس سے فرمایا: قے کرو، اس نے کہا: کیوں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے کہ بلی تمہارے ساتھ پیئے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: بلی سے بدتر چیز شیطان نے تمہارے ساتھ پیا ہے۔"

شیطانوں کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے آپ گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا نہ بھولئے۔ نبی ﷺ نے ہمیں اس کی تاکید کی ہے، آپؐ نے فرمایا:

"جب آدمی اپنے گھر میں آئے اور گھر میں داخل ہوتے وقت نیز کھانا کھاتے وقت خدا کا نام لے لے، تو شیطان (اپنی ذریت سے) کہتا ہے: اس گھر میں تمہارے لئے نہ شب باشی کی جگہ ہے نہ شام کا کھانا، اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت آدمی اللہ کا نام نہیں لیتا، تو شیطان (اپنی ذریت سے) کہتا ہے: اس گھر میں تمہیں شب باشی کی جگہ مل گئی اور

وہ آدمی کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے یہاں تم کو شب باشی کی جگہ مل گئی اور رات کا کھانا بھی۔"

9۔آسیب زدگی: علامہ ابن تیمیہؒ مجموعہ فتاوی ج ۲۴ ص ۲۷۶ پر رقمطراز ہیں: انسان کے جسم میں جن کا داخل ہونا باتفاق ائمہ اہل سنت والجماعت ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾

"جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے چھو کر شیطان نے باؤلا کر دیا ہو۔" [البقرۃ: ۲۷۵]

بخاری میں نبی ﷺ سے مروی ہے: "شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔"

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جن آسیب زدہ کے جسم میں داخل نہیں ہوتا ہے۔ والد نے جواب دیا: بیٹا یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں، سچ یہ ہے کہ جن ہی انسان کی زبان سے بات کرتا ہے۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: احمد بن حنبل نے جو بات کہی ہے وہ مشہور و معروف ہے۔ جن انسان پر سوار ہوتا ہے اور انسان ایسی زبان میں بات کرنے لگتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے جسم پر اتنی مار پڑتی ہے کہ اگر کسی اونٹ کو مارا جائے تو اس کے بدن پر نشان پڑ جائیں۔ اس کے باوجود اس شخص کو نہ پٹائی کا احساس ہوتا ہے نہ اس گفتگو کا جو اس نے اپنی زبان سے کی۔ آسیب زدہ شخص کبھی تو دوسرے انسانوں کو گھسیٹتا اور کبھی جس چیز پر وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے اسی کو کھینچنے پھاڑنے لگتا ہے، کبھی دیو ہیکل مشینوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حرکتیں کرتا ہے جو شخص اس کا بچشم خود مشاہدہ کرے گا اسے بدیہی طور پر معلوم ہو جائے کہ جو چیز انسان کی زبان سے بات کر رہی ہے اور ان چیزوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتی ہے وہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری صنف کی مخلوق ہے۔

ابن تیمیہؒ مزید کہتے ہیں: ائمہ مسلمین میں کوئی بھی اس بات کا منکر نہیں کہ جن آسیب زدہ شخص کے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ جو اس کا انکار کرے اور یہ دعوی کرے کہ شریعت اس کو نہیں مانتی وہ شریعت پر تہمت لگاتا ہے، شرعی دلائل میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے اس کی تردید ہوتی ہو۔ علامہ نے جلد ۱۹ ص ۱۲ پر لکھا ہے کہ "جن لوگوں نے آسیب زدہ کے جسم میں جن کے داخل ہونے کا انکار کیا ہے وہ معتزلہ کا ایک ٹولہ ہے جس میں جبائی اور ابو بکر رازی وغیرہ شامل ہیں"۔

باب ہشتم (۸)

انسان کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کے ہتھکنڈے

شیطان انسان کے پاس آ کر یہ نہیں کہتا کہ ان اچھے کاموں کو چھوڑ دو اور یہ برے کام کرو تا کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ تم برباد ہو جاؤ۔ اگر وہ ایسا کرے تو کوئی بھی اس کی بات نہ مانے، اس کے بجائے وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے دوسرے بہت سے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے مثلاً:

ا۔ باطل کی تزئین:

لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان اسی ہتھکنڈے کو استعمال کرتا رہا ہے اور آئندہ کرتا رہے گا، وہ باطل کو حق اور حق کو باطل کی شکل میں پیش کرتا ہے اور انسان کی نگاہ میں باطل کو اتنا حسین اور حق کو اس قدر بدنما دکھاتا ہے کہ وہ منکر کے ارتکاب اور حق سے اعراض کرنے پر مجبور ہو جائے جیسا کہ ابلیس ملعون نے رب العزت سے کہا تھا:

﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ [الحجر: ۳۹۔۴۰]

''(وہ بولا) میرے رب! جیسا تو نے مجھے بہکایا اسی طرح اب میں زمین میں ان کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکا دوں گا، سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔''

اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''شیطان کی ایک فریب کاری یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو مکروفریب میں مبتلا کرنے کے لیے ہمیشہ اس کی عقل پر اپنا جادو جگاتا ہے، اس کی جادوگری سے وہی شخص بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے رکھے۔ انسان

✿ [یہ باب شیخ عمر سلیمان الاشقر کی کتاب ''عالم الجن والشیاطین'' سے ماخوذ ہے۔ (دیکھئے: ص ۸۴ تا ۱۰۸) ترجمہ از عبد السلام سلفی]

کے لیے جو چیز مضرت رساں ہو شیطان اسے اتنی ہی خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ مفید معلوم ہونے لگتی ہے اور جو چیز سب سے زیادہ نفع بخش ہو اسے اتنی بدنما دکھاتا ہے کہ وہ نقصان دہ معلوم ہوتی ہے۔ اللہ اللہ شیطان نے اس فسوں کاری سے کتنے انسانوں کو بہکایا۔ دل وایمان کے درمیان اس سے کتنی دیواریں کھڑی کیں! باطل کو رنگ وروغن کر کے کتنی حسین شکل میں نمایاں کیا اور حق کو مسخ کر کے اس کی کتنی بھدی صورت دکھائی۔ سکے پرکھنے والوں کی نگاہوں میں کتنے کھوٹے سکے بتائے! اہل بصیرت تک کو کتنے مکروفریب دیئے! وہی تو ہے جس نے لوگوں کے دل ودماغ پر جادو کر کے انہیں مختلف مذاہب اور بے شمار راہوں پر ڈال دیا، انہیں گمراہی کا ہر راستہ دکھایا تباہی کے ہر کھڈ میں گرایا، بتوں کی پرستش، رشتہ داروں سے ترک تعلق، ماں بہنوں سے شادی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کو اچھا بتایا، کفر وفسق اور عصیان ونافرمانی کے باوجود اس نے لوگوں سے جنت کا وعدہ کیا اور ان کے لیے تعظیم کی عظیم شکل میں شرک کا چور دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات علو وتکلم کو تنزیہ کا نام دیا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کے چھوڑنے کو لوگوں کے ساتھ یاری وخوش اخلاقی بتایا اور اللہ کے اس قول "علیکم انفسکم" (تم اپنی فکر کرو، مائدہ: ۱۰۵) پر عمل درآمد اور رسول ﷺ کی سنت سے اعراض کو تقلید کے سانچے میں پیش کیا"۔ (اغاثۃ اللھفان ۱/۱۳۰)

حضرت آدمؑ کو بہکانے کے لیے ابلیس نے اسی ہتھکنڈے کو استعمال کیا تھا۔ جس درخت کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام کر دیا تھا، شیطان نے اس کا پھل کھانے کو اچھا بتایا اور آرام سے باصرار کہنے لگا یہ شجرۂ خلد ہے اس کا پھل کھالو تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو گے یا فرشتے بن جاؤ گے، آدمؑ نے اس کی بات مان لی انجام کار انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ آج شیطان نوازوں کو دیکھئے وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کس طرح اس ہتھکنڈے کو استعمال کر رہے ہیں۔ کمیونزم اور سوشلزم کو دیکھو لوگ کہتے ہیں کہ انہی نظریات کے ذریعہ انسانیت کو حیرانی وپریشانی، تباہی وبھکری سے نجات مل سکتی ہے۔ پھر ان تحریکوں کو دیکھو جو عورت کو آزادی کے نام پر "خاتون خانہ" کی بجائے "شمع محفل" بنانے پر تلی ہوئی ہیں اور آرٹ کے نام پر ان بیہودہ ڈراموں کو اسٹیج کرنے کی

رواداراور علمبردار ہیں جن میں عزت وناموس کو پیروں تلے روندا جاتا اور اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔

ان افکار پر بھی نظر ڈالو جوافزائش اور وافر نفع کے نام پر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کے لیے سودی بینکوں میں روپے جمع کروانے کے پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔

ان نظریات پر بھی غور کرو جن کے یہاں مذہب پر عمل درآمد قدامت پسندی دقیانوسیت اور رملائیت ہے اور مبلغین اسلام مشرقی ومغربی ملکوں کے ایجنٹ۔ یہ سب شیطان کے اسی ہتھکنڈے کا تسلسل ہے جس کے ذریعہ اس نے بہت پہلے آدمؑ کو بہکایا تھا یعنی باطل کو دیدہ زیب ودل فریب بنایا اور حق کے چہرے پر کالک لگا کر لوگوں کو اس سے متنفر کر دیا۔

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾[النحل:٦٣]

”خدا کی قسم! اے نبیؐ تم سے پہلے بھی بہت سی قوموں میں ہم رسول بھیج چکے ہیں (اور پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ) شیطان نے ان کے برے کرتوت انہیں خوشنما بنا کر دکھائے۔“

بخدا! یہ بڑا خطرناک حربہ ہے اس لیے کہ اگر انسان کے سامنے کوئی غلط چیز مزین کر کے پیش کر دی جائے اور وہ اسے صحیح سمجھ بیٹھے تو جس چیز کو اس نے صحیح سمجھا ہے اس کے حصول کے لیے وہ پوری قوت سے کھڑا ہو جاتا ہے خواہ اسے اس کی راہ میں اپنی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾[الکھف:١٠٣،١٠٤]

”اے نبیؐ! ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ونامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری جدوجہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔“

ایسے لوگ انسانیت کو اللہ کے دین سے روکنے اور اللہ والوں سے جنگ کے لیے اٹھ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو حق وہدایت پر سمجھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾[الزخرف:٣٧]

''ایسے لوگ راہ راست سے روکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ ہدایت پر ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ اہل کفر دنیا کو ترجیح دیتے اور آخرت سے تغافل برتتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾[حم السجدة:۲۵]

''ہم نے ان پر ایسے ساتھی مسلط کردیے تھے جو انہیں آگے اور پیچھے سے ہر چیز کو خوشنما بنا کر دکھاتے تھے۔''

اس آیت میں ''ساتھی'' سے مراد شیاطین ہیں، انہوں نے لوگوں کے آگے یعنی دنیوی زندگی کو اتنا خوشنما بنا کر پیش کیا کہ وہ اس پر لٹو ہو گئے اور انہیں آخرت کی تکذیب پر آمادہ کیا اور ایسے حسین انداز میں کیا کہ وہ لوگ حساب کتاب، جنت، جہنم ہر چیز کا انکار کر بیٹھے۔

کالے دھندے گورے نام:

شیطان کا انسان کو دھوکہ دینے اور باطل کو مزین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جن حرام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے وہ ان کا خوبصورت سا نام رکھ دیتا ہے تاکہ انسان مغالطہ میں پڑ جائے اور حقیقت چھپی رہے۔جیسا کہ اس نے شجرۂ ممنوعہ کا نام شجرہ خلد رکھا تھا تاکہ آدمؑ کے لئے اس کو خوشنما بنا کر پیش کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ يَآدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ﴾[طٰہ:۱۲۰]

''شیطان نے کہا ''اے آدم! میں بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے؟''

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ شیطان ہی سے اس کے گرگوں کو یہ ہنر وراثت میں ملا ہے وہ حرام چیزوں کا ایسا نام رکھتے ہیں جس نام کی چیز کو انسان کا دل پسند کرتا ہے جیسے شراب کو ''اصل مزہ'' جوئے کو ''آرام کی روٹی'' سود کو ''لین دین'' اور ظالمانہ ٹیکس کو ''شاہی حقوق'' کا نام دے دیا گیا ہے؟ آج سود کو ''انٹرسٹ'' اور رقص وسرود، گانوں اور ڈراموں اور تصویروں ومجسموں کو ''آرٹ'' بتایا جا رہا ہے۔

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۲۔افراط وتفریط:

اس سلسلے میں علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ :اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر کرتا ہے تو اس کے بارے میں شیطان کی دو خواہشیں ہوتی ہیں یا تو اس میں کم وکوتاہی کی جائے یا زیادتی وغلو،اس کی بلا سے بندہ دونوں میں سے کوئی بھی غلطی کرے۔شیطان انسان کے دل کے پاس آتا اور اسے سونگھتا ہے اگر اس میں پست ہمتی ،تن آسانی اور سہل پسندی کی صفت ہوتی ہے تو وہ اس دروازہ سے انسان پر حملہ کرتا ہے چنانچہ اس کی حوصلہ شکنی کر کے فرائض کی انجام دہی سے روک دیتا ہے۔اس پر تن آسانی او رآرام طلبی مسلط کر دیتا ہے اور اس کے لئے تاویل وتوجیہ کا دروازہ کھول دیتا ہے ۔پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب انسان تمام احکام سے کلی طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔اگر انسان کے دل میں حقیقت پسندی ،احتیاط اور جوش وولولہ ہوتو شیطان کو اس پر اس دروازہ سے حملہ کرنے کی توقع نہیں رہتی،تو پھر وہ اسے ضرورت سے زیادہ اجتہاد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔اس سے کہتا ہے تمہارے لئے اتنا کافی نہیں تم تو اس سے زیادہ کر سکتے ہو،وہ افطار کرتے ہیں تو تمہیں افطار نہیں کرنا چاہیے ،ان کو سستی لاحق ہوتی ہے تو تمہیں سستی لاحق نہیں ہونی چاہیے ،اگر کوئی اپنا ہاتھ اور چہرہ تین تین مرتبہ دھوئے تو تمہیں سات سات مرتبہ دھونا چاہیے۔وہ نماز کے لئے وضو کرے تو تمہیں غسل کرنا چاہیے اوراسی طرح کے دوسرے کاموں میں افراط وناجائز زیادتی کی ترغیب دیتا ہے،غرضیکہ اسے غلو،انتہا پسندی اورصراط مستقیم کی حدود سے آگے بڑھا دیتا ہے ۔دونوں جگہ اس کا مقصد انسان کو صراط مستقیم سے دور رکھنا ہے پہلی صورت میں انسان صراط مستقیم تک نہیں پہنچ پاتا اور دوسری صورت میں آگے نکل جاتا ہے۔اکثر لوگ اس فتنہ کا شکار ہوتے ہیں۔اس سے نجات کی صورت صرف اورصرف گہرے علم، مضبوط ایمان ،شیطان کی مخالفت کی طاقت اور اعتدال کی راہ اپنانے میں ہے۔واللہ المستعان! (الوابل الصیب ص ۱۹)

۳۔ آج نہیں تو کل:

شیطان انسان کو کام کرنے سے روکتا اور اسے سست اور آج کا کام کل کرنے کا عادی بنا دیتا ہے۔ اس کے لئے اس کے پاس مختلف طریقے اور حربے ہیں۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی شخص سوتا ہے تو شیطان اس کی گدی پر تین گرہ لگاتا ہے ہر گرہ لگاتے وقت کہتا ہے۔ ''رات لمبی ہے سو تا رہ'' اگر آدمی بیدار ہو جاتا اور اللہ کا نام لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، وضو کرتا ہے تو دوسری بھی کھل جاتی ہے اور نماز پڑھتا ہے تو اس کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں اور وہ چست، خوش دل اور تازہ دم ہو جاتا ہے۔ ورنہ اس پر خباثت اور سستی طاری رہتی ہے۔''

بخاری اور مسلم میں ہے: ''اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہو اور وضو کرے تو اسے تین مرتبہ پانی سے ناک جھاڑنا چاہیئے اس لئے کہ شیطان ناک کے بانسہ پر رات گزارتا ہے۔'' بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ سے ایک ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو رات کو سوتا اور سورج چڑھنے پر بیدا ہوتا تھا، تو اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: ''ایسے شخص کے کان میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔''

اوپر جو باتیں ذکر کی گئیں وہ شیطان کا انسان کو کسی کام سے روکنے کے لئے ذاتی فعل تھا کبھی وہ وسوسہ پیدا کر کے انسان کو کام سے روکنا چاہتا ہے اس طرح کہ اس کو کاہل، سست اور آج کا کام کل پر ٹالنے کا عادی بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''کتنے یہودیوں اور عیسائیوں کے دلوں میں اسلام کی محبت کا خیال آیا لیکن شیطان ان کو روکتا اور کہتا رہا: جلدی مت کرو ابھی اور غور و فکر کر لو، اسی طرح ٹالتا رہا یہاں تک کہ ان کی موت کفر پر ہوئی۔ اسی طرح شیطان گنہگار کو توبہ سے روکتا ہے اس سے شہوانی اغراض کی تکمیل جلدی سے کرواتا ہے اور یہ امید دلاتا ہے کہ ابھی توبہ کر لیں گے، جیسا کہ کسی عربی شاعر نے کہا: لاتعجل الذنب لماتشتهی وتامل التوبة من قابل

''اس امید پر جلدی جلدی گناہ نہ کرو کہ توبہ قبول کرنے والے کے دربار میں توبہ کرلی جائے گی۔''

کتنے جدو جہد کا ارادہ رکھنے والے لوگوں کو شیطان نے کل پر ٹالا، کتنے مقام فضیلت پر پہنچنے والوں کی اس نے حوصلہ شکنی کی، کبھی کسی فقیہ نے اپنے درس کا اعادہ کرنا چاہا تو شیطان نے کہا تھوڑی دیر آرام کرلو، یا کوئی عبادت گزار رات میں نماز کے لئے بیدار ہوا تو اس نے کہا ابھی تو بہت وقت ہے۔ شیطان اسی طرح انسان کو کاہل، ٹال مٹول کرنے اور امیدوں پر جینے کا عادی بنا دیتا ہے۔ لہذا عقلمند کو چاہئے کہ دور اندیشی سے کام لے۔ دور اندیشی یہ ہے کہ وقت پر کام کرے، ٹال مٹول چھوڑ دے، امیدوں پر جینے سے باز آئے، کیونکہ یہی ہر کوتاہی اور برائی کے رجحان کی جڑ ہے۔ انسان ہمیشہ سوچتا ہے کہ وہ اب برائی چھوڑ دے گا اور اچھائی کی طرف واپس ہو جائے گا لیکن یہ صرف دل کا بہلاوا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ وہ دن بھر چلتا رہے گا تو وہ سست رفتاری سے چلے گا، اور جس کو یہ امید ہو کہ وہ صبح تک زندہ رہے گا تو وہ رات میں بہت آہستہ کام کرے گا، لیکن جس شخص کے تصور میں موت سر پر کھڑی ہو وہ بہت سرگرمی اور لگن سے کام کرے گا۔

بعض بزرگ کہا کرتے تھے کہ ہم تمہیں لفظ ''سوف'' (یعنی پھر کرلوں گا) سے آگاہ کر دیتے ہیں: یہ ابلیس کی سب سے بڑی فوج ہے۔ دور اندیش اور کاہل دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جماعت سفر میں ہو اور کسی بستی میں قیام کرے اب دور اندیش گیا اور اس نے اپنے سفر کی تمام ضروریات پوری کرلیں اور روانگی کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا اور کاہل نے یہ سوچا کہ بعد میں تیار ہو جاؤں گا ممکن ہے یہاں ایک مہینہ تک قیام رہے، اسی وقت روانگی کا بگل بجا۔ اب کیا تھا، دور اندیش تو خوش تھا لیکن کاہل حیرت و پریشانی کے سمندر میں ڈوب گیا۔ دنیا کے اندر بھی لوگوں کی یہی مثال ہے دنیا میں کچھ لوگ چست اور بیدار ہوتے ہیں جب موت کا فرشتہ آتا ہے تو انہیں شرمندگی نہیں ہوتی۔ اور کچھ لوگ کاہل اور ٹال مٹول کرنے والے ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو موت کے وقت ندامت کے کڑوے گھونٹ پینا پڑتے ہیں''۔ (تلبیس ابلیس / ص ۴۵۸)

۴۔جھوٹا وعدہ اور جھوٹی امید:

شیطان لوگوں سے جھوٹے وعدے کرتا اور انہیں جھوٹی امیدیں دلاتا ہے تاکہ ان کو گمراہی کے عمیق غار میں لے جا کر پھینک دے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَايَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾[النساء:۱۲۰]

''وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں۔''

کافر جب مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں تو شیطان ان سے قوت ومدد اور غلبہ واقتدار کا وعدہ کرتا ہے پھر ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَاغَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّي جَارٌلَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّي بَرِيْءٌ مِّنْكُمْ﴾

''ذرا خیال کرو اس وقت کا جب شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے۔''[الانفال:۴۸]

شیطان سرمایہ دار کافروں سے دنیوی زندگی کے بعد آخرت میں بھی دولت وثروت ملنے کا وعدہ کرتا ہے جس کے غرور میں ایک آدمی کہہ اٹھتا ہے:

﴿وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّي لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾[الکہف:۳۶]

''اگر (بالفرض محال) مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔''

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کے باغ باغیچے اور دھن دولت کو ٹھکانے لگا دیتا ہے اور اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ مبتلائے مکروفریب تھا۔شیطان انسان کو جھوٹی تمناؤں میں الجھا کر، جن کا زندگی کے حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ٹھوس اور نتیجہ خیز کوششوں سے روک دیتا اور اسے خوابوں کی دنیا میں جینے کا خوگر بنا دیتا ہے۔انجام کار وہ کچھ بھی نہیں پاتا۔

۵۔انسان سے اظہار ہمدردی:

شیطان انسان کو یہ کہہ کر معصیت کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے۔ اس نے بابا آدمؑ سے بھی قسم کھا کر یہی کہا تھا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿وَقَاسَمَهُمَا اِنِّی لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾[الاعراف:۲۱]

''اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔''

وہب بن منبہ نے اہل کتاب سے ایک دلچسپ واقعہ روایت کیا ہے جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے تا کہ ہم شیطان کے انسان کو گمراہ کرنے کے ایک اور طریقے سے واقف ہوجائیں پھر آئندہ اس کی اس ہمدردی سے احتیاط کی جائے اور اس کی ہر دعوت کی سختی سے مخالفت کی جائے۔

وہب کہتے ہیں کہ:''بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عبادت گزار تھا۔اس کے زمانہ میں تین بھائی تھے جن کی ایک بہن تھی۔تینوں کو ایک جنگ میں جانے کی نوبت آ گئی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی بہن کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں اور کون اس کے حق میں قابل اطمینان ہوگا۔وہب کہتے ہیں:چنانچہ انہوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو بنی اسرائیل کے ایک عابد کے پاس چھوڑ کر جائیں وہ ان کی نظر میں قابل اعتماد شخص تھا۔چنانچہ تینوں اس عابد کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ وہ اپنی بہن کو اس کے پاس چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں جب تک وہ جنگ سے نہیں لوٹیں گے وہ اسی کی حفاظت میں رہے گی۔عابد نے انکار کردیا اور ان سے اور ان کی بہن سے اللہ کی پناہ مانگی۔وہ لوگ اصرار کرتے رہے بالآخر وہ مان گیا،اور کہا کہ اس لڑکی کو میرے کلیسا کے سامنے والے مکان میں لاکر چھوڑ دو۔وہب کہتے ہیں کہ:انہوں نے اپنی بہن کو اس گھر میں لاکر چھوڑ دیا اور چلے گئے ایک زمانہ تک وہ لڑکی اس عابد کے پڑوس میں رہی،عابد کھانا لے کر کلیسا کے نیچے اترتا اور کلیسا کے دروازہ پر کھانا رکھ کر اوپر چڑھ جاتا اور کلیسا کا دروازہ بند کرلیتا پھر اس لڑکی کو کھانا لے جانے کے لئے کہتا وہ آتی اور اپنا کھانا اٹھا لیتی۔وہب کہتے ہیں کہ:شیطان نے اس عابد کے ساتھ فریب شروع کیا۔چنانچہ اس کو خیر کی ترغیب دینے لگا اور کہا کہ دن کے وقت لڑکی کا

گھر سے نکلنا اچھی بات نہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی اسے دیکھ لے اور اس سے محبت کر بیٹھے، اگر تم ہی اس کا کھانا اس کے گھر کے دروازہ تک پہنچا دیا کرو تو بڑے ثواب کی بات ہوگی۔

وہب کہتے ہیں کہ: شیطان نے عابد سے اتنا اصرار کیا کہ وہ مجبور ہوگیا چنانچہ راہب کھانا لے جاتا اور لڑکی کے گھر کے دروازہ کے پاس رکھ کر چلا آتا اور اس سے بات نہ کرتا۔ وہب کہتے ہیں کہ وہ ایک زمانہ تک ایسا ہی کرتا رہا، پھر اس کے پاس ابلیس آیا اور اس کو خیر اور ثواب کی ترغیب دینے لگا اور کہا کہ اگر تم کھانا لے جا کر اس کے گھر کے اندر رکھ دو تو اور ثواب ملے گا، چنانچہ عابد جاتا اور کھانا اس کے گھر کے اندر رکھ دیتا، ایک زمانہ تک ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر ابلیس آیا اور اس کو خیر وثواب کی ترغیب دینے لگا اور کہا کہ اگر تم لڑکی سے کچھ بات چیت کر کے اس کا دل بہلا دیا کرو تو کتنی اچھی بات ہوگی، بیچاری بری طرح وحشت محسوس کرتی ہے۔ ابلیس نے اس سے اتنا اصرار کیا کہ عابد مجبور ہوگیا چنانچہ وہ ایک زمانہ تک اپنے کلیسا کے اوپر سے جھانکتا اور لڑکی سے کچھ بات کر لیتا۔

پھر ابلیس آیا اور کہا کہ اگر تم اتر کر اپنے کلیسا کے دروازہ پر بیٹھتے اور اس سے بات چیت کرتے اور وہ بھی اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھتی اور تم سے بات کرتی تو اس سے اس کا دل بہل جاتا۔ شیطان نے اس بات پر اتنا اصرار کیا کہ عابد کو اپنے کلیسا سے اتر کر دروازہ پر بیٹھنا پڑا، چنانچہ وہ اپنے دروازہ پر بیٹھتا اور لڑکی اپنے دروازے پر۔ دونوں بات چیت کرتے، ایک زمانہ تک دونوں اسی طرح بات چیت کرتے رہے۔ پھر ابلیس آیا اور اس کو اجر وثواب کی ترغیب دینے لگا اور کہا کہ اگر تم اپنے کلیسا کے دروازے سے نکل کر اس لڑکی کے گھر کے قریب بیٹھتے اور اس سے بات کرتے تو اس کا دل اور بہل جاتا۔ شیطان نے اس بات پر اتنا اصرار کیا کہ وہ ایسا ہی کرنے لگا، ایک زمانہ تک دونوں ایسا ہی کرتے رہے پھر ابلیس آیا اور عابد اس کے گھر میں جا کر دن بھر اس کے ساتھ بات کرنے لگا جب دن ختم ہو جاتا تو اپنے کلیسا میں آجاتا۔

پھر ابلیس آیا اور عابد کی نظر میں اس لڑکی کو اتنی حسین شکل میں پیش کرنے لگا کہ وہ بہک گیا چنانچہ اس نے لڑکی کی ران پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لے لیا، ابلیس عابد کی نگاہوں میں لڑکی کو حسین سے حسین تر بنا کر پیش کرنے لگا، یہاں تک کہ عابد نے اس کے

ساتھ ہمبستری کر لی چنانچہ وہ حاملہ ہوگئی اور ایک بچہ کو جنم دیا، پھر ابلیس آیا اور کہنے لگا: بتاؤ وہ لڑکی تمہارے بچے کی ماں بن چکی ہے اگر اس کے بھائی آ جائیں تو تم کیا کرو گے؟ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں ذلیل ورسوا کر دیں گے۔ اس لئے جاؤ اور اس کے لڑکے کو ذبح کر کے دفن کر دو، وہ اس راز کو اس ڈر سے راز ہی رکھے گی کہ کہیں اس کے بھائیوں کو تمہارے ناجائز تعلقات کا علم نہ ہو جائے، چنانچہ عابد نے ایسا ہی کیا پھر شیطان نے عابد سے کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اپنے بھائیوں سے تمہارے تعلقات اور اس لڑکے کو قتل کرنے کی بات کو چھپائے گی؟ جاؤ اس کو بھی قتل کر کے لڑکے کے ساتھ دفن کر دو، شیطان اس بات پر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کو بھی قتل کر دیا اور لڑکے کے ساتھ اس کو بھی دفن کر دیا اور دونوں کے اوپر ایک پتھر کی بڑی سی سل رکھ کر زمین برابر کر دی پھر اپنی عبادت گاہ میں آ کر عبادت میں مصروف ہو گیا جب تک اللہ کی مشیت تھی وہ عبادت میں مصروف رہا' یہاں تک کہ لڑکی کے بھائی جنگ سے واپس ہوئے۔ وہ عابد کے پاس آئے اور اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا۔ عابد نے کہا کہ وہ مر چکی ہے اور اس پر ترس کھا کر رونے لگا اور کہا کہ وہ بہت اچھی عورت تھی، دیکھو یہ اس کی قبر ہے۔

اس کے بھائی قبر کے پاس آئے اور اس کی موت پر رونے لگے اور اظہار تعزیت کیا، ایک زمانہ تک وہ اس قبر کے پاس مقیم رہے، پھر اپنے اہل وعیال میں واپس ہو گئے۔ جب رات ہوئی اور تینوں اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے، تو شیطان خواب میں ان کے پاس ایک مسافر کی شکل میں آیا، سب سے پہلے بڑے بھائی کے پاس آیا اور اس سے اس کی بہن کے متعلق پوچھا، چنانچہ اس نے اس کو عابد کی بات بتائی کہ وہ مر چکی ہے اور عابد کو بھی اس کا بڑا رنج ہے اور عابد نے کس طرح قبر کی جگہ بتائی تھی، وہ بھی بیان کر دیا۔ شیطان نے اسے جھٹلایا اور کہا کہ عابد نے تم سے تمہاری بہن کے بارے میں سچ نہیں کہا۔ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کر دیا تھا اس کو اس سے بچہ ہوا چنانچہ اس نے تمہارے ڈر سے لڑکی اور بچہ دونوں قتل کر کے جس گھر میں وہ رہتی تھی اس کے دروازہ کے پیچھے گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ وہ گڑھا گھر میں داخل ہونے والے کے دائیں جانب ہے، جاؤ اور جس گھر میں رہتی تھی اس دروازے کے پیچھے دیکھو جیسا میں نے کہا ویسا ہی

ملے گا۔ پھر شیطان درمیانے بھائی کے خواب میں آیا اور اس سے بھی ایسا ہی کہا، پھر سب سے چھوٹے بھائی کے پاس آیا اور اس سے بھی ایسا ہی کہا، جب تینوں بیدار ہوئے تو ان میں سے ہر ایک اپنے خواب کی وجہ سے حیرت وتعجب میں تھا، تینوں ایک دوسرے کے پاس آئے اور کہنے لگے میں نے رات میں عجیب وغریب چیز دیکھی ہے ہر ایک نے ایک دوسرے کو اپنا خواب بتایا۔ بڑے نے کہا: اس خواب کی کوئی حقیقت نہیں ہمیں اپنے اپنے کام سے لگنا چاہیے اور اس کو ذہن سے نکال دینا چاہیے۔ چھوٹے نے کہا: بخدا میں جب تک اس جگہ کو جا کر نہ دیکھ لوں یہاں سے نہیں ہٹ سکتا۔

وہب کہتے ہیں: چنانچہ تینوں بھائی نکلے یہاں تک کہ اس گھر میں آئے جہاں ان کی بہن رہتی تھی، دروازہ کھولا اور خواب میں جو جگہ بتائی گئی تھی اس کو کھودا، چنانچہ گڑھے میں اپنی بہن اور اس کے لڑکے کو اسی طرح پایا جس طرح ان سے کہا گیا تھا۔ انہوں نے عابد سے اپنی بہن کے متعلق پوچھا تو اس نے دونوں کے ساتھ جو کیا تھا اس کے بارے میں ابلیس کے قول کی تصدیق کی۔ چنانچہ انہوں نے عابد کے خلاف بادشاہ کے دربار میں استغاثہ دائر کیا، عابد کو کلیسا سے نیچے لایا گیا اور پھانسی کے لیے پیش کیا گیا، جب اس کو تختہ دار پر چڑھایا گیا تو ابلیس آیا اور کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں عورت کے فتنہ میں مبتلا کیا تھا، تم نے اس عورت کو حاملہ کر کے اس کو اور اس کے لڑکے دونوں کو قتل کر دیا، اگر آج تم میری اطاعت کرو اور اس اللہ کے ساتھ کفر کرو جس نے تمہیں پیدا کیا تو میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہوں، چنانچہ عابد نے ایسا ہی کیا اور کافر ہو گیا، جب وہ کافر ہو گیا تو شیطان نے اس کو سولی دینے والوں کے سپرد کر دیا، چنانچہ اس کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا''۔ (تلبیس ابلیس / ص ۲۹)

اس قصہ کو مفسرین اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّنْكَ﴾ [الحشر: ۱۶]

''ان کی مثال شیطان کی سی ہے کہ پہلے وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب انسان کفر کر بیٹھتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں''۔

۶۔ گمراہ کرنے کا تدریجی طریقہ:

مذکورہ بالا واقعہ سے ہمیں شیطان کا لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک حربہ معلوم ہوا وہ یہ کہ وہ انسان کو ایک ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تاکہ اسے تھکن اور سستی کا احسان نہ ہو، جب وہ اسے ایک معصیت کے کام پر تیار کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے بڑی معصیت کی طرف لے جاتا ہے پھر اس سے بڑی کی طرف، یہاں تک کہ سب سے بڑی معصیت تک پہنچا کر ہلاکت وتباہی کے منہ پر دھکیل دیتا ہے۔ انسانوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب وہ گمراہ اور کج دل ہوتے ہیں تو ان پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ [الصف:۵]

''پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔''

۷۔ نسیان وغفلت:

جس چیز میں انسان کی بہتری اور بھلائی ہوتی ہے شیطان اس سے انسان کو غافل کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے آدمؑ کے ساتھ کیا کہ ان کے دل میں ایسے وسوسے ڈالتا رہا کہ وہ اللہ کے حکم سے غافل ہو گئے اور شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾ [طٰہٰ:۱۱۵]

''ہم نے اس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔''

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم (یوشع بن نون) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾

''آپ نے دیکھا! یہ کیا ہوا؟ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، اس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے) کرنا بھول گیا'' [الکہف:۶۳]

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو اس بات کی تاکید کی تھی کہ آپ یا آپ کا

کوئی ساتھی ایسی مجلسوں میں نہ بیٹھے جن میں اللہ کی آیتوں پر نکتہ چینی کی جا رہی ہو، لیکن کبھی ایسا ہوتا کہ شیطان ان کے ذہن سے اس حکم امتناعی کو بھلا دیتا اور وہ ایسی مجلسوں میں بیٹھ جاتے۔

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

''اور اے نبیؐ! جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس کا احساس ہو جائے، پھر اس کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔'' [الانعام:٦٨]

اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اسے قتل کی سزا نہیں ہوگی اور وہ رہا ہو کر بادشاہ مصر کی خدمت میں لوٹ کر جائے گا، اس سے یہ درخواست کی تھی کہ جب وہ بادشاہ کے پاس جائے تو اس سے ان کا تذکرہ کرے مگر شیطان نے اس شخص کے ذہن سے بادشاہ کے سامنے یوسف علیہ السلام کے تذکرے کی بات بھلا دی تھی چنانچہ یوسف علیہ السلام کو کئی برس جیل میں رہنا پڑا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾ [یوسف:٤٢]

''پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ''اپنے بادشاہ (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے بادشاہ سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور یوسف کو کئی سال قید خانے میں رہنا پڑا۔''

انسان پر پوری طرح حاوی ہو جانے کے بعد شیطان اسے اللہ تعالیٰ سے کلی طور پر غافل کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [المجادلہ:١٩]

''شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے، وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو! شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔''

اس آیت میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے ان سے منافقین مراد ہیں جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کو یاد رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اس کا ذکر کیا جائے کیونکہ اس سے شیطان دور رہتا ہے۔ اور انسان اس کے اس وار سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ [الکہف: ۲۴] ''بھول جاؤ تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو۔''

۸۔ فوج کا خوف:

شیطان کا ایک ہتھکنڈا یہ ہے کہ وہ مومنوں کو اپنی فوج سے خوفزدہ رکھنا چاہتا ہے تا کہ وہ اس کی فوج کے خلاف جہاد نہ کر سکیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشن سے باز آ جائیں اہل ایمان کے حق میں شیطان کی یہ سب سے بڑی شاطرانہ چال ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطان کی اس چال سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

''اب تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ دراصل شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا لہذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا، مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں صاحب ایمان ہو۔'' [آل عمران: ۱۷۵]

اپنے دوستوں سے ڈرانے کا مطلب حضرت قتادہؒ کے بقول یہ ہے کہ ''وہ تمہارے دلوں میں ان کی ہیبت بٹھانا چاہتا ہے۔'' اسی لیے اللہ نے یہ کہا کہ اگر تم مومن ہو تو ان سے نہیں مجھ سے ڈرو، بندہ کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا ہے اس کا دل شیطان کے دوستوں کے خوف سے اتنا ہی خالی ہوتا ہے اگر اس کا ایمان کمزور ہو تو وہ ان سے خوفزدہ رہتا ہے۔

۹۔ نفس پر قبضہ:

نفس کو جو چیز محبوب ہوتی ہے شیطان اسی دروازے سے نفس پر قبضہ کرتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ اپنی کتاب ''اغاثۃ اللہفان'' جلد ا ص ۱۳۲ میں اس موضوع پر لکھتے ہیں کہ''

شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی ملاقات نفس سے ہوتی ہے، شیطان نفس سے معلوم کرتا ہے کہ اسے کون سی چیز محبوب ہے جب اس کو نفس کی کمزوری معلوم ہو جاتی ہے تو وہ انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اس کمزوری سے مدد لیتا ہے اور انسان پر اس دروازہ سے قابض ہو جاتا ہے۔شیطان اپنے انسان دوستوں اور ساتھیوں کو بھی یہ سبق سکھا دیتا ہے کہ اگر انہیں اپنے ساتھیوں سے کوئی فاسد مقصد و مفاد حاصل کرنا ہو تو ان پر اسی دروازہ سے قبضہ کیا جائے جو ان کے نزدیک محبوب ہو کیونکہ اس دروازہ سے جانے والا اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوسکتا جو شخص دوسرے دروازے سے جائے گا اس کے لئے وہ دروازہ بند ہوگا وہ منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔''

شیطان اس دروازے سے حضرت آدم اور حوا کے پاس پہنچا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾

''اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔''[الاعراف:٢٠]

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ: ''اللہ کے دشمن ابلیس نے آدمؑ وحواؑ کو سونگھا اور اسے محسوس ہوا کہ دونوں کو جنت سے انسیت ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور رہنا چاہتے ہیں۔ شیطان سمجھ گیا کہ آدم اور حوا پر تسلط حاصل کرنے کا یہی ایک دروازہ ہے اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے پھر ان سے کہنے لگا:

﴿وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْتَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾

''اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔''[الاعراف:٢٠]

١٠۔ شکوک وشبہات ڈالنا:

بندوں کو گمراہ کرنے کا ایک شیطانی ہتھکنڈا یہ ہے کہ شیطان انسانوں کے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کے عقائد کو متزلزل کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے شیطان کی طرف سے ڈالے جانے والے بعض شبہات سے ہمیں آگاہ بھی کیا ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے:

''تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آ کر کہتا ہے: فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں

چیز کس نے پیدا کی؟ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ یہ پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات یہاں تک پہنچ جائے تو آدمی کو اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے اور وہیں رک جانا چاہیے۔" (بخاری و مسلم)

بعض صحابہ کرامؓ بھی شیطان کی فتنہ سامانی سے نہ بچ سکے اور انہوں نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے شیطانی خیالات کی نبی ﷺ سے شکایت کی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ:

"کچھ صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے عرض کیا: ہمارے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کو زبان پر لانا بھی ہم میں سے کسی کو گوارا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا حقیقت میں تمہارے دلوں میں ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں آپؐ نے فرمایا: یہی خالص ایمان ہے۔"

نبی ﷺ کے قول "یہی خالص ایمان ہے" کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ کو دفع کرنا، اس سے نفرت کرنا اور اس کو برا سمجھنا ہی خالص ایمان کی نشانی ہے۔ صحابہ کرامؓ شیطانی خیالات کا جس شدت سے شکار تھے اس کو ملاحظہ کیجئے:

"نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: میں اپنے آپ سے ایسی باتیں کرتا ہوں جن کو زبان پر لانے سے بہتر ہے کہ جل کر بھسم ہو جاؤں! آپؐ نے فرمایا: شکر اس خدا کا جس نے اس کے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا"۔

شیطان دلوں میں جو شکوک القا کرتا ہے، اس کی تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الحج: ۵۲-۵۴]

"اور اے نبیؐ! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ نہ پیش آیا ہو کہ) جب اس نے تمنا کی، شیطان نے اس کی تمنا میں القا کر دیا، اس

طرح جو کچھ بھی شیطان القا کرتا ہے اللہ اس کو ختم کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اللہ علیم وحکیم ہے (وہ اس لئے ایسا ہونے دیتا ہے) تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنادے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں۔ بے شک ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا وہ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔"

یہاں تمنا کرنے سے مراد اپنے آپ سے بات کرنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی ﷺ اپنے آپ سے بات کرتے تو شیطان از روئے فریب آپ کی بات میں القا کر دیتا اور کہتا: آپ کو اللہ سے حصے سے زیادہ مانگنا چاہیے تاکہ مسلمانوں میں فراغت اور خوشحالی عام ہو یا یہ تمنا کرنی چاہئے کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں ...... چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی تمنا میں شیطان جو وسوسہ ڈالتا اللہ تعالیٰ اس کو ختم کر دیتا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو حق بات سے آگاہ کر کے اپنی مراد ومنشا سے آگاہ فرما دیتا...... بعض لوگوں نے اس آیت کی تفسیر میں جو یہ کہا ہے کہ "اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان قرآن میں ایسی چیزیں شامل کر دیتا ہے جن کا تعلق قرآن سے نہ ہوتا" تو یہ بات بعید وناممکن ہے۔ اس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن کو پہنچانے کے معاملے میں نبی اکرم ﷺ ہر تحریف سے معصوم ومحفوظ ہیں۔

ایک بلند پایہ عالم، انسان کے دل میں پیدا ہونے والے کچھ شیطانی خیالات وشکوک کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ہر صبح کو شیطان چار جگہوں پر میری گھات میں بیٹھ جاتا ہے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں۔ آگے سے آ کر کہتا ہے: فکر مت کرو اللہ بخشنے اور رحم کرنے والا ہے تو میں یہ آیت پڑھتا ہوں: ﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾ [طٰہٰ:۸۲]

"میں اس شخص کو بخشتا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے اور صالح عمل کرے پھر سیدھا چلتا رہے۔"

اور پیچھے سے آ کر اہل وعیال کی بربادی سے ڈراتا ہے تو میں یہ آیت پڑھتا ہوں:

﴿وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ھود:۶]

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔''

دائیں جانب سے عورتوں کو پیش کرتا ہے تو میں یہ آیت تلاوت کرتا ہوں:

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [الاعراف:۱۲۸] ''آخرت کی کامیابی پرہیزگاروں کے لئے ہے''

اور بائیں جانب سے نفسانی خواہشات کو پیش کرتا ہے تو میں یہ آیت پڑھتا ہوں:

﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَايَشْتَهُوْنَ﴾ [سبا:۵۴] ''اس وقت (یعنی روزِ قیامت) جس چیز کی یہ تمنا کر رہے ہوں گے اس سے محروم کر دیئے جائیں گے۔''

(۱۱ تا ۱۴) شراب، جوا، بت پرستی اور فال نکالنا:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدہ:۹۰-۹۱]

''شراب خوری، اور جوئے بازی اور بت پرستی اور تیر (یعنی تیروں سے قسمت پوری کا فال لینا، یہ سب) شیطانی کام ہیں پس تم ان سے بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب خوری اور قمار بازی کی وجہ سے تم میں باہمی عداوت اور بغض ڈالے اور یادِ الٰہی اور نماز سے تم کو غافل کر دے۔ تو کیا (اس دشمن کے فریب سے اطلاع پا کر بھی) تم باز نہ آؤ گے؟''

خمر ہر نشہ آور چیز کو کہتے ہیں، میسر سے مراد جوا بازی ہے، الانصاب کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے خواہ وہ پتھر ہو یا درخت، بت ہو یا قبر یا کچھ اور۔ ازلام بے پر کے تیر ہوتے تھے، جن سے زمانہ جاہلیت میں لوگ قسمت کی باتیں معلوم کرتے تھے۔

یہ تیر کبھی بے پر کے ہوتے تھے اور کبھی پردار اور کبھی فال نکالنے کے لئے کنکریاں استعمال کی جاتی تھیں۔ ایک تیر یا کنکری پر لکھا ہوتا تھا ''میرے رب کا حکم ہے'' اور دوسری پر لکھا ہوتا تھا ''میرے رب کا حکم نہیں'' جب کوئی شخص شادی یا سفر یا دوسرا اہم کام کرنا چاہتا تو تیر یا کنکری کی تھیلی میں ہاتھ ڈالتا اگر اجازت والا تیر یا کنکری نکلتی تو کام کرتا اور دوسری نکلتی

تو نہ کرتا۔شیطان لوگوں کو ان چاروں چیزوں پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں خود تو گمراہی ہیں ہی ،اس کے ساتھ وہ مضر نتائج اور برے اثرات کا سبب بھی بنتی ہیں مثلاً شراب شرابی کی عقل کو کھا جاتی ہے جب اس کی عقل ماؤف ہوجاتی ہے تو وہ تباہ کن اور حرام چیزوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے ۔اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتا ہے اور لوگوں کو پریشان کرتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں عثمان بن عفان سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ''شراب سے بچو کیونکہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے ،پچھلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جو لوگوں سے دور رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہتا،ایک غلط عورت اس پر فریفتہ ہوگئی عورت نے اس کے پاس اپنی لونڈی بھیجی اور گواہی کے بہانہ سے اس کو اپنے گھر بلایا،وہ آدمی لونڈی کے ساتھ آیا ،جب وہ ایک دروازہ میں داخل ہوتا لونڈی دروازہ بند کرلیتی ، یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت عورت کے کمرے میں پہنچا جس کے پاس ایک بچہ اور شراب کا ایک جام رکھا ہوا تھا،عورت نے کہا: میں نے بخدا تم کو گواہی کے لیے نہیں بلایا ہے بلکہ اس کے لئے بلایا ہے کہ تم میرے ساتھ بدکاری کرو یا اس بچے کو قتل کرو یا شراب پیو، بالآخر عورت نے اس کو شراب پلادی ،اس نے کہا: اور پلاؤ پھر اس نے عورت کے ساتھ بدکاری کی اور بچے کو بھی قتل کردیا! شراب اور ایمان کبھی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے یا تو شراب ہوگی یا ایمان''۔اس کو بیہقی نے روایت کیا،ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔''

صحیح مسلم اور سنن کی کتابوں میں مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی نے کچھ صحابہ کی دعوت کی پھر ان کو شراب پلائی ۔یہ شراب کی حرمت سے پہلے کی بات ہے ۔جب ان لوگوں کو نشہ آیا تو وہ آپس میں فخر وتکبر کرنے لگے ،بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی ،سعد بن وقاص ؓ کو اس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک آدمی نے ان کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پھینک ماری جس سے ان کی ناک زخمی ہوگئی اور اس کا نشان زندگی بھر نہیں مٹ سکا۔اسی طرح ایک صحابی حرمت شراب سے پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور یہ آیت اس طرح تلاوت کی :

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ یعنی ﴿لَآ اَعْبُدُ﴾ کی بجائے ﴿اعبد﴾ کہا،(جس

کا معنی یہ ہے کہ جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی میں بھی عبادت کرتا ہوں!) اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ ''جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، (نماز اس وقت پڑھنی چاہیے) جب کہ تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔'' [النساء:۴۳]

ہم نے بوڑھے خرانٹ کو دیکھا ہے جب وہ شراب پیتا ہے تو پاگلوں کی طرح حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ بڑے چھوٹے سب اس پر قہقہے لگاتے ہیں وہ بیچ راستہ میں سو جاتا ہے اور تمام لوگ اس کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں۔

جوا بھی شراب کی طرح خطرناک بیماری ہے۔ اگر یہ انسان کے نفس میں جڑ پکڑ لے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے، پھر اس میں وقت اور دولت کی بربادی بھی ہے، اس سے عداوت و دشمنی جنم لیتی ہے، اور انسان حرام خوری کی راہ پر لگ جاتا ہے۔

شیطان مجسمے اور آستانے تعمیر کرواتا ہے تاکہ بعد میں اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جانے لگے۔ مجسمہ اور آستانہ پرستی قدیم اور جدید ہر زمانے میں عام رہی ہے، شیطان ان مجسموں اور آستانوں کے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں، کبھی آستانہ پرستوں سے بات بھی کرتے ہیں اور ان کو ایسی چیزیں دکھاتے ہیں جن کی وجہ سے ان کا یقین اور بڑھ جاتا ہے پھر وہ ضرورت کے وقت وہیں آتے ہیں، اس کے آگے نذرانے گزارتے ہیں، قربانی دیتے ہیں، وہاں پر رقص و سرود کی محفلیں جمتی ہیں، میلے ٹھیلے لگتے ہیں۔ شیطان نے اس ہتھکنڈے کے ذریعہ بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے دعا کرتے وقت کہا تھا:

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ﴾

''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ اے پروردگار! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔'' [ابراہیم:۳۵۔۳۶]

مسلمانوں میں قبر پرستی کی لعنت ہمیشہ رہی ہے۔ وہ قبروں پر دعا کرنے اور نذر نیاز چڑھانے جاتے ہیں۔ اور آج تو ایک نئی بدعت عام ہو گئی ہے جس سے شیطان بھی انسانوں پر ہنس رہا ہے وہ یہ کہ کسی نامعلوم فوجی یا سپاہی کا مجسمہ نصب کر دیا جاتا ہے اور یہ

تصور کیا جاتا ہے کہ وہ مجاہد سپاہی کا میموریل ہے اس کے سامنے تحفے پیش کئے جاتے ہیں اس کی گردن میں پھول کی مالا پہنائی جاتی ہے، جب کوئی لیڈر ملک کا دورہ کرتا ہے تو وہ بھی اس مجسمہ پر حاضری دے کر اس کے سامنے ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہے یہ سب بت پرستی ہے جو شیطانی کام ہے۔

فال نکالنا: مستقبل کی باتیں اللہ کا سربستہ راز اور اس کا مخفی علم ہے اس لئے نبی ﷺ نے شادی، سفر یا دوسرے کاموں میں ہمارے لئے استخارہ کی نماز مقرر فرمائی تا کہ ہم اللہ سے اپنے لئے اچھی چیز کی درخواست کریں۔ اور اسلامی شریعت نے تیروں کے ذریعہ فال نکالنے کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ تیر یا دوسری چیزیں نہیں جانتیں کہ خیر اور اچھائی کس جگہ ہے لہذا ان چیزوں سے مشورہ لینا عقل کی خرابی اور سراسر جہالت ہے، اسی طرح فال نکالنے کے لئے پرندوں سے مدد لینا بھی غلط ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی سفر کرنا چاہتا تو گھر سے نکلنے کے بعد پرندہ کو اڑاتا تھا اگر وہ داہنی جانب اڑتا تو اس سفر کو مبارک سمجھا جاتا اور بائیں جانب اڑتا تو منحوس سمجھا جاتا، یہ سب گمراہی کی باتیں ہے۔

۱۵۔ جادوگری:

شیطان انسان کو جادوگری کے ذریعہ بھی گمراہ کرتا ہے وہ لوگوں کو جادو سکھاتا ہے جس میں سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں۔ اس کے ذریعہ شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی پیدا کی جاتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرنے کو شیطان اپنی فوج کا اہم کارنامہ سمجھتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ، وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَايُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَاتَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَامَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَاهُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّابِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَايَضُرُّهُمْ وَلَايَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْابِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:۱۰۲]

''حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا، کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو

جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دوفرشتوں،ہاروت وماروت پر نازل کی گئی تھی،حالانکہ وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تو پہلے صاف طور پر متنبہ کردیا کرتے تھے کہ ''دیکھ ہم محض ایک آزمائش ہیں،تو کفر میں مبتلا نہ ہو'' پھر بھی لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہراور بیوی میں جدائی ڈال سکیں،ظاہر تھا کہ اذان الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود ان کے لئے نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ تھی،اور انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں،کتنی بری متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا،کاش انہیں معلوم ہوتا۔''

جادو کی حقیقت:

جادو کی حقیقت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض تخیل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں،جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ﴾[طہ:٦٦] ''یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے حضرت موسیٰؑ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔''

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جادو ایک حقیقت ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت مذکورہ (١٠٢) سے پتہ چلتا ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ جادو کی دو قسمیں ہیں:ایک وہ جو محض تخیل ہے اور جس کا دارومدار شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی پر ہے۔دوسری وہ جو حقیقت میں جادو ہے اس کے ذریعہ شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالی جاتی اور لوگوں کو پریشان کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ پر یہود کی جادوگری: حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ: بنو زریق کے لبید بن اعصم نامی ایک یہودی نے نبی ﷺ پر جادو کردیا۔آپ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کچھ کررہے ہیں حالانکہ آپ کچھ نہیں کررہے ہوتے تھے۔ایک دن کی بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب سے کئی مرتبہ دعا کی پھر فرمایا:اے عائشہ!کیا تم جانتی ہو کہ میں نے اللہ سے جس معاملے میں دعا کی تھی اس نے میری دعا کو قبول کرلیا؟میرے پاس

دو آدمی آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائینتی کی طرف۔ سرہانے والے نے پائینتی والے سے یا پائینتی والے نے سرہانے والے سے کہا: اس شخص کو کون سی بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا اس پر جادو کا اثر ہے۔ اس نے کہا: اس پر جادو کس نے کیا؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم نے۔ اس نے کہا: کس چیز میں؟ دوسرے نے کہا: کنگھی کے بالوں اور کھجور کے کھوکھلے شگوفے میں۔ اس نے کہا: یہ کہاں ہے؟ دوسرے نے کہا: 'ذی اروان' کے کنویں میں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر اس کنویں کے پاس گئے (اور اس کو دیکھا) پھر آپؐ نے فرمایا: اے عائشہ! اس کنویں کا پانی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں مہندی آمیزہ ہو، اس کا کھجور کا درخت ایسے لگتا تھا گویا شیطانوں کے سر ہوں۔ حضرت عائشہ آنحضرتؐ سے کہتی ہیں کہ آپؐ نے اس کو (بال اور کھجور کا شگوفہ جس میں جادو کیا گیا تھا) کیوں نہیں جلا ڈالا؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مجھے تو اللہ نے شفا دے دی۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کردوں، اس لئے اس کو دفن کروا دیا''۔ (بخاری و مسلم)

اس واقعہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نبی ﷺ پہ جادو کے اثر سے آپ کی نبوت و رسالت میں بھی التباس پیدا ہوا کیونکہ جادو کا اثر آپ کے جسم اطہر سے تجاوز کر کے دل و دماغ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ دوسری بیماریوں کی طرح یہ بھی ایک بیماری تھی جو آپ کو لگ گئی تھی شریعت کو اللہ نے اس سے محفوظ رکھا تھا۔ ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴾[الحجر:9]

''ہم نے ذکر (قرآن و شریعت) کو نازل کیا اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔''

۱۶۔ انسان کی کمزوری:

انسان کے اندر کمزوری کے بہت سے پہلو ہیں، جو حقیقت میں بیماریاں ہیں، شیطان ان بیماریوں پر گہری نظر رکھتا ہے بلکہ انسان کے نفس تک پہنچنے کے لئے یہی بیماریاں شیطان کے لئے دروازہ ثابت ہوتی ہیں۔ چند بیماریاں یہ ہیں: کمزوری، ناامیدی، اتراہٹ، خوشی، غرور، فخر، ظلم، زیادتی، ناحق انکار، ناشکری، جلد بازی،

.اوچھاپن ،حماقت ،بخل ،لالچ ،حرص ،لڑائی ،جھگڑا ،شک وشبہ ،جہالت ،غفلت ،دھوکہ بازی ،جھوٹا دعوی ،گھبراہٹ ،بے صبری ،کنجوسی ،تمرد ،سرکشی ،حد شکنی ،زر پرستی اور دنیاداری ......اسلام نفس کی روح اور اس کی بیماریوں سے نجات دلوانا چاہتا ہے، یہ کام زبردست جدوجہد کا طالب ہے ۔اس میں راستے کی دشواریوں کو انگیز کرنے کی ضرورت ہے۔ خواہشات کی اتباع اور نفس امارہ کی پیروی بہت آسان کام ہے۔ پہلے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک چٹان کو پہاڑ پر لے جارہا ہو اور دوسرے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چٹان کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے کی طرف دھکیلے ۔یہی وجہ ہے کہ شیطان کی بات ماننے والوں کی ہمیشہ اکثریت رہی اور مبلغین حق کو دعوت وتبلیغ کے میدان میں بہت دشواریاں اٹھانی پڑیں ۔ذیل میں سلف کے کچھ اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ شیطان کس طرح انسان کے کمزور پہلوؤں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

ا۔معتمر بن سلیمان اپنے والد سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا: ”مجھے بتایا گیا کہ وسوسہ ڈالنے والا شیطان خوشی اور غم کے وقت انسان کے دل میں تیزی کے ساتھ ابھرتا ہے، اگر انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر ۷/۴۲۳)

۲۔وہب بن منبہ کہتے ہیں: ”ایک راہب کو شیطان نظر آیا تو اس نے اس سے پوچھا انسان کی کس عادت سے تمہیں سب سے زیادہ مدد ملتی ہے؟ شیطان نے کہا: جوش سے، انسان جب جوش میں ہو تو ہم اسے اسی طرح گھماتے ہیں جس طرح کھلاڑی گیند کو۔ (تلبیس ابلیس ص ۴۲)

۳۔علامہ ابن جوزیؒ نے ابن عمرؓ سے یہ بھی نقل کیا کہ: حضرت نوحؑ نے شیطان سے پوچھا کہ وہ کن خصلتوں کی وجہ سے انسان کو تباہ کرتا ہے۔شیطان نے کہا ”حسد اور لالچ سے“۔دور جانے کی ضرورت نہیں حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کو دیکھئے، شیطان نے ان کے ساتھ کیا کیا اور تمام بھائیوں کے دلوں میں اپنے بھائی کے خلاف حسد کی آگ کیسے بھڑکائی! حضرت یوسفؑ نے کہا تھا: ﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ﴾ [یوسف:۱۰۰]

”اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھ سے ملایا۔حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔“

۱۷۔عورت اور دنیا سے محبت :

نبی اکرم ﷺ ہمیں بتا چکے ہیں کہ آپ کے بعد آدمیوں کے لئے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔اس لئے عورت کو چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا پورے جسم کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور آدمیوں کو نظر نیچے رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے تنہائی میں عورت کے ساتھ ملنے سے منع کیا اور بتایا کہ جب بھی کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملے گا دونوں کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا۔سنن نسائی میں ہے کہ:

''عورت چھپائی جانے والی چیز ہے اگر وہ گھر سے باہر نکلے تو شیطان اس کو اٹھ اٹھ کر دیکھتا ہے۔''

نبی ﷺ کے کہنے کے مطابق آج ہم اپنی آنکھوں سے عورتوں کی اکثریت کو نیم برہنہ سڑکوں پر چلتے ہوئے دیکھ رہے ہیں ۔مشرق ومغرب میں ایسے ادارے قائم ہیں جہاں ننگی تصویروں ،فحش ناولوں ،اور بدکاری کو پیش کر کے لوگوں کو اس کی دعوت دینے والی بلیوفلموں کے ذریعے بے حیائی او رآوارگی کو فروغ دینے کے لئے عورتوں اور مردوں کی ایک زبردست فوج کو استعمال کیا جارہا ہے۔

دنیا پرستی ہر برائی کی جڑ ہے ،خونریزی ،عصمت دری ،دوسروں کی دولت پر ڈاکہ ڈالنا،تعلقات کو ختم کرنا یہ سب نتیجہ ہے دنیا کو حاصل کرنے اور چند روزہ عزت وشہرت کی لالچ کا۔

۱۸۔گیت وسنگیت اور موسیقی :

گیت اور سنگیت یہ دو ایسے ہتھکنڈے ہیں جن کے ذریعے شیطان دلوں میں بگاڑ پیدا کرتا اور نفس کو تباہ کر دیتا ہے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''دشمنِ خدا (شیطان) کا ایک حربہ جس کے ذریعہ اس نے کم علموں اور نادانوں کو فریب دیا، جاہلوں اور باطل پرستوں کے دلوں کا شکار کیا، سیٹی بجانا،تالی پیٹنا اور حرام گانا بجانا ہے۔ اس کے ذریعہ شیطان دلوں کو قرآن سے پھیر کر فسق وفجور کی طرف مائل

کردیتا ہے، یہ شیطان کا قرآن ہے، رحمٰن سے روکنے کے لئے دبیز پردہ ہے، لواطت اور زنا کاری کا منتر ہے، اس سے شیطان نے باطل پرور لوگوں کو دھوکہ دیا، ان کی نگاہوں میں اس کو خوشنما بنا کر پیش کیا، اور اس کے حسن و جمال کو ثابت کرنے کے لئے ان کے دلوں میں شکوک وشبہات کی وحی کی۔ انہوں نے شیطان کی وحی کو سرآنکھوں پر رکھا اور قرآن کی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا......!" (اغاثۃ اللھفان: جلد۱ر صفحہ۲۴۲)

تعجب خیز بات یہ ہے کہ کچھ عبادت کے دعوے دار گانے بجانے اور ناچنے تھرکنے کو عبادت کا طریقہ کہتے ہیں، یہ لوگ رحمانی سماع کو چھوڑ کر شیطانی سماع کے پاس جاتے ہیں۔ ابن قیم ؒ نے اپنی اسی کتاب (اغاثۃ، ج ۱ر ص ۲۵۶) میں اس سماع کو کئی نام سے یاد کیا ہے مثلاً لہو، لغو، باطل، جھوٹ، سیٹی، تالی، زنا کاری کا منتر، شیطان کا قرآن، دل میں نفاق کی جڑ، احمق آواز، بیہودہ آواز، شیطان کی آواز، شیطان کا باجا وغیرہ وغیرہ۔ علامہ نے گانے بجانے کی حرمت کو درازنفسی سے بیان کیا ہے اگر آپ کو تفصیل مطلوب ہو تو ان کی کتاب کی طرف رجوع کیجئے۔

۱۹۔ شریعت کی پابندی میں سستی:

مسلمان اپنے اسلام پر پابندی سے کاربند رہے تو شیطان اس کو گمراہ نہیں کرسکتا اور نہ اس کے ساتھ کھلواڑ کرسکتا ہے لیکن شریعت کے کسی معاملے میں ذرا سستی سے کام لیا تو شیطان کو موقع مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

"اے ایمان والو! سب اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور (بعض کو کرنے اور بعض کو چھوڑنے میں) شیطان کے پیچھے مت چلو (اس لئے کہ) وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔"

اسلام کے سب احکام کی فرمانبرداری سے ہی شیطان سے نجات مل سکتی ہے۔ مثلاً نمازیوں کی صفیں ایک دوسرے سے پیوست ہوں تو شیطان نمازیوں کے بیچ میں نہیں گھس سکتا لیکن اگر صفوں میں کشادگی ہو تو وہ نمازیوں کی صفوں کے بیچ میں در آتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ:

''صفوں کو درست کرو، شیاطین ''حذف'' کی اولاد کی طرح تمہارے بیچ میں نہ گھس آئیں ،لوگوں نے کہا: حذف کی اولاد کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یمن کی بغیر کان اور دم والی چھوٹی بھیڑیں۔'' [صحیح الجامع (۱/۳۸۴) اس کو احمد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا]

دوسری حدیث میں ہے: ''صفیں سیدھی کرو، ایک دوسرے سے مل کر کھڑے رہو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہاری صفوں میں شیاطین کو خاکستری بکریوں کی طرح (گھسے ہوئے) دیکھتا ہوں۔'' (صحیح الجامع ۱/۳۸۴)

شیطان کا انسان کے نفس تک پہنچنے کا راستہ:

وسوسہ: شیطان انسان کے دل ودماغ تک ایسے ڈھنگ سے پہنچتا ہے کہ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے، اس کو اس کام میں ہماری افتادِ طبع سے بھی مدد ملتی ہے، اسی کو ہم وسوسہ کہتے ہیں، یہ بات ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے اور اسی لئے شیطان کو ''وسواس'' کہا ہے:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ [الناس: ۴-۵]

''(میں پناہ مانگتا ہوں) چھپ چھپ کر وسوسے ڈلنے والے کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔''

حافظ ابن کثیرؒ ''الواس الخناس'' کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: ''شیطان ابن آدم کے دل پر سوار ہے اگر وہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور اللہ کو یاد کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔'' صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔''

اسی وسوسہ سے اس نے حضرت آدم کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کا پھل کھلایا تھا، ارشاد باری ہے:

﴿فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی﴾

''پھر بھی (باجود اس تنبیہ واعلان کے) شیطان نے اس کو وسوسہ ڈالا، اور کہا: اے آدم میں تجھ کو دائمی زندگی کا درخت اور بادشاہت بتلاؤں، جو کبھی پرانی نہ ہو'' [طٰہٰ: ۱۲۰]

شیاطین کبھی انسانوں کا بہروپ بھرتے ہیں، کبھی انسان سے بات کرتے ہیں اور اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام بھی لیتے ہیں۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ!

باب نہم (۹)

شیطان سے مقابلہ کرنے کے لئے مومن کا ہتھیار

ا۔احتیاط:

یہ مکار اور خبیث دشمن بنی آدم کی گمراہی کا بہت خواہاں ہے۔ہم اس کے گمراہ کرنے کے مقاصد اور ذرائع سے واقف ہو چکے ہیں۔اس دشمن کے اغراض ومقاصد،وسائل وذرائع اور گمراہ کرنے کے طریقوں سے جتنی واقفیت ہوگی ہم اتنا ہی اس سے محفوظ رہ سکیں گے۔اگر انسان ان تمام باتوں سے غافل رہے گا تو اس کا دشمن اسے قید کر کے جس راستہ پر چاہے گا،لے جائے گا۔

۲۔قرآن وحدیث کی پابندی:

شیطان سے محفوظ رہنے کا سب سے بڑا راستہ یہ ہے کہ علمی اور عملی طور پر قرآن وحدیث کی پابندی کی جائے،قرآن وحدیث میں سیدھا راستہ دکھایا گیا ہے اور شیطان کی کوشش یہ ہے کہ وہ ہمیں اس راستہ سے دور کردے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[الانعام:۱۵۳]

"نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو مبادا کہ وہ اس کے راستہ سے ہٹا کر تمہیں منتشر کردیں،یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو۔"

نبی ﷺ نے اس آیت کی وضاحت وتشریح اس طرح کی کہ اپنے ہاتھ سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا:یہ اللہ کا سیدھا راستہ ہے پھر دائیں اور بائیں دو لکیریں کھینچیں اور فرمایا:

✿ [یہ فصل "عالم الجن والشیاطین" (ص ۱۴۳ تا ۱۶۶) سے ماخوذ ہے۔]

یہ (گمراہی) کے راستے ہیں ان میں سے ہر ایک راستہ پر ایک شیطان بیٹھا ہوا لوگوں کو اس راستہ کی طرف بلا رہا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ (احمد، حاکم۔ نسائی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ عقائد، اعمال، اقوال، عبادات اور تشریعات کی پیروی کرنے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے گریز کرنے سے بندہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

''سلم'' سے مراد اسلام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ کی اطاعت ہے۔ مقاتلؒ نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اس سے مراد تمام اعمال اور نیکی کی تمام شکلوں کو بجالانا ہے۔ لہذا آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ نے لوگوں کو اسلام کے جملہ احکام اور ایمان کے تمام شعبوں پر حتی الامکان عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے منع کیا ہے۔ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ شیطان اور اس کے نقوش قدم سے دور ہو جاتا ہے اور جو اسلام کے کسی حکم کو چھوڑتا ہے وہ شیطان کے کسی حکم کا ماننے والا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا یا حرام اور گندی چیزیں کھانا یہ سب شیطان کے نقش قدم کی پیروی میں شامل ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [البقرۃ:۱۶۸]

''لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

قول و عمل میں قرآن و حدیث کی پابندی کرنے سے شیطان دور بھاگتا ہے اور اسے بہت غصہ آتا ہے۔ صحیح مسلم، مسند احمد، اور سنن ابن ماجہ میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جب آدمی سجدہ کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کرتا ہے تو شیطان وہاں سے ہٹ کر رونے لگتا ہے، کہتا ہے وائے ناکامی! ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا، اس کے لئے جنت ہے، اور مجھے سجدے کا حکم ملا تو میں نے نافرمانی کی۔ میرے لئے جہنم ہے۔''

۳۔ اللہ کے حضور میں پناہ مانگنا:

شیطان اور اس کی فوج سے بچنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اللہ کی جناب میں رجوع کیا جائے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگی جائے اس لئے کہ وہ اس پر قادر ہے۔ اگر اللہ اپنے بندے کو پناہ دے دے تو شیطان بندے تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ [الاعراف:۱۹۹۔۲۰۰]

''اے نبیؐ! نرمی ودرگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو، اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ جاننے والا اور سننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کے حاضر ہونے سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنِ﴾

''اور دعا کرو کہ ''پروردگار میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں بلکہ اے میرے رب! میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔'' [المومن:۹۷۔۹۸]

''هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ'' سے مراد شیطانی خیالات ووساوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شیطان دشمن سے اپنی پناہ مانگنے کا حکم دیتا ہے اس لئے کہ شیطان احسان ورشوت قبول نہیں کرتا۔ اس کی خواہش صرف یہ ہے کہ ابن آدم ہلاک وبرباد ہو جائے کیونکہ اس کو آدم اور ابن آدم سے سخت بیر ہے۔ نبی ﷺ مختلف طریقوں سے شیطان سے اللہ کی بکثرت پناہ مانگتے تھے چنانچہ نماز میں افتتاحیہ دعا کے بعد فرماتے:

((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ))

''میں اللہ کی جو سننے اور جاننے والا ہے، پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسہ سے، اس کی پھونک سے اور اس کے جادو سے۔'' (بروایت سنن اربعہ)

''همز'' کی تفسیر گلا گھونٹنے سے ''نفخ'' کی تکبر سے اور ''نفث'' کی شعر سے بھی کی گئی ہے۔

پاخانہ میں داخل ہوتے وقت پناہ مانگنا: آپؐ جب پاخانہ میں داخل ہوتے تو نراورمادہ ہر قسم کے شیطان سے پناہ مانگتے جیسا کہ صحیحین میں انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جب نبیؐ پاخانہ میں داخل ہوتے تو فرماتے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))

''اے اللہ! ناپاک شیطانوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں بسند صحیح زید بن ارقم سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ پاخانے خطرے کے آماجگاہ ہیں اس لئے تم میں سے کوئی شخص پاخانہ میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے: اَعُوذُبِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ، ''ناپاک شیطانوں سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

غصہ کے وقت پناہ مانگنا: نبی ﷺ کے پاس دو آدمیوں میں آپس میں گالی گلوچ ہوگئی، ان میں سے ایک شخص کو اتنا غصہ آیا کہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک پھٹ جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسا جملہ معلوم ہے کہ اگر وہ اسے پڑھے تو اس کا غصہ ختم ہوجائے، صحابہ نے کہا: وہ کون سا جملہ ہے اے اللہ کے رسولؐ؟ آپ نے فرمایا: اسے یہ پڑھنا چاہیے: ((اللهم انی اعوذ بک من الشیطن الرجیم))

''اے اللہ! میں سرکش شیطان سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (بخاری ومسلم)

نبی ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو یہ دعا سکھائی:

((اللهم فاطر السموت والارض عالم الغیب والشهادة لااله الا انت، رب کل شی، وملیکه اعوذبک من شرنفسی ومن شر الشیطن وشرکه وان اقترف علی نفسی سوء)) (اس کو ترمذی نے بسند صحیح روایت کیا۔ بحوالہ صحیح الجامع ۶/۵۶)

''اے اللہ! آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے، غائب وحاضر کے جاننے والے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے ہر چیز کے مالک وپالنہار! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی شرارت وشرک سے اور اس بات سے کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کروں۔''

جماع کے وقت پناہ مانگنا: نبی ﷺ نے ہمیں اس وقت بھی استعاذہ کی تاکید فرمائی جب آدمی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے، آپ نے یہ دعا سکھائی:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا)) (بخاری ومسلم)

''اللہ کے نام سے، اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور شیطان کو ہماری اولاد سے دور رکھ۔''

گدھے کے چیخنے کے وقت پناہ مانگنا: نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''جب گدھا چیخے تو تم سرکش شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔'' (صحیح الجامع ۱/۲۸۶)

بال بچوں کی حفاظت کی دعا کرنا: رسول اللہ ﷺ حسنؓ اور حسینؓ کی حفاظت کی دعا کرتے اور فرماتے:

((اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ))

''میں تم دونوں کو اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان سے اور موذی جانور سے اور نظر بد سے۔'' پھر فرماتے: ''میرے باپ ابراہیمؑ، اسماعیل اور اسحاق کی حفاظت کے لئے اسی طرح دعا کرتے تھے۔'' (بخاری ومسلم)

پناہ مانگنے کی بہترین دعا: سب سے بہتر دعا جس کے ذریعہ پناہ مانگی جائے سورۂ ''فلق'' اور سورۂ ''ناس'' ہے، جیسا کہ عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''لوگ ان دونوں سورتوں سے بہتر کسی بھی سورۃ کے ذریعہ پناہ نہیں طلب کر سکتے یعنی ''قل اعوذ برب الفلق او ر قل اعوذ برب الناس'' (نسائی)

عظیم نکتہ: سلف میں سے کسی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا: اگر شیطان تمہارے سامنے برائیوں کو مزین کر کے پیش کرے تو تم اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ اس سے لڑوں گا۔ انہوں نے کہا: اگر وہ دوبارہ ایسا کرے؟ اس نے کہا پھر لڑوں گا۔ انہوں نے کہا۔ اس کا سلسلہ تو دراز سے دراز تر ہوتا جائے گا۔ بتاؤ اگر تم بکریوں کے کسی گلہ کے پاس سے گزرو اور اس گلہ کا محافظ کتا بھونکنے لگے یا تمہیں آگے بڑھنے سے روکے تو تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا: حسب طاقت اس کا مقابلہ کر کے اس کو دفع کروں گا۔ انہوں نے کہا اس میں بات لمبی ہو جائے گی اس کی بجائے بکریوں کے مالک سے امداد حاصل کرو، وہ تم سے کتے کو روک دے گا۔'' (اسی طرح شیطان سے بچنے کے لئے اس کے مالک وخالق سے پناہ مانگنی چاہیے)۔ (تلبیس ابلیس ص ۴۸)

یہ اس بزرگ عالم کا عظیم تفقہ ہے۔اللہ کی حفاظت و پناہ ہی وہ موثر ہتھیار ہے جو شیطان کو دور رکھ سکتا ہے۔حضرت مریمؑ کی والدہ نے بھی یہی کیا تھا،انہوں نے کہا تھا:

﴿وَاِنِّیْ اُعِیْذُھَابِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾[آل عمران:۳۶]

''اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

ایک شبہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں پھر بھی محسوس ہوتا ہے کہ شیطان ہمارے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے،ہمیں برائی پر آمادہ کرتا ہے اور نماز میں ہمارے دل و دماغ کو الجھا دیتا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ استعاذہ کی مثال ایسے ہے جیسے لڑنے والے کے ہاتھ میں تلوار۔اگر لڑنے والے کا ہاتھ مضبوط ہے تو وہ اپنے دشمن کو قتل کرسکتا ہے ورنہ تلوار خواہ کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو اس کا دشمن پر کوئی اثر نہ ہوگا۔یہی حال استعاذے کا ہے اگر متقی و پرہیزگار شخص استعاذہ کرتا ہے تو وہ شیطان کے لئے آگ ثابت ہوگا جس میں شیطان بھسم ہوکر رہ جائے گا اور اگر کمزور ایمان والا استعاذہ کرتا ہے تو اس کا دشمن پر پائیدار اور خاطر خواہ اثر نہ ہوگا۔لہٰذا جو مسلمان شیطان اور اس کے پھندے سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اسے اپنا ایمان مضبوط بنانا چاہیے۔اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہئے وہی صاحب قوت وسطوت ہے۔

۴۔ذکر الٰہی میں مشغولیت:

ذکر الٰہی سب سے بڑا ہتھیار ہے جو بندے کو شیطان سے نجات دلا سکتا ہے۔اللہ کے نبی حضرت یحیٰؑ نے بنی اسرائیل کو پانچ چیزوں کی تاکید فرمائی تھی ان میں ایک یہ بھی تھی:

''میں تمہیں ذکر الٰہی کی تاکید کرتا ہوں،اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے تعاقب میں دشمن لگے ہوں،وہ ایک مضبوط قلعہ میں آتا ہے اور اپنے آپ کو دشمنوں سے محفوظ کرلیتا ہے۔یہی حال بندے کا ہے وہ اپنے آپ کو ذکر الٰہی کے مضبوط قلعے کے ذریعہ ہی شیطان سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔''

علامہ ابن قیمؒ ''الوابل الصیب''میں (ص ۶۰ پر) رقمطراز ہیں:

''اگر ذکر الٰہی کی صرف یہی ایک خصوصیت ہوتی تب بھی بندے کے لئے مناسب تھا کہ

اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کبھی نہ تھکتی۔ وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتا، اس لئے کہ وہ ذکر ہی کے ذریعہ اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ دشمن اس پر غفلت ہی کی حالت میں حملہ کرتا ہے، اس پر دشمن کی نگاہیں جمی ہوئی ہیں، جب وہ غافل ہوتا ہے دشمن حملہ کر کے اس کا شکار کرتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو دشمن پیچھے ہٹ جاتا اور ایسا سکڑ جاتا ہے جیسے مولا یا مکھی۔ اسی لئے اس کو ''الوسواس الخناس'' کہتے ہیں یعنی وہ دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے''۔

۵۔ مسلمانوں کی جماعت سے وابستگی:

مسلمان کے لئے شیطان کے پھندے سے بچنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ دیارِ اسلام میں سکونت اختیار کرے اور اپنے لیے ایسی صالح جماعت کو منتخب کرے جو حق کے معاملہ میں تعاون کرنے والی، حق بات کی ترغیب دینے والی، برائیوں سے روکنے والی، اور بھلائیوں کی دعوت دینے والی ہو۔ اتحاد واتفاق میں غیر معمولی طاقت ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''تم میں سے جو شخص جنت کی راحت ووسعت کا خواہشمند ہے اسے جماعت سے وابستہ رہنا چاہئے، شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے۔'' (ترمذی: حسن صحیح)

جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اسلام میں اس وقت تک جماعت کی کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ وہ حق یعنی کتاب وسنت کی پابند نہ ہو۔ حدیث میں ہے:

''جس دیہات یا بستی میں تین افراد ہوں اور وہاں نماز نہ پڑھی جاتی ہو ان پر شیطان مسلط ہوجاتا ہے، تم لوگ جماعت سے وابستہ رہو، ریوڑ سے علیحدہ بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔'' (ابوداؤد، نسائی وغیرہ، اس کی سند حسن ہے)

سنن ابوداؤد میں معاویہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ وہ کھڑے ہوئے اور کہا: سنو! ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''سنو! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے! یہ ملت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے، صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ 'جماعت' ہے۔'' (جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے یعنی قرآن وسنت پر چلیں گے)

۶۔شیطانی منصوبوں اور نام نہاد عاملوں کی نقاب کشائی:

مسلمانوں کو تمام شیطانی راستوں اور گمراہ کن وسائل وذرائع سے باخبر رہنا چاہیے اور ان کو لوگوں کے سامنے بے نقاب کرنا چاہیے۔قرآن مجید اور نبی ﷺ نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے چنانچہ شیطان نے آدمؑ کو جس ہتھکنڈے کے ذریعے گمراہ کیا تھا،قرآن نے ہمیں اس سے آگاہ کر دیا اور نبی ﷺ بھی صحابہ کرام کو بتایا کرتے تھے کہ شیطان کس طرح چوری چھپے آسمان پر جا کر اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتا ہے اور پھر اس سنی ہوئی بات کو کاہن یا جادوگر کے کان میں سو جھوٹ ملا کر ڈال دیتا ہے۔آپ صحابہ کو یہ اس لئے بتاتے تھے کہ وہ ایسے لوگوں سے دھوکہ نہ کھائیں۔آپ نے صحابہ کو یہ بھی بتایا کہ شیطان کس طرح ان کے دل میں وسوسہ اندازی کرتا اور نماز وعبادات میں دل ودماغ کو الجھاتا اور کس طرح یہ وہم دلاتا ہے کہ ان کا وضو فاسد ہو چکا ہے۔حالانکہ وضو فاسد نہیں ہوتا ہے اور کس طرح میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتا ہے اور کس طرح آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی،فلاں چیز کس نے پیدا کی حتی کہ یہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟

۷۔شیطان کی مخالفت:

پہلے گزر چکا ہے کہ شیطان انسان کا ہمدرد اور خیر خواہ بن کر آتا ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ اس کی ہر بات کی مخالفت کرے اور اس سے کہے کہ اگر تم کسی کے ہمدرد ہوتے تو پہلے اپنے آپ کے ساتھ ہمدردی کرتے۔تم خود کو جہنم میں جھونک کر رب العالمین کے غضب کے مستحق ہو چکے۔لہٰذا جو اپنا خیر خواہ نہیں ہو سکتا وہ دوسروں کا کیا خیر خواہ ہوگا۔حارث بن قیس کہتے ہیں: ''اگر نماز کے وقت تمہارے پاس شیطان آئے اور کہے کہ تم ریاکاری کر رہے ہو تو تم نماز اور لمبی کر دو۔'' (تلبیس ابلیس ص ۳۸)

یہ حارث بن قیسؓ کا اپنا ذاتی تفقہ ہے۔معلوم ہوا کہ شیطان کو جو بھی چیز پسند ہو ہمیں اس کی مخالفت کرنی چاہئے۔مثلاً شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا ہے، بائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے اس لئے ہمیں اس کی مخالفت کرنی چاہئے۔جیسا کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

’’تم میں سے کوئی شخص کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے، پئے تو داہنے ہاتھ سے پئے۔ پکڑے تو داہنے ہاتھ سے پکڑے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے بائیں سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا ہے۔‘‘(ابن ماجہ بحوالہ صحیح الجامع ۸۱/۵)

اگر ہم کھڑے ہو کر پئیں تو شیطان بھی ہمارے ساتھ پینے میں شریک رہتا ہے اس لئے نبی نے ہمیں بیٹھ کر پینے کی تاکید فرمائی ہے۔اسی طرح آنحضرت نے ہمیں قیلولہ (دوپہر کو آرام) کرنے کی بھی ترغیب دی ہے،اس کی علت یہ بتائی کہ

﴿قیلوا فان الشیاطین لاتقیل﴾ ’’قیلولہ کرو کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتے ہیں۔‘‘

(اس کو ابونعیم نے کتاب الطب میں بسند حسن روایت کیا۔بحوالہ صحیح الجامع ۱۴۷/۴)

قرآن نے ہمیں فضول خرچی سے منع کیا اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے۔یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ شیطان مال کو برباد کروانا اور اس کو غیر مصرف میں خرچ کروانا چاہتا ہے۔غیر ضروری سامان اور فرنیچر وغیرہ کی بھرمار بھی فضول خرچی میں شامل ہے۔آنحضرت فرماتے ہیں:

’’ایک بستر آدمی کے لئے ،ایک اس کی بیوی کے لئے ،ایک مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہے۔‘‘(ابوداؤد، نسائی، احمد: بسند صحیح / بحوالہ صحیح الجامع ۸/۴)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ’’شیطان تمہارے ہر کام میں موجود رہتا ہے حتی کہ کھانے کے وقت بھی اگر لقمہ گر جائے تو اس پر لگی گندگی کو صاف کر کے اس کو کھا لینا چاہیے اور شیطان کے لیے نہیں چھوڑنا چاہئے۔کھانے سے فراغت کے بعد انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں، پتہ نہیں کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو۔‘‘(مسلم / بحوالہ صحیح الجامع ۷۵/۲)

جلد بازی شیطانی کام ہے:

شیطان کی ایک پسندیدہ چیز جلد بازی ہے اس لئے کہ اس سے انسان بہت سی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔حدیث نبوی ہے:

’’غور و فکر رحمانی صفت اور جلد بازی شیطانی صفت ہے‘‘(صحیح الجامع ۵۷/۳)

لہذا ہمیں اس معاملہ میں شیطان کی مخالفت کرنی چاہیے اور وہی کرنا چاہئے جو رحمان کو پسند ہے۔اسی لئے نبی نے اپنے کسی صحابی سے فرمایا تھا:’’تم میں دو صفتیں ایسی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کو پسند ہیں۔ایک بردباری اور دوسری غور و فکر۔‘‘

جمائی لینا:

شیطان کو انسان کی ایک عادت جمائی لینا بھی پسند ہے۔اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حتی الامکان اسے روکنے کا حکم دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''جمائی لینا شیطانی فعل ہے ،اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے حتی الامکان روکنا چاہئے ،کیونکہ جب کوئی کہتا ہے''ہا''تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔''(بخاری ومسلم)

یہ اس لئے کہ جمائی سستی کی علامت ہے اور شیطان کے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ انسان سست وکاہل پڑ جائے کیونکہ اس سے اس کی اس کارکردگی اور جدوجہد میں کمی ہوگی جو اس کو اللہ کے نزدیک بلند کرسکتی ہے۔

۸۔توبہ اور استغفار:

شیطان کے فریب کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب شیطان اسے گمراہ کرے تو وہ فوراً اللہ کے کے دربار میں توبہ واستغفار کرلے۔اللہ کے نیک بندوں کا یہی وطیرہ رہا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾

''حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے۔''[الاعراف:۲۰۱]

''طائف'' کی تفسیر گناہ کا ارادہ کرنے یا گناہ کرنے سے کی گئی ہے۔نیز اللہ کا یہ قول ''وہ یاد کرتے ہیں'' یعنی وہ اللہ کے عقاب وثواب اور وعدہ وعید کو یاد کرتے اور اس کی جناب میں فوراً توبہ واستغفار،انابت ورجوع کرتے ہیں۔ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ یعنی وہ دیکھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ توبہ کے بعد اچانک محسوس کرتے ہیں کہ وہ گمراہی کی جس کیفیت میں تھے اس سے اب بالکل شفایاب ہوچکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیطان ،انسان کے دل ونگاہ پر شکوک وشبہات کے ایسے دبیز پردے ڈال دیتا ہے کہ وہ یکسر اندھا ہوجاتا ہے،اسے حق وصداقت کی راہ نظر نہیں آتی۔

یہ تو اللہ کے بندوں کا حال ہے کہ وہ فوراللہ کے حضور توبہ وانابت کرتے ہیں۔اس معاملہ میں ان کے سامنے بابا آدم کا اسوہ ہوتا ہے کہ جب انہوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا تو وہ اوران کی بیوی دونوں اللہ کے دربار میں متوجہ ہوکر کہنے لگے:

﴿ربناظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین﴾

''اے رب! ہم نے اپنے آپ پرظلم کیا اگرتو ہمیں معاف کرکے ہم پررحم نہ کرے تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔''[الاعراف:۲۳]

لیکن شیطان کے گرگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ﴾[الاعراف:۲۰۲]

''اور ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو انہیں ان کی کج روی میں کھینچے لئے چلے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھتے۔''

یہاں ''بھائیوں'' سے مراد انسانوں میں سے شیطان کے بھائی ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ﴾[الاسراء:۲۷]

''فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔'' یعنی یہ شیطان کے پیروکار اوران کے حکم کے تابعدار ہیں۔

يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ (کج روی میں کھینچے لئے چلے جانے) کا مطلب یہ ہے کہ پوری تندہی سے گناہوں کے کاموں کو حسین شکل میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا:﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾[مریم:۸۳]

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے منکرین حق پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں خوب خوب (مخالفتِ حق پر) اکساتے رہتے ہیں۔''

۹۔شک وشبہ کا ازالہ جس سے شیطان دلوں میں پہنچ سکتا ہے:

مشکوک جگہوں سے پرہیز کرنا چاہئے اگر ایسا ہو بھی جائے تو لوگوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کردینا چاہئے تاکہ شیطان کو مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کا موقع نہ مل سکے۔اس معاملہ میں آپ کے لئے نبی اکرم ﷺ کا نمونہ موجود ہے۔صحیح بخاری

ومسلم میں نبی کی زوجہ حضرت صفیہ بت حیی سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ:

"نبی اکرم ﷺ اعتکاف میں تھے، میں رات کے وقت آپ سے ملاقات کے لئے آئی، کچھ گفتگو ہوئی، پھر میں واپس ہونے کے لئے کھڑی ہوئی تو آپ بھی مجھے گھر تک چھوڑنے کے لئے کھڑے ہوئے (حضرت صفیہ کا مسکن اسامہ بن زید کے گھر میں تھا) وہاں سے دو انصاریوں کا گزر ہوا جب انہوں نے نبی کو دیکھا تو رفتار تیز کردی۔ نبی نے فرمایا: آہستہ آؤ یہ (کوئی غیر عورت نہیں، میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہے۔ دونوں انصاریوں نے کہا: سبحان اللہ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: شیطان انسان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح دوڑتا ہے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی غلط خیال نہ ڈال دے۔"

امام خطابیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو ہر ایسی مکروہ چیز سے پرہیز کرنا چاہئے جس پر لوگوں کی نگاہ غلط انداز میں پڑ سکتی ہو۔ اور مشکوک چیز سے بیزاری کا اعلان کر کے لوگوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔"

اس سلسلے میں امام شافعیؒ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ: "نبی اکرم ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا دونوں کے دل میں آپ کے تئیں کوئی غلط فہمی ہو جائے اور وہ کافر ہو جائیں۔ آپ نے یہ بات ان پر ترس کھا کر کہی تھی نہ کہ اپنے آپ پر" (تلبیس ابلیس ص ۴۶)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جب چیزوں کی تاکید کی ان میں دوسروں کے ساتھ خوش گفتاری بھی ہے تا کہ شیطان ہمارے اور ہمارے اپنے بھائیوں کے بیچ میں گھس کر عداوت ودشمنی نہ ڈال سکے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ﴾ [الاسراء: ۵۳]

"اور اے نبیؐ! میرے بندوں (یعنی مومن بندوں) سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہتر ہو، دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔"

اس بارے میں کچھ لوگ تساہل برتتے ہیں چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ ایسی بات کرتے ہیں جس میں کئی احتمالات ہوں۔ جن میں کچھ احتمال غلط بھی ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے بھائی کو ایسے الفاظ والقاب سے پکارتا ہے جو اس کو ناپسند ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز شیطان کے لئے دروازہ بن جاتی ہے شیطان ان کے درمیان پھوٹ ڈالتا ہے اور اتحاد و محبت کی جگہ بغض و عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔

باب دہم (۱۰)

روحوں کی حاضری کی حقیقت

شیطان کا بہروپ:

کبھی شیاطین انسان کے پاس آتے ہیں تو وسوسہ اندازی کے ڈھنگ میں نہیں بلکہ کسی انسان کی شکل میں نظر آتے ہیں، کبھی صرف آواز سنائی دیتی ہے جسم دکھائی نہیں دیتا، کبھی کوئی اور عجیب وغریب روپ ہوتا ہے۔ شیاطین لوگوں کے پاس آ کر کبھی یہ کہتے ہیں کہ وہ جن ہیں، کبھی جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فرشتے ہیں، کبھی اپنے آپ کو غیب دان بتاتے ہیں، کبھی یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کا تعلق روحوں کی دنیا سے ہے۔

بہر حال شیاطین کچھ لوگوں سے ہمکلام ہوتے ہیں اور ان سے ان کی براہ راست گفتگو ہوتی ہے یا انسانوں ہی میں سے کسی شخص کی زبان سے شیطان بات کرتے ہیں اس شخص کو 'ثالث' کہا جاتا ہے کبھی خط وکتابت کے ذریعہ گفتگو ہوتی ہے۔ کبھی شیطان بڑے بڑے کام کرتے ہیں، انسان کو اٹھا کر ہوا میں لے اڑتے ہیں، اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں، کبھی وہ ان سے کوئی چیز طلب کرے تو اس کے سامنے حاضر کر دیتے ہیں، لیکن شیطان اس قسم کے کام انہی گمراہ لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو اللہ رب السموت والارض کے منکر اور بدعمل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ ظاہر میں دیندار اور متقی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں حد درجہ بے راہ رو اور فاسق ہوتے ہیں۔ علماء متقدمین ومتاخرین نے اس طرح کی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان پر اعتراض کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ انہی میں سے صوفی حلاج کا وہ واقعہ بھی ہے جس کو ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ:

''وہ (حلاج) خوبصورت تھا، اس کے پاس کچھ شیاطین تھے جو اس کی خدمت بجالاتے

✿ [دیکھئے: "عالم الجن والشیاطین" ترجمہ از عبد السلام سلفی (ص ۱۴۰ تا ۱۶۷)]

تھے ،ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حلاج اور اس کے کچھ ساتھی ابوقبیس نامی پہاڑ پر تھے ،اس کے ساتھیوں نے اس سے مٹھائی مانگی ،وہ قریب ہی کسی جگہ پر گیا اور وہاں سے مٹھائی کی ایک پلیٹ لے آیا ،بعد میں تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ یمن کی کسی مٹھائی کی دوکان سے چرائی گئی تھی ،اس کو اس علاقے کا شیطان اٹھا کر لایا تھا''۔ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''حلاج کے علاوہ شیطانی حالت رکھنے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ایسے واقعات بہت پیش آتے ہیں مثلاً ایک شخص جو ابھی (ابن تیمیہ کے زمانے میں)دمشق میں ہے، اس کو شیطان صالحیہ پہاڑ سے اٹھا کر دمشق کی کسی مضافاتی بستی میں لے جاتا تھا۔وہ ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا روشندان سے گھر کے اندر آ جاتا اور گھر میں بیٹھے ہوئے سب لوگ اس منظر کو دیکھتے رہتے ،پھر رات کو وہ باب الصغیر (دمشق کے اس وقت کے چھ دروازوں میں سے ایک دروازہ)کے پاس آتا اور وہاں سے وہ اور اس کا ساتھی دونوں اندر آ جاتے ،وہ نہایت بد کردار شخص تھا۔ایک دوسرا شخص شاہدہ نامی بستی میں واقع شوبک قلعہ میں رہتا تھا،وہ بھی ہوا میں پرواز کر کے پہاڑ کی چوٹی پر جاتا اور تمام لوگ اس کو دیکھتے رہتے۔ شیطان اس کو اٹھا کر لے جاتا تھا،وہ رہزنی بھی کرتا تھا۔

یہ لوگ زیادہ تر شر پسند ہوتے ہیں ،ایسا ہی ایک شخص فقیر ابو المجیب ہے۔لوگ اندھیری رات میں اس کے لئے خیمہ نصب کرتے ہیں، تقریب کے طور پر روٹیاں بناتے ہیں ۔وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے ،وہاں نہ کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو اللہ کا ذکر کرنا جانتا ہو نہ کوئی ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں اللہ کا ذکر ہو، پھر وہ فقیر ہوا میں اڑتا ہے،لوگ اس کو دیکھتے ہیں، شیطان کے ساتھ اس کی گفتگو کو سنتے ہیں ،کوئی ہنسے یا روٹی چرائے تو اسے ڈفلی سے مار پڑتی ہے،مارنے والا نظر نہیں آتا ،پھر لوگ جو باتیں پوچھتے ہیں شیطان بتاتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ اس کے لئے گائے ،گھوڑے یا کسی جانور کی نیاز کریں ،اور جانور کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے کی بجائے اس کا گلا گھونٹ دیں ،ایسا کرنے پر ان کی حاجت روائی کی جائے گی۔''

ابن تیمیہؒ ایک اور پیر جی کے بارے میں ذکر کرتے ہیں جس نے ان کو خود بتایا کہ'' وہ عورتوں کے ساتھ بدکاری اور بچوں کے ساتھ لونڈے بازی کرتا تھا،وہ کہا کرتا تھا کہ

میرے پاس ایک کالا کتا آتا ہے جس کی آنکھوں کے سامنے دو سفید نقطے ہوتے ہیں، وہ مجھ سے کہتا ہے: فلاں بن فلاں نے تمہارے لئے نذر مانی تھی کل ہم اس کو تمہارے پاس لے کر آئیں گے، میں نے تمہاری خاطر اس کی ضرورت پوری کردی ہے، دوسری صبح کو وہ شخص اس کے پاس نذر لے کر آتا اور یہ پیر جی اس کو شرف قبول عطا کرتے۔''

اسی پیر کے بارے میں ابن تیمیہؒ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ'' جب مجھ سے کسی چیز کو بدلنے کے لئے کہا جاتا مثلاً یہ کہا جاتا کہ اس چیز کو 'لاذن'' (گوند جو بطور عطر و دوا استعمال ہوتا ہے) میں تبدیل کردو، تو میں اس چیز کو بدل جانے کو اتنی دیر تک کہتا کہ مدہوش ہوجاتا، پھر اچانک میرے ہاتھ یا منہ میں'' لاذن'' موجود ہوتا' مجھے معلوم نہیں اس کو کون رکھتا تھا۔ وہ گمراہ پیر کہتا ہے: میں چلتا تو میرے آگے آگے ایک سیاہ ستون ہوتا تھا جس میں روشنی ہوتی۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ جب اس پیر نے توبہ کرلی، نماز روزے کا پابند ہوگیا، اور حرام چیزوں سے بچنے لگا تو کالا کتا غائب ہوگیا اور کسی چیز کو بدل دینے کی کیفیت بھی بند ہوگئی، اب وہ کسی چیز کو نہ 'لاذن' میں تبدیل کرتا ہے نہ کسی دوسری چیز میں۔

ایک دوسرے پیر کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس کچھ شیطان تھے جن کو وہ بعض لوگوں پر سوار کردیتا تھا، آسیب زدہ شخص کے گھر والے اس پیر کے پاس آتے اور اس سے شفا کی درخواست کرتے۔ پیر اپنے ماتحت شیطانوں سے کہتا، وہ اس شخص کو چھوڑ دیتے، آسیب زدہ شخص کے گھر والے اس پیر کو خوب روپے دیتے۔ بعض اوقات جنات اس پیر کے پاس لوگوں کا غلہ اور روپے چرا کر لاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی کے گھر میں گھروندے کے اندر کچھ انجیر رکھے ہوئے تھے، پیر نے جنوں سے انجیر کی فرمائش کی انہوں نے انجیر حاضر کردیا، گھر والوں نے جب گھروندے کو دیکھا تو وہاں انجیر نہ تھے۔

ایک اور شخص کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اس کا علمی مشغلہ تھا، کچھ شیطان اس کو گمراہ کرنے کے لئے آئے اور کہا کہ ہم نے تم سے نماز معاف کردی، تم جو چاہو ہم تمہارے لئے حاضر کردیں گے۔ چنانچہ وہ اس کے لئے مٹھائی یا پھل لے آتے، آخر کار وہ شخص کسی عالم دین کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامنے توبہ کی اور مٹھائی والوں کی اس نے جو مٹھائیاں کھائی تھیں ان کی قیمت ادا کی'' (جامع الرسائل لابن تیمیہؒ ص ۱۹۰ تا ۱۹۴)

شیطان کے گمراہ کرنے کے بعض طریقوں کو بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

''جن لوگوں سے نباتات (جڑی بوٹیاں اور درخت) بات کرتے ہیں میں ان کو خوب جانتا ہوں، ان سے حقیقت میں وہ شیطان بات کرتا ہے جو نباتات میں ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں کو بھی جانتا ہوں جن سے درخت اور پتھر ہم کلام ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: تم کو مبارک ہو اے اللہ کے ولی! جب وہ آیت الکرسی پڑھتے ہیں تو یہ چیز ختم ہو جاتی ہے میں اس کو بھی جانتا ہوں جو پرندوں کے شکار کو جاتا ہے تو وہ اس سے کلام کرتے اور کہتے ہیں: مجھے شکار کرو تا کہ میں غریبوں کی خوراک بن جاؤں۔ یہ بات کرنے والا دراصل شیطان ہے جو پرندوں کے جسموں میں ہوتا ہے جیسا کہ شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو کر لوگوں سے بات چیت کرتا ہے۔ کچھ لوگ بند گھر میں ہوتے ہیں لیکن دروازہ کھلے بغیر وہ خود کو باہر دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ باہر ہوتے ہیں لیکن دروازہ کھلے بغیر وہ خود کو دیکھتے ہیں کہ وہ گھر کے اندر ہیں۔ ان کو اصل میں جنات تیزی کے ساتھ گھر کے اندر کر دیتے ہیں یا گھر سے باہر نکال دیتے ہیں، کبھی انسان کے پاس سے تیزی سے روشنی گزرتی ہے یا کبھی کوئی شخص اس کی ملاقات کے لئے آتا ہے۔ یہ سب شیطانوں کی طرف سے ہوتا ہے، شیطان انسان کے دوست احباب کی شکل میں آتے ہیں۔ بار بار آیۃ الکرسی پڑھی جائے تو یہ چیز ختم ہو جاتی ہے۔''

علامہؒ فرماتے ہیں: ''میں اس شخص سے بھی واقف ہوں جس سے کوئی بات کرتا ہے اور کہتا ہے: میں اللہ کا حکم ہوں اور اس کو یقین دلاتا اور کہتا ہوں کہ تم وہی مہدی ہو جس کی نبی نے بشارت دی تھی، اس کے لئے کرامتیں بھی ظاہر کرتا ہے مثلاً اسکے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں میں تصرف کرے، اگر اس کے دل میں پرندے کے دائیں بائیں جانے کا خیال ہوتا ہے تو پرندہ ادھر ہی جاتا ہے جدھر وہ چاہتا ہے، اگر اس کے دل میں کسی جانور کے کھڑے ہونے، سونے یا جانے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، بظاہر کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ شیاطین اس شخص کو مکہ لے جا کر واپس لاتے ہیں، اسی طرح اس کے پاس خوبصورت اشخاص کو لاتے اور کہتے ہیں یہ اعلیٰ درجے کے فرشتے تمہاری ملاقات کے لئے آئے ہیں، وہ اپنے دل میں

کہتا ہے: یہ بے ریش جوان کے ہم شکل کیسے ہوگئے ہوں گے؟ سر اٹھا کر دیکھتا ہے تو ان کے داڑھی ہوتی ہے۔ شیطان اس سے کہتا ہے: تمہارے مہدی ہونے کہ یہ نشانی ہے کہ تمہارے جسم میں تل اُگے گی، چنانچہ تل اُگتی ہے اور وہ اسے دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہوتی ہیں، دراصل یہ سب شیطان کی فریب کاری ہے۔'' (مجموعہ فتاوی ۱۱/۳۰۰)

علامہ فرماتے ہیں: ''اہل ضلالت وبدعت جو غیر شرعی طریقے پر ریاضت وعبادت کرتے ہیں اور جنہیں کبھی کبھی کشف بھی ہوتا ہے، ایسے لوگ ان شیطانی جگہوں پر زیادہ جاتے ہیں جہاں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے اس لئے کہ وہاں ان پر شیطان نازل ہوتے ہیں اور کچھ راز کی باتیں بتاتے ہیں جیسا کہ وہ کاہنوں کو بتاتے اور بتوں میں داخل ہوکر بت پرستوں سے باتیں کرتے ہیں۔ شیاطین ان لوگوں کے بعض کاموں میں ان کی مدد بھی کرتے ہیں جس طرح جادوگر اور بت پرست، سورج پرست، چاند پرست اور ستارہ پرست قومیں شیطان کی عبادت کرتی اور اس کے سامنے ذکر وتسبیح اور لباس وخوشبو کا تحفہ پیش کرتی ہیں تو شیطان ان کی مدد اور مشکل کشائی کرتا ہے، یہ قومیں شیطان کو ستاروں کی روحانیت کہتی ہیں''۔ (مجموع الفتاوی ج ۱۹/ص ۱۴۱)

شیطان کی خدمات حاصل کرنے کے لیے کفر وشرک کا نذرانہ:

یہ لوگ جنہیں ولی ہونے کا دعوی ہے ان کا کام حقیقت میں شیطان کرتے ہیں اور انہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کفر وشرک کے ذریعہ شیطان کا قرب حاصل کرنا پڑتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مجموع الفتاوی (ج ۱۹/ص ۳۵) میں فرماتے ہیں کہ ''یہ لوگ زیادہ تر اللہ کے کلام کو ناپاک چیزوں سے لکھتے ہیں، کبھی قرآنی آیتوں مثلاً سورہ فاتحہ یا سورہ قل ھو اللہ احد یا دوسری آیتوں کے حروف کو بدل دیتے ہیں۔ اللہ کے کلام کو خون یا دوسری ناپاک چیزوں سے بھی لکھا جاتا ہے، کبھی قرآن کے علاوہ شیطان کی دوسری پسندیدہ چیزوں کو لکھا یا پڑھا بھی جاتا ہے۔ جب یہ لوگ شیطان کی پسندیدہ چیزوں کو لکھتے یا ان کا ورد کرتے ہیں تو وہ بعض کاموں میں ان کی مدد کرتا ہے مثلاً کسی کنویں کا پانی گہرائی میں کردیا، کسی کو ہوا میں اڑا کر دوسری جگہ پہنچادیا، یا کسی کا مال چرا کر ان کو دے دیا۔ جو

لوگ خیانت کرتے ہیں یا بسم اللہ نہیں پڑھتے، شیطان ایسے لوگوں کا مال بھی چرا کران کو دیتا ہے۔اس کے علاوہ اور بہت سے کام کرتا ہے“۔

جنوں سے خدمت لینے کا حکم:

یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا تھا اور انہیں ایسی سلطنت عطا کی تھی جو ان کے بعد کسی کے شایان شان نہیں۔اب اگر کسی انسان کو کسی جن کی ماتحتی حاصل ہو تو وہ بطور تسخیر نہیں بلکہ جن کی رضامندی سے ہوگی۔کیا جن کو ماتحت بنانا جائز ہے؟ ابن تیمیہ ”مجموع الفتاوی (ج ۱۱ ص ۳۰۷) میں رقمطراز ہیں:

”انسان کے لئے جن کی تابعداری کی چند صورتیں ہیں، اگر انسان جن کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام یعنی اللہ کی عبادت اور رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہو اور انسانوں کو بھی اس کی تاکید کرتا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا افضل ترین ولی ہے، وہ اس معاملے میں رسول اللہ کا خلیفہ و نائب ہے، اگر کوئی شخص جن کو ایسی چیزوں میں استعمال کرے جو اس کے لئے شرعی طور پر مباح ہوں تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مباح چیزوں میں کسی انسان کو استعمال کرتا ہو، مثلاً انہیں فرائض کی ادائیگی کا حکم دے، حرام چیزوں سے روکے، اور اپنی جائز خدمت لے، اس کا مقام بادشاہوں کا مقام ہوگا جو لوگوں پر حکمرانی کرتے ہیں، اگر اس کے مقدر میں یہ ہو کہ وہ اللہ کا ولی ہے تو دوسرے ولیوں میں اس کی حیثیت وہی ہوگی جو ایک حکمران نبی اور عام نبی کی ہوتی ہے جیسے حضرت سلیمان و یوسف کی حیثیت حضرت ابراہیم، وموسیٰ، وعیسیٰ کے مقابلے میں ہے۔

اگر کوئی شخص جن کو ایسی چیزوں میں استعمال کرے جو اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں ممنوع ہوں، مثلاً شرک میں استعمال کرے یا کسی بے گناہ کے قتل میں یا لوگوں پر ظلم کرنے میں مثلاً کوئی بیماری لگادی، حافظہ سے علم بھلادیا، یا کسی بدکاری کے معاملے میں استعمال کرے مثلاً بدکاری کرنے کے لئے کسی مرد یا عورت کو حاصل کرلیا وغیرہ وغیرہ...... تو یہ سب گناہ اور ظلم کے معاملے میں مدد لینے کے کام ہیں۔پھر اگر وہ کفر کے معاملے جنوں سے مدد لیتا ہے تو کافر ہے۔نافرمانی کے کام میں مدد لیتا ہے تو نافرمان، فاسق اور گنہگار ہے۔

اگر اس شخص کو شریعت کا پورا پورا علم نہ ہو اور وہ جنوں سے ایسی چیزوں میں مدد لے جن کو وہ کرامات سمجھتا ہو مثلاً حج کے معاملے میں مدد لے، یا جن اس کو ایسی جگہ اڑا کر لے جائیں جہاں بدعتی لوگوں کا سماع ہو رہا ہو، یا عرفات لے جائیں اور وہ خود شرعی حج نہ کرے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، یا ایک شہر سے دوسرے شہر لے جائیں، تو ایسا شخص فریب کاری میں مبتلا ہے، اور یہ جنات کی اس کے ساتھ فریب کاری ہے۔''

روحوں کو حاضر کرنے کا ڈرامہ:

روحوں کو حاضر کرنے کا آج ہر طرف چرچا ہے۔ اس جھوٹ کی بہت سے ایسے لوگوں نے بھی تصدیق کی ہے جن کا شمار عقلمند لوگوں اور عالموں میں ہوتا ہے۔ روحوں کو حاضر کرنے کا نام نہاد عمل کسی ایک طریقے سے نہیں ہوتا ہے۔ کچھ طریقے تو خالص جھوٹ کا پلندہ ہوتے ہیں، جن میں عیاری، ہوشیاری اور ماہرانہ فنکاری کا عمل دخل ہوتا ہے، کچھ طریقے ایسے ہوتے ہیں جن میں جن اور شیاطین کو استعمال کیا جاتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین نے اپنی کتاب "الروحية الحديثية" (جدید روحانیت) میں ایسے لوگوں کے فریب کا خوب پردہ چاک کیا ہے۔ یہ لوگ روحوں کو حاضر کرنے کا عمل ہلکی سرخ روشنی ہی میں کرتے ہیں جو اندھیرے سے ملتی جلتی ہوتی ہے، روحوں کا آنا، آواز سنائی دینا، اور جسموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا یہ سب گہرے اندھیرے میں ہوتا ہے۔ دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ چھپے ہوئے چہرے کس جگہ بیٹھے ہیں اور آواز کہاں سے آرہی ہے۔ نہ وہ جگہ کی تمیز کرسکتا ہے کہ اس کی دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں کس طرح کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد نے "خیمہ" کے متعلق بھی بتایا ہے کہ یہ حاضرین سے الگ قریب ہی ایک کمرہ ہوتا ہے، یا جس کمرے میں حاضرین بیٹھے ہیں اسی کا ایک حصہ ہوتا ہے جس کو دبیز پردے سے ڈھک دیا جاتا ہے۔ یہ الگ جگہ ثالث کے بیٹھنے کے لئے تیار کی جاتی ہے جس کے ہاتھوں نام نہاد روحیں جسمانی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ پردے سے ڈھکی اور اندھیرے میں چھپی ہوئی اس جگہ سے روحیں جسم کا روپ دھار کر نکلتی ہیں اور تھوڑی دیر بعد وہیں لوٹ جاتی ہیں، حاضرین میں سے کسی کو ان روحوں کو چھونے کی اجازت نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر موصوف کہتے ہیں کہ ایسے تاریک ماحول میں ہوشیاری ومکاری کو ڈھالنے کے لئے روحانی حضرات کے پاس فنکارانہ سانچوں کی کمی نہیں ہوتی ہے۔فنکارانہ ہوشیاری سے لوگوں کو دھوکہ دینا ایک مشہور ومعروف قدیم طریقہ ہے جس سے انسان نما شیطان اللہ کے بندوں کو گمراہ کر کے لوگوں کے پاس عزت ومرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے مال پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہیں۔علامہ ابن تیمیہؒ نے مجموع الفتاوی (۱۱/۴۵۸) میں اپنے زمانے کے ایک دفتر کے متعلق جس کو "بطائحیه" کہا جاتا تھا، ذکر کیا ہے کہ ان کو غیب دانی اور کشف وکرامات کا دعوی تھا، ان کا یہ بھی دعوی تھا کہ وہ پوشیدہ مخلوق کو خود دیکھتے اور لوگوں کو دکھاتے ہیں۔پھر علامہ نے ان کے دجل وفریب کو ظاہر کیا کہ وہ کسی گھر کے اندرونی حالات کو معلوم کرنے کے لئے کسی عورت کو بھیجتے، پھر جو باتیں ان کی معلوم ہوئیں گھر والوں کو بتا دیتے اور یہ کہتے کہ یہ راز کی باتیں خاص انہی کو معلوم ہوتی ہیں۔اسی طرح انہوں نے ایک آدمی سے جس کو وہ حکومت کا لالچ دیتے تھے، وعدہ کیا کہ اسے پوشیدہ مخلوق دکھائی جائے گی، چنانچہ انہوں نے لمبی لمبی لکڑیاں تیار کیں اور ان پر چلنے کے لئے کچھ لوگوں کو متعین کیا کہ وہ ایسی ایکٹنگ کریں جیسے کوئی شیشے کے گیند سے کھیل رہا ہو، ان لوگوں نے "مزہ" پہاڑ پر چلتے ہوئے ایسی ہی ایکٹنگ کی، وہ نادان آدمی دور سے دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ پہاڑ پر کچھ لوگ چل رہے ہیں وہ زمین سے بہت اونچائی پر تھے۔اس طرح انہوں نے اس شخص سے خوب روپے اینٹھے اور اس کو بعد میں ان لوگوں کی حقیقت معلوم ہوئی۔

ان لوگوں نے "قفجق" نامی ایک آدمی کے ساتھ بھی ایسا ہی فریب کیا کہ ایک شخص کو قبر میں بات کرنے کے لئے سلا دیا اور "قفجق" کو پٹی پڑھائی کہ مردہ بات کر رہا ہے پھر اس کو باب الصغیر کے قبرستان میں ایک آدمی کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ وہی شعرانی ہے جو لبان پہاڑ میں مدفون ہیں۔"قفجق" کو اس کے قریب نہیں لے گئے بلکہ دور ہی رکھا تا کہ اس کے پاس اس کی 'برکت' پہنچتی رہے۔انہوں نے کہا کہ شعرانی صاحب نے تم سے کچھ روپے مانگے ہیں۔"قفجق" نے سوچا کہ شیخ راز کی باتیں بتا سکتے تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے تھا کہ انہوں نے جو روپے مانگے ہیں، میرے

خزانے میں تو ہیں نہیں! آخر وہ اس کے قریب گیا اور اس کے بال سے کھینچا تو اس کے ہاتھ میں کھال آ گئی۔ دیکھا تو وہ بکری کی کھال تھی جو اس آدمی کو پہنا دی گئی تھی!

ڈاکٹر محمد حسین نے بتایا کہ یہ کرائے کے ٹٹو (جن کے بارے میں روحانی حضرات کہتے ہیں کہ ان میں کٹھ پتلی بننے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے انہی کے ذریعے یہ تعلق قائم ہوتا ہے) اکثر دھوکہ باز، عیار اور فریب کار ہوتے ہیں ان کو دین واخلاق سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ خود روحانی حضرات کے یہاں ان ٹٹوؤں کے لئے دین واخلاق کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر موصوف نے ایک واقعہ ذکر کیا جو کہ ان کے ساتھ ذاتی طور پر پیش آیا تھا، اس واقعہ کی تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ ثالث (ثالث/کرایہ کا ٹٹو) جھوٹا اور دھوکہ باز تھا۔

ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ روحوں کو حاضر کرتے ہیں ان کی کچھ مشاہدین کے ساتھ کیسی ملی بھگت ہوتی ہے اور جن لوگوں کو ایسی محفلوں میں شرکت کی اجازت دی جاتی ہے ان کے انتخاب میں کس احتیاط سے کام لیا جاتا ہے اور اگر مشاہدین میں کچھ ہوشیار اور بیدار مغز لوگ موجود ہوں تو ناکامی کی توجیہ کس طرح کی جاتی ہے۔

جن اور شیطانوں کا استعمال: ڈاکٹر محمد حسین نے پہلے طریقے کو خوب اچھی طرح بے نقاب کیا جس کے بارے میں روحانی حضرات کہتے ہیں کہ وہ اسی سے روحوں کو حاضر کرتے ہیں 'یعنی کذب وفریب' نظر بندی، اور ہاتھ کی صفائی کا طریقہ۔

دوسرے طریقے یعنی جن اور شیطانوں کو استعمال کرنے کے سلسلے میں صرف اشارہ سے کام لیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ روحوں کو حاضر کرنے کے لئے جو دعوے کئے جاتے ہیں وہ اکثر اسی قبیل سے ہوتے ہیں۔

مردہ روحوں کی حاضری؛ ایک قدیم فراڈ:

اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نعرہ نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے، گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ لوگ جنوں سے کس طرح تعلقات قائم کرتے تھے، بلکہ معتبر علماء کی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مردوں کی روحیں مرنے کے بعد پھر زندہ ہوتی ہیں۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ "ان میں (یعنی شیطانی کام کرنے والے

کافروں ،مشرکوں اور جادوگروں)میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے مرنے والے کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ آئے گا،ان سے باتیں کرے گا،اپنا قرض اور امانت واپس کرے گا،اور انہیں کچھ وصیتیں کرے گا حالانکہ ان کے پاس وہ شکل آتی ہے جو ابھی زندہ ہے یعنی اس کا ہمزاد شیطان اس کی شکل میں آتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ وہی مرنے والے کی روح ہے۔'' (جامع الرسائل ص ۱۹۴،۱۹۵)

ایک معاصر کا تجربہ: اس تجربہ کا تعلق ایک اہل قلم احمد عزیز الدین البیانونی سے ہے۔موصوف نے اس تجربہ کو اپنی کتاب ''الایمان بالملائکۃ'' (فرشتوں پر ایمان) کے اندر تحریر کیا ہے، مین چاہتاہوں کہ اسے ہو بہو نقل کردوں ،موصوف کہتے ہیں:

''روحوں کو حاضر کرنے کا نام نہاد نظریہ مشرق ومغرب کے لوگوں کے دل ودماغ کی الجھن بن گیا ہے ،عربی اور دوسری مختلف زبانوں میں اس پر مضامین شائع ہوئے ،کتابیں لکھی گئیں۔محققین نے تحقیق کی ،تجربہ کرنے والوں نے تجربہ کیا،اس کے بعد جو لوگ عقلمند تھے ان کی سمجھ میں آیا کہ یہ سراسر جھوٹ اور بکواس ہے،اور اس سے کفر وشرک کا پروپیگنڈا کیا جارہاہے۔روحوں کو حاضر کرنے کی جو بات کہی جارہی ہے بالکل جھوٹ ،دھوکہ اور فریب ہے ،نام نہاد روحیں حقیقت میں شیاطین ہیں جو انسان کے ساتھ کھیلتے اور دھوکہ دیتے ہیں ۔مردے کی طرح روح کو حاضر کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ،روحیں تن سے جدا ہونے کے بعد عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہیں۔پھر وہ یا تو نعمتوں میں ہوتی ہیں یا عذاب میں ،انہیں ان باتوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا جن کا روحوں کو حاضر کرنے والے دعوی کرتے ہیں ۔ان روحوں کے حاضر کرنے کے دعوے داروں نے مجھے بلایا تھا، میں نے خود اس کا طویل تجربہ کیا تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ سب شیطانی چکر ہے،شیطان کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور دھوکہ دینا ہے۔

تجربہ کا آغاز: تقریبا دس سال سے میں ایک ایسے شخص کو جانتاہوں ،جس کا کہنا ہے کہ وہ انسان کی خدمت کے لئے نیک کاموں میں جنوں کو استعمال کرتا ہے۔وہ یہ کام انسانوں ہی میں سے کسی ایک شخص کے ذریعہ کرتا ہے جس کو 'ثالث' کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہاں پہنچنے کے لئے اس نے ایک زمانہ تک لمبے لمبے

اَورادووظائف کیے ہیں، یہ اَوراد ووظائف ایک شخص نے بتائے تھے جو بزعم خویش اس فن کا عالم تھا۔ایک دن ثالث میرے پاس کسی جن کی دعوت لے کر آیا کہ مجھے ایک اہم گفتگو کرنی ہے جس میں میرا بہت نام ہوگا۔اللہ پر بھروسہ کر کے میں مقررہ وقت پر خوشی خوشی نکلا کہ چلو آج اس تجربے میں کوئی نئی بات معلوم ہوگی۔

دھوکہ کیسے شروع ہوا؟ سب سے پہلے میرے ساتھ جو ہتھکنڈا استعمال کیا گیا، وہ یہ تھا کہ روح کو حاضر کرنے کا طریقہ ذکر واستغفار اور تہلیل وتکبیر ہے۔اس سے فوری طور پر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ پاکیزہ، سچی اور آسمانی روحوں سے ہم کلام ہوگا۔میں ثالث کے گھر پہنچا، ہم دونوں گھر کے ایک خالی کمرے میں جمع ہوئے، وہ ایک بستر پر بیٹھ گیا۔ہم نے (اسی کے کہنے کے مطابق) تہلیل واستغفار اور ذکر واذکار شروع کر دیا، اس پر غنودگی طاری ہوئی، میں نے اسے بستر پر لٹا دیا اور اس کی ہدایت کے مطابق اس پر چادر ڈھک دی، اتنے میں ایک ہلکی آواز سنائی دی۔آواز والے نے مجھے سلام کیا، اور مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا، پھر اپنا تعارف کرایا کہ وہ ایک ایسی مخلوق ہے جو نہ فرشتوں میں ہے نہ جنوں میں، وہ کوئی دوسری قسم کی مخلوق ہے جسے اللہ نے ''کن'' (ہوجا) کہہ کر پیدا کیا ہے۔اس کے باوجود اس کا کہنا تھا کہ جن اسی کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں اور اللہ کے احکام ملنے میں اس کے اور اللہ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں پانچواں واسطہ جبریلؑ ہیں۔

وہ میری تعریف کرنے لگا اور کہنے لگا کہ وہ لوگ اب انسانوں سے اپنے تمام تعلقات ختم کر دیں گے اور میری ملاقات پر اکتفا کریں گے، کیونکہ میں ان کے بقول اس زمانہ میں صاحب امتیاز اور اللہ کی عنایات کا مرکز ہوں۔اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے اس کے لئے منتخب فرمایا ہے۔اس نے مجھ سے خوب دل فریب وعدے کئے جو بلا کے تعجب خیز بھی تھے۔اللہ پر بھروسہ کر کے میں نے اس نئے تجربے اور پرفریب دعوت کو مان لیا اور اللہ سے درخواست کی کہ مجھے لغزش پا سے محفوظ رکھے، واضح حق کی رہنمائی عطا کرے، علم کی روشنی میرے ساتھ ہو، استقامت میرا راستہ ہو، والحمدللہ!

جب پہلی ملاقات ہوئی تو اس نے دوسرے وقت دوسری ملاقات کی دعوت دی پھر اسی نے ثالث کو نیند سے بیدا کرنے کے لئے ایک مخصوص دعا بتائی۔دعا پڑھی گئی،

ثالث بیٹھ گیا اور اپنی آنکھیں ملنے لگا گویا وہ گہری نیند سے بیدار ہوا ہو اور اسے کسی بات کا علم نہ ہو۔ میں بھی مقررہ وقت پر واپس ہو گیا، اس کے بعد مدت دراز تک ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ہر ملاقات میں نت نئے وعدے ہوتے اور بتایا جاتا کہ تابناک مستقبل میرا منتظر ہے اور امت کو میرے ہاتھوں زبردست فائدہ ہونے والا ہے۔

بات آگے بڑھتی ہے: پھر بات آگے بڑھی، بہت سے روحیں مجھ سے ملاقات کرنے لگیں۔ ہر ملاقات میں تمہیدی طور پر ذکر و استغفار ہوتا اور کبھی نہیں بھی ہوتا، کبھی میں ثالث کے ساتھ کھانے پر ہوتا، یا کبھی چائے کا دور چلتا، اتنے میں اسی کو وہی پہلی سی نیند کی جھپکی آتی، سر آگے کو جھکنے لگتا، ٹھوڑی سینے سے لگ جاتی، پھر ملاقاتی جو خود کو فرشتہ یا جن یا صحابی یا ولی کہتا، مجھ سے ایسے ڈھنگ سے بات کرتا جس پر احترام و عظمت کی گہری چھاپ ہوتی، میری زیارت کو بابرکت بتایا جاتا، اور درخشاں مستقبل کی خوشخبری دی جاتی، پھر وہ لوٹ جاتا، اس کے بعد کوئی دوسرا آتا، پھر کوئی اور۔

زائرین کون تھے؟ ان کے بقول مجھ سے ملاقات کرنے والوں میں کچھ فرشتے تھے، کچھ جنات۔ صحابہ میں ابو ہریرہؓ، ولیوں میں ابوالحسن الشاذلی اور دوسرے اہل علم وفضل میں احمد الترمانینیؒ تھے۔ کچھ اصحاب علم وفضل میرے ہمعصروں میں تھے جو میری زندگی میں وفات پا چکے تھے انہی میں میرے والد ماجدؒ بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے خوشخبری دی کہ ایک متعین وقت پر مجھ سے میرے والد ملاقات کریں گے، میں کمال شوق سے وقت کا انتظار کرنے لگا، جب انتظار کی گھڑی آئی تو انہوں نے مجھے باآواز بلند سورہ واقعہ پڑھنے کو کہا، میں نے سورہ واقعہ کی تلاوت کی، جب تلاوت سے فارغ ہوا تو انہوں نے کہا: چند لمحوں کے بعد تمہارے والد حاضر ہوں گے، وہ جو کہیں گے غور سے سننا، ان سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا!!

اب میں سمجھا: چند منٹ بعد ایک شخص ظاہر ہوا، علیک سلیک کے بعد اس نے میری ملاقات نیز ان روحوں کے ساتھ میرے تعلق پر خوشی کا اظہار کیا اور وصیت کی کہ میں ثالث اور اس کے بچوں کا خیال رکھوں اور اس کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ کروں کیونکہ اس کی آمدنی کا یہی ایک ذریعہ اور راستہ ہے۔

درود ابراہیمی کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کی، مجھے معلوم ہے کہ والد مرحوم کو نبی پر درود بالخصوص درود ابراہیمی بھیجنے کا شوق تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بات کرنے والے کا لب ولہجہ والد کے لب ولہجہ سے بڑی حد تک ملتا جلتا تھا۔ پھر اس نے سلام کیا اور واپس ہو گیا۔ میں دل میں سوچنے لگا: آخر انہوں نے یہ کیوں کہا ہوگا کہ میں آنے والے سے کوئی بات نہ پوچھوں؟

اس میں ضرور کوئی راز ہے!...... ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

اس وقت میری سمجھ میں بات آئی کہ وہ میرے والد نہیں تھے بلکہ ان کا ہمزاد جن تھا جو زندگی بھر ان کے ساتھ رہا، اور اب ان کی آواز اور دوسری خصوصیات کی نقالی کر کے میرے پاس آیا تھا۔ انہوں نے مجھے اس سے کچھ نہ پوچھنے کی تاکید اس لئے کی تھی کہ ہمزاد جن میرے والد کی زندگی کے متعلق خواہ کتنا ہی علم رکھتا ہو پھر بھی وہ ان جزئیات کو یاد نہیں رکھ سکتا تھا جو ایک بیٹا اپنے باپ کے متعلق جانتا ہے، اس بنا پر انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اس سے کوئی ایسی بات نہ پوچھ بیٹھوں جس کا اس کے پاس جواب نہ ہو اور بھانڈا پھوٹ جائے!

پھر دوسروں سے ملاقات کے وقت میرے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا گیا کہ وہ لوگ واپسی کے وقت ہی اپنا نام بتاتے تھے، ایک شخص کہتا: میں فلاں ہوں، اور سلام کر کے فوراً غائب ہو جاتا۔ اس میں بھی وہی راز ہے جو ابھی میں نے ذکر کیا کہ: اگر کوئی پہلے ہی اپنا تعارف کرا دیتا اور وہ کوئی بڑا عالم ہوتا اور میں اس سے کسی علمی مسئلہ میں بحث کرتا تو وہ جواب دینے سے قاصر رہتا اور ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی!

ایک مرتبہ میرے پاس ایک شخص آیا اور بحث کرنے لگا کہ عورت کا چہرہ کھولنا جائز ہے، چہرے کا پردہ ضروری نہیں۔ میں نے اس کا جواب دیا، تو اس نے مجھے آگے سے ایسا جواب دیا جس میں ذرا بھی علم کی بو باس نہ تھی، ہم دونوں میں ٹھن گئی۔ میں نے کہا: تمہارے پاس ان فقہاء کے اقوال کا کیا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کا چہرہ پردہ میں داخل ہے، یا فتنہ کے اندیشہ سے اس کو چھپانا ضروری ہے؟ بہر حال اس بحث سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، پھر اس نے بتایا کہ وہ شیخ احمد الترمانینی ہے اور غائب ہو گیا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ جھوٹا تھا، اس لئے کہ شیخ احمد الترمانینی شافعی مسلک کے بلند پایہ فقیہ تھے اور شافعی علماء یہ کہتے ہیں کہ: عورت سراپا پردہ ہے خواہ وہ بوڑھی خرانٹ ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ حقیقت میں شیخ مذکور ہی تھے اور ان کو عالم برزخ میں کوئی نیا علمی انکشاف ہوا تھا تو ضرور بتاتے اور اس کی دلیل بھی سمجھاتے۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی اور یہ شیطان تھا جس کا مقصد جھوٹ، دھوکہ اور گمراہ کرنا تھا، الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے حق وہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھا۔

حقیقت کا انکشاف: بار بار کے تجربہ سے آہستہ آہستہ حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھتا گیا یہاں تک کہ مجھے کامل یقین ہوگیا کہ یہ سب جھوٹ، بہتان اور دجل وفریب ہے اس کی بنیاد دینداری اور تقوی شعاری نہیں۔ جس ثالث کا یہ لوگ بہت خیال رکھتے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی دوسروں کو تاکید کرتے ہیں، وہ پکا بے نمازی ہوتا ہے، اسے نماز کی تاکید نہیں کی جاتی۔ وہ داڑھی بھی صاف کرتا ہے اور اسے داڑھی رکھنے کے لئے بھی نہیں کہا جاتا۔ وہ غلط اور پرفریب وعدے کر کے لوگوں کا مال بھی ہضم کرتا ہے اس کی آمدنی کا یہی ایک خبیث ذریعہ ہے۔

ایک آدمی کو معلوم ہوا کہ اس ثالث کے ساتھ میرے مراسم ہیں تو وہ شکایت لے کر میرے پاس پہنچا کہ ثالث ہوش دے کر اس سے تین سولیرہ (ملک شام کا سکہ) اینٹھ لئے ہیں وہ غریب ہے اسے ان روپوں کی سخت ضرورت ہے۔ میں نے ثالث سے کہا کہ وہ اس کے روپے واپس کردے، اس نے یہ سوچ کر واپس کردیا تاکہ اس کے اور اس کے شیطانوں کے ساتھ میرا تعلق برقرار ہے۔ ثالث اور اس کی گھر گرہستی کا تمام تر دارومدار ہر معاملہ میں جھوٹ بولنے پر ہے۔

خاتمہ: جب مجھے ان روحوں کی حقیقت معلوم ہوگئی تو انہوں نے میرے ساتھ دھمکی آمیز رویہ اختیار کر لیا لیکن بحمدللہ اس سے میرے دل کی چولیں نہ ہل سکیں۔ اس طویل مدت میں روحوں کے ساتھ جو گفتگو ہوئی میں اسے قلمبند کرتا رہا یہاں تک کہ دو بڑی کاپیاں بھر گئیں۔ جب باطل پوری طرح سامنے آگیا اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ رہی تو میں نے ان سے تعلقات ختم کر دیئے، ان کو جو کہنا تھا کہہ دیا اور وہ کاپیاں بھی

نذر آتش کردیں، جو جھوٹ کا پلندہ تھیں۔ یہ روحیں جو خود کو صحابہ، اولیاء اور صالحین کی روحیں ہونے کا دعوی کرتی ہیں، سب شیطان ہیں، کسی سمجھ دار مومن کو ان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے! روحوں کو حاضر کرنے کے یہ تمام طریقے جھوٹ اور باطل ہیں خواہ وہ ثالث کا طریقہ ہو جس کا میں نے تذکرہ اور تجربہ کیا، یا ٹیبل اور کپ والا طریقہ ہو جس کا کچھ لوگوں نے تجربہ کیا اور مجھے بھی بتایا ہے اور وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں جس تک میں پہنچا تھا۔ عجیب بات ہے کہ اس کے بعد میں نے اس موضوع پر کتابیں پڑھیں تو دیکھا کہ سمجھ دار تجربہ کرنے والے ٹھیک اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں جس تک میں پہنچا تھا، انہوں نے ان روحوں کو انسانوں کے ہمزاد جن کہا ہے، بحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس چیز کی رہنمائی کردی۔ اور مذکورہ بالا سطور تحریر کرکے میں نے اپنا فرض پورا کردیا۔ واللہ الھادی الی سوآء السبیل!

روحوں کے حاضر کرنے کا خطرناک پروپیگنڈہ:

یہ جو پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ روحوں کو حاضر کرنا ممکن ہے۔ اس کو انسان نما شیطانوں نے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لئے اپنا حربہ بنالیا ہے۔ حاضر ہونے والی روحیں جو حقیقت میں شیطان ہوتے ہیں، ایسی باتیں کرتی ہیں جن سے دین و مذہب کے پرخچے اڑ کررہ جاتے ہیں۔ یہ روحیں ایسے تصورات اور ایسی نئی روایتیں قائم کرنا چاہتی ہیں جو حق کے بالکل مخالف ہوں۔ اسی قسم کے ایک جلسہ میں روح (شیطان) نے ثالث کی زبان سے کہا کہ جبریلؑ اس جلسہ میں شریک تھے چونکہ حاضرین جبریلؑ کو نہیں جانتے تھے اس لئے روح نے تعارف کرایا اور کہا: "کیا تم لوگ جبریل کو نہیں جانتے ہو جو محمد پر قرآن لے کر نازل ہوئے تھے؟ وہ اس جلسہ میں برکت کی دعا کرنے آئے تھے"!!

ڈاکٹر محمد حسین نے ماہنامہ "عالم الروح" (روحانی دنیا) کے ایک مضمون بعنوان "ہوایٹ ہاک سے عظیم روح کی گفتگو" سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"ہمیں اس تحریک اور اس نئے مذہب کے لئے متحد ہونا چاہئے، ہمیں آپس میں میل محبت

ہونی چاہیے، ہمارے اندر قوت برداشت اور اتفاق رائے ہونا چاہیے۔ میرا (یعنی بات کرنے والی روح جو کہ شیطان ہے اس کا) مشن یہ ہے کہ نادار کی دستگیری کی جائے، انسان کو اللہ کے تسلط سے آزاد کرنے میں ہماری مدد کی جائے (شیطان نے صحیح کہا کیونکہ اس کا یہی مشن ہے یعنی انسان سے اللہ کا انکار کروانا!) انسان خدا ہے جو عناصر اربعہ کے لباس میں جلوہ گر ہے (انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان اسی طرح بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا اور دروغ گوئی سے کام لیتا ہے) وہ اس وقت اپنی قوت وصلاحیت کو نہیں سمجھ سکتا جب تک اسے اپنے ملکوتی اور خدائی حصہ کا احساس نہ ہو، پوری دنیا کے لئے ایک ہمہ گیر نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کی روحانیت کے اندر دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ صلاحیت ہے۔"

ڈاکٹر محمد نے مذکورہ ماہنامہ سے ایک تنظیم کا تعارف بھی نقل کیا ہے جو اسی مقصد کے لئے قائم کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ "یہ تنظیم پوری انسانیت کے لئے ہوگی۔ اسی کے ذریعہ روحانی دنیا کے باشندے ہمیں زندگی کا نیا طریقہ بتائیں گے اور اللہ اور اس کی مشیت کے متعلق ایک نیا تصور دیں گے۔ انہی کے ذریعہ ہمیں روحانی سکون اور دل کا سرور نصیب ہوگا، یہی لوگ قوم وفرد اور عقیدہ ومذہب کی دیواریں منہدم کریں گے، بلاتفریق مذہب وملت ہر شخص اس تنظیم کا رکن بن سکتا ہے۔"

روحیں اپنے آپ کو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول کہتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ محمد فرید وجدی نے ان روحوں کا قول نقل کیا ہے کہ: ہمیں اسی طرح اللہ کی طرف سے بھیجا گیا جس طرح ہم سے پہلے نبیوں کو بھیجا گیا تھا، البتہ ہماری تعلیمات ان کی تعلیمات سے کہیں زیادہ بلند ہیں، ہمارا خدا ان کا خدا ہے پھر بھی ہمارا خدا ان کے خدا سے غالب تر ہے، ہمارے خدا میں انسانی صفات کم ہیں، خدا کی بیشتر صفات کسی مذہبی عقیدہ کی پابندی نہیں، نہ ان کو بغیر غور وفکر کے قبول کیا جا سکتا ہے، ہماری تعلیمات کا دارومدار عقل پر نہیں ہے۔"

روحوں کا خیال ہے کہ انبیاء ورسولوں کی حیثیت ایک اعلیٰ درجہ کے ثالث سے زیادہ نہیں، ان کے ہاتھوں جو معجزات رونما ہوئے وہ روحانی مظاہر کے سوا کچھ نہیں، بالکل

ویسے ہی مظاہر جو روح کو حاضر کرنے والے کمرہ میں رونما ہوتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ہاتھوں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے تھے وہ دوبارہ ان کو دکھا سکتے ہیں۔ بعض اخبارات میں زبردست پروپیگنڈہ مہم چلائی گئی اور کہا گیا کہ امریکہ کے اندر روحوں کو حاضر کرنے والا ایک شخص حضرت مسیح کے معجزات کی طرح معجزے دکھاتا ہے، وہ اندھے کو بینا، گونگے کو گویا اور مفلوج کو متحرک بنادیتا ہے۔واضح رہے کہ یہ نام نہاد روحانی طبیب دس سال کا بچہ ہے جس کا نام ''میشیل'' بتایا جاتا ہے۔جب مریض اس کے پاس آتا ہے تو وہ مریض کے بدن پر اپنی انگلیاں رکھ کر کچھ منتر منہ ہی میں بدبداتا ہے جس کے نتیجہ میں معجزہ کا وقوع ہوتا ہے، کہتے ہیں اس بچہ کو روحانی صلاحیت اپنے باپ سے وراثت میں ملی ہے،وہ اس طرح کے کام کرنے پر کوئی بھی اجرت نہیں لیتا۔(ملاحظہ ہو،ضمیمہ ماہنامہ ''القبس'' کویت۔۱۷/۱۰/۱۹۷۷ء)

اس بچہ کو روحانی صلاحیت اپنے باپ سے وراثت پر ملنے پر ایک قصہ یاد آیا جو فلسطین کے کسی علاقے میں بیان کیا جاتا ہے۔راوی کہتے ہیں کہ ایک نیک وصالح آدمی بڑا تعجب خیز کام کرتا تھا، ہوتا یوں کہ جس زمانہ میں ہوائی جہاز اور موٹروں کا چلن نہیں تھا،وہ عرفہ کی رات حج کے لئے نکلتا اور عرفہ کے دن تمام حجاج کے ساتھ موجود ہوتا،انہیں ان کے رشتہ داروں کی طرف سے خطوط پہنچادیتا اور ان کی طرف سے جوابی خطوط لے کر دوسری رات گھر کی طرف واپس ہوجاتا۔بہت سے لوگ اس شخص کی نیکی کے قائل تھے حالانکہ وہ حج کے تمام مناسک بھی ادانہیں کرتا تھا،نہ منیٰ میں مقررہ مدت تک ٹھہرتا،نہ رمی جمرہ کرتا۔خدا کی مشیت کہ اس کا جھوٹ کھل گیا اور ساری حقیقت معلوم ہوگئی۔ہوا یہ کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بڑے لڑکے کو بلایا اور اس کو بتایا کہ ہر سال عرفہ کی رات کو اس کے پاس ایک اونٹ آئے گا اور اسے عرفات لے جائے گا۔جب اونٹ آیا اور وہ لڑکا اس پر سوار ہوا تو کچھ مسافت طے کرنے کے بعد اونٹ رک گیا اور لڑکے سے باتیں کرنے لگا اس نے بتایا کہ وہ شیطان ہے۔اس کا باپ اس کی عبادت کرتا اور اس کے سامنے سجدہ کرتا تھا، اس کے بدلہ میں وہ اس کے باپ کی یہ اور اس طرح کی دوسری خدمات بجالاتا تھا۔جب لڑکے نے اس کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا اور اس

سے اللہ کی پناہ مانگی ،تو شیطان اس کو چھوڑ کر صحرا میں غائب ہو گیا۔اللہ نے اس کے مقدر میں واپسی لکھی تھی اس نے اپنے کافر باپ کی حقیقت لوگوں کو بتادی۔علامہ البیانونی نے اپنی کتاب "الملائکۃ "(فرشتے) میں مختصر طور پر اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کیا روحوں کو حاضر کرنا ممکن ہے؟ قرآن وسنت کیا کہتے ہیں؟

ماہنامہ "سائنٹفک امریکن" نے روحانی مظاہر کی صداقت کو ثابت کرنے والوں کے لئے زبردست انعام رکھا ہے ۔یہ انعام ابھی تک رکھا ہوا ہے اسے کوئی بھی نہیں جیت سکا۔حالانکہ امریکہ میں روحانیت کے علمبرداروں کا کافی چرچا اور اثر ورسوخ ہے اس انعام کے ساتھ امریکی جادوگر "ڈینجر" کی طرف سے بھی اسی مقصد کے لئے دوسرا انعام رکھا گیا ہے لیکن اس کو بھی کوئی نہیں جیت سکا!!

مردہ روح کو حاضر کرنے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟اس سلسلہ میں وارد شدہ نصوص پر غور وفکر کرنے سے ایک محقق کو پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد روحوں کا واپس دنیا میں آنا ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتادیا کہ روح عالم غیب کی چیز ہے جس کا ادراک ممکن نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

"اور روح کی بابت تم سے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تمہیں تو بہت ہی تھوڑا علم ملا ہے(یعنی تم اس کی کنہ وحقیقت سے عاجز ہو)" [بنی اسرائیل:۸۵]

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ وہی انسان کی روح کو قبض کرتا ہے اور مرنے کے بعد روحوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

"اللہ ان جانداروں کی موت کے وقت ان کی ارواح قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی نیند کے وقت ان کے نفسوں پر قبضہ کرتا ہے جس کی موت کا وقت آچکا ہو اس کو روک لیتا ہے اور دوسرے کو اس کی موت کے وقت مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کیا کرتے ہیں۔" [الزمر:۴۲]

اللہ تعالیٰ نے ان نفوس پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اگر وہ بد بخت کافر ہو تو فرشتے عذاب دیتے ہیں، اور اگر نیک صالح ہو تو انہیں انعام سے نوازا جاتا ہے۔ موت کا فرشتہ روحوں کو کس طرح قبضہ کرتا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ یہ سب نبی اکرم ﷺ اپنی امت کو بتا چکے ہیں۔ اور احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

جب روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس روک لی گئی ہوں اور ان کی نگرانی کے لئے چست طاقتور فرشتے مقرر ہوں تو وہ وہاں سے بھاگ کر ان نام نہاد روحانی عاملوں کے پاس کیسے آسکتی ہیں جو لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہوں۔ کچھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے کسی نیک بندے، نبی یا شہید کی روح کو حاضر کیا ہے۔ بھلا شہداء کرام اپنے سدا بہار باغوں کو چھوڑ کر ان کے تنگ و تاریک کمروں میں کیوں کر آسکتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے بارے میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں تم ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ (دراصل) زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔'' [آل عمران:۱۶۹]

نیز نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''ان شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے شکم میں جنت کے باغوں میں سیر کر رہی ہیں، وہ جنت کے پھل اور اس کی نہروں کا پانی پیتی ہیں اور رحمٰن کے عرش کے چھتوں میں لٹکے قندیلوں میں آ کر پناہ لیتی ہیں۔''

قرآن وسنت کے ان صریح دلائل کے برعکس آج کے نام نہاد عامل، اور شعبدہ باز دجال ان شہیدوں اور صالحین کی روحوں کو حاضر کرنے دعوی آخر کیسے کر سکتے ہیں؟ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ [الکہف:۵] ''بہت ہی بڑا بول ان کے منہ سے نکلتا ہے (جو سراسر جھوٹ ہے اور) یہ محض جھوٹ ہی بکتے ہیں۔''

ایک شبہ اور اس کا جواب:

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بات کی کیا توجیہ کی جائے گی کہ روحیں اس شخص کے اخلاق واعمال کو بھی جانتی ہیں جس کے بارے میں کہتی ہیں کہ وہ دنیا میں اس کی

روح تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو روح کہتا ہے وہ حقیقت میں شیطان ہوتا ہے، یہ شیطان شاید وہی ہمزاد ہو جو انسان پر مقرر کیا گیا ہے، جن نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان پر ایک شیطان مقرر کیا گیا ان کا ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ انسان کے ساتھ رہنے والا ہمزاد انسان کے بہت سے اخلاق، صفات اور عادات سے واقف ہو جاتا ہے اور اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی جانتا ہے۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہے تو آسانی سے سب بتا دیتا ہے کیونکہ اسے یہ تمام باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روحیں جو علمی جوابات دیتی ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیطانوں اور جنوں کے پاس اتنی علمی لیاقت ہوا کرتی ہے کہ وہ سوال جواب کر سکیں۔ لیکن شیطانوں کے جوابات ایسے ہی ہوتے ہیں جن کی تہ میں عظیم گمراہی چھپی ہوتی ہے۔ وہ صرف ہمارا اعتماد حاصل کرنے تک صحیح جواب دیتے ہیں پھر ہمیں ایسے خطرناک گمراہ کن رخ پر ڈال دیتے ہیں جس میں ہماری دنیا وآخرت کی تباہی ہوتی ہے۔

شیطانوں کی اپنے پرستاروں سے سبک دوشی:

یہ لوگ جنہیں "صاحب روحانیت" کہا جاتا ہے اور جو روحوں کو حاضر کرنے اور ان کے ذریعہ علاج معالجہ کرنے کا دعوی کرتے ہیں، یہ سب جھوٹے ہیں۔ یہ روحیں شیاطین کے سوا کچھ نہیں، شیاطین جب چاہیں ایسے لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر انہیں ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں۔ ماہنامہ "القبس" کویت نے اپنے ضمیمہ مجریہ ۱۲/۶/۷۸ء میں ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: "ان دنوں پورے برطانیہ میں روحانی عالم "ہیٹر گوڈوین" موضوع بحث بنا ہوا ہے وہ غیر معمولی روحانی صلاحیتوں کا مالک تھا، وہ اپنی اس صلاحیت سے لاعلاج بیماریوں کو ٹھیک کر دیتا، گم شدہ چیزوں کو بتا دیتا، اور انسان کی خدمت کے لئے روحوں کو مسخر کر دیتا تھا۔

"ہیٹر گوڈوین" میں ایک منفرد قسم کی صلاحیت تھی جس کے ذریعے وہ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد جگہوں میں موجود ہو جاتا تھا، مثلاً اس کے ساتھی اس کو لندن میں

دیکھتے ،اسی گھڑی دوسرے لوگ اس کو ''لیورپول'' میں پاتے اور تیسرے ''مانچسٹر'' میں، جبکہ چوتھا فریق کہتا کہ وہ نہ یہاں تھا نہ وہاں بلکہ اپنے گھر میں بیوی بچوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔کبھی اس کے مختلف ایتھری جسم ایک جگہ جمع ہوجاتے مثلاً اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا اور اچانک اس کی دوسری شخصیت نمودار ہوتی اور دوستوں کی مجلس میں بیٹھ جاتی ،اس کے بعد اس کی تیسری اور چوتھی اور پانچویں شخصیت آتی ،اس طرح بیٹر گوڈوین پانچ شخصیتوں سے عبارت ہوتا۔ یہ شخصیتیں حاضرین کے ساتھ بیٹھتیں اور ان کے ساتھ گفتگو کرتیں یا آپس ہی میں ہم کلام ہوتیں اور تمام حاضرین حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتے ۔لیکن ''بیٹر گوڈوین '' کے ساتھ یہ المیہ ہوا کہ اس نے اچانک اپنی صلاحیت کم کردی اور ایک عام انسان میں تبدیل ہوگیا،اب اس میں نہ مریضوں کو ٹھیک کرنے کی صلاحیت ہے نہ گم شدہ چیزوں کے بتانے کی ،نہ مستقبل کے متعلق پیش گوئی کی اور نہ لوگوں کی خدمت کے لئے روحوں کو مسخر کرنے کی ۔

''بیٹر گوڈوین '' کا المیہ گزشتہ سال (یعنی ۱۹۷۷ء میں) پیش آیا جبکہ اس نے مادی مفاد کے حصول کے لئے اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو ناجائز استعمال کرنے کی کوشش کی ......اب وہ ماضی قریب کو یاد کرکے کہتا ہے :میرے ساتھ جو ہوا ،شان گمان میں نہ تھا،روحوں نے خفا ہوکر مجھ سے اپنی برکتیں چھین لیں ۔

قصہ کی ابتداء:

قصہ یہ ہے کہ گوڈوین نے ۱۹۷۷ء برطانیہ کے طول وعرض میں روحانی علاج کے مراکز قائم کرنا چاہے اور برطانیہ کے ہر بڑے شہر میں ایک سینٹر کھولنے کی تجویز پیش کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے شام نامہ ''بوغاوٹ'' میں اعلان شائع کیا کہ مستقل یا غیر مستقل طور پر روحانی تربیت حاصل کرنے والوں کی ضرورت ہے۔اس منصوبہ سے ہفتہ میں ۴۰۔۵۰ جنیہ (پاؤنڈ کرنسی) کی آمدنی تھی ۔اس اعلان کے شائع ہونے کے بعد بیٹر گوڈوین کے پاس درخواستوں کی باڑھ آگئی جن لوگوں کی درخواستیں منظور ہوئیں ان میں انتیس سالہ قلم کار ''روبین لاسی'' پینسٹھ سالہ خاتون ''جین پارٹلیٹ'' اور ایک تیس

سالہ جوان ''ارٹر جیفری'' شامل تھے۔ لیکن بیٹر گوڈوین نے جونہی انٹرویو لینے شروع کئے اس کی پریشانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ روبین لاسی کہتا ہے: ''جب ہم انٹرویو کے لئے حاضر ہوئے تو میں غیر متوقع طور پر دیکھتا ہوں کہ بیٹر گوڈوین غائب ہے، انٹرویو لینے والی ایک پچاس سالہ خاتون ہے جس کا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک جوان اور ایک نوخیز خوبرو لڑکی موجود ہے...... ہمیں سوالات کی کاپیاں تقسیم کی گئیں اور ان کے جوابات طلب کئے گئے۔ کچھ سوالات اس طرح تھے: کیا آپ نے اپنی زندگی میں روحوں کا مشاہدہ کیا ہے؟ کیا آپ روحوں کے نتائج پر ایمان رکھتے ہیں؟ کیا آپ منشیات کا استعمال کرتے ہیں؟ کیا آپ کو عصابی امراض کے ہسپتال میں جانے کا اتفاق ہوا؟ پچاس سالہ خاتون نے ہم سے کہا کہ بیٹر گوڈوین برطانیہ کے ہر شہر میں ایک روحانی مرکز قائم کرے گا اور ہمیں روحانی علاج کی ایسی تربیت دے گا کہ ہم ان مراکز میں کام کرنے کے لائق ہوجائیں گے، پھر وہ ہمارے پاس گاہک بھیجے گا ہم ایک نشست کے پانچ پونڈ لیں گے اور ہفتہ میں تقریباً چالیس آدمیوں کا علاج کریں گے۔ ساتھ ہی یہ شرط بھی تھی کہ بیٹر گوڈوین پانچ ہزار پونڈ کا نصف اول اپنے لئے رکھ لے گا اور بقیہ نصف ہمارا ہوگا اس کی وجہ سے ہم میں سے اکثر وبیشتر کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور اس کے خلاف درخواست دہندگان کی طرف سے احتجاجی صدائیں بلند ہونے لگیں ہم میں سے اکثر لوگ درخواستوں کی منظوری کے بغیر ہی کمرہ سے باہر آگئے۔

چشم دید گواہوں کی زبانی: اس کے باوجود کچھ لوگوں کا انتخاب عمل میں آیا اور انہیں بیٹر گوڈوین سے دوسرے کمرہ میں ملاقات کی اجازت دی گئی۔ پہلے شخص کا انٹرویو بیس منٹ تک ہوتا رہا پھر اس وقت میں کمی آتی گئی۔ جب آخری شخص کی باری آئی تو پانچ منٹ میں انٹرویو ہوگیا۔ بالآخر چند اشخاص کو اس حیثیت سے منتخب کرلیا گیا کہ وہ بیٹر گوڈوین سے روحانی تربیت حاصل کریں۔ جن لوگوں کا انتخاب ہوا ان میں ریٹائرڈ انجینئر خاتون ''جین پارٹلیٹ'' اور اس کا شوہر ''ارتر پارٹلیٹ'' بھی تھے۔

بیٹر گوڈوین کی سکھائی ہوئی کسی بھی چیز کا میں نے استیعاب نہیں کیا، وہ ٹریننگ کے دوران ہمیشہ پریشان خاطر نظر آتا تھا۔ آخری آیام میں وہ اپنے لکچرز ٹیپ ریکارڈ

میں ٹیپ کرنے لگا تھا جن میں وہ اس بات پر بحث کرتا کہ زندگی میں انسان کے کتنے آفاق ہیں۔ایک مرتبہ اس نے ہمیں ہمشکل مٹی کے مجسمے بنانے کا حکم دیا اوران پر پڑھنے کے لئے کچھ منتر بھی سکھائے لیکن اس سے کچھ نہیں ہوا۔ بیٹر گوڈوین نے ہمیں کچھ نوٹس (ملاحظات) بھی دیئے تھے جو ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔"

ارتر جیفری اور اس کی بیوی انجیلا بھی ان لوگوں میں تھے جن کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔انجیلا کہتی ہے کہ:"شروع میں ہمیں محسوس ہوا کہ اسباق اور لکچرس علمی ماحول میں رچے بسے ہوئے ہیں لیکن بیٹر گوڈوین ہمیشہ پریشان سا رہتا تھا، آہستہ آہستہ اس کا اثر بھی ختم ہونے لگا، چند دنوں بعد وہ ہماری طرح عام انسان ہوگیا جس میں کوئی غیر معمولی قوت نہیں رہ گئی تھی ،ہم نے یہ چیز اس لئے محسوس کی کیونکہ اب وہ ہمارے سامنے اپنے کرشمے اور کرامتیں نہیں دکھارہا تھا، بلکہ اپنے لکچرس ٹیپ ریکارڈ میں ٹیپ کردیتا اور ہم اس کو کیسٹ میں سنتے وہ ہمیں نظر نہیں آتا تھا۔اسی لئے ہم تمام لوگوں نے اسکے لکچروں میں حاضر ہونا ترک کردیا اور وہ اخراجات بھی ادا کرنا بند کردیے جو فی لیکچر دس پاؤنڈ کے اوسط سے ہم ادا کرتے تھے۔"

بیٹر گوڈوین......جس پر اب روحوں کا اعتماد ختم ہو چکا ہے بانز کے شہر باسنکشوک میں واقع اپنے آفس سے کہتا ہے:"میرا منصوبہ یہ تھا کہ میں اپنے شاگردوں کی روحانی صلاحیتوں کی نشوونما کروں پھر انہیں بطور ثبوت ایک سند بھی دوں تاکہ وہ اپنے کام کی مشق اور پریکٹس کرتے رہیں۔خود فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور مجھے بھی اس سے فائدہ پہنچے، باوجودیکہ مجھے متعدد روحانی خطوط موصول ہوئے کہ میں مادی منفعت کی خاطر اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا استحصال نہ کروں مگر میں نے نہیں سنا۔نتیجہ یہ ہوا کہ میری صلاحیت ختم ہونا شروع ہوگئی یہاں تک کہ بالکل غائب ہوگئی۔یہ سب کیسے ہوا میں اب تک سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

اس واقعہ پر ہمارا تبصرہ:

ا۔اس شخص نے روحوں کو حاضر کرنے کا جو دعوی کیا اس کی کوئی دلیل نہیں ،وہ شیطان کو حاضر کرتا تھا،اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے مریدوں کو مجسمے بنانے اور مخصوص

منتر پڑھنے کا حکم دیا تھا، ایسی چیزیں شیطان پسند کرتا ہے، رحمان کو اس سے نفرت ہے۔
۲۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ روحیں شیطان تھیں تو یہ درست ہوسکتا ہے کہ ''بیٹر'' ایک ہی وقت میں کئی جگہوں پر موجود ہوتا تھا اس لئے کہ شیطانوں میں انسانوں کے بھیس بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ایسا ماضی میں بھی ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ غزوہ بدر میں ابلیس مشرکوں کے پاس سراقہ بن مالک کے بھیس میں آیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، یہاں علامہ کی تحریروں کے کچھ اقتباس نقل کئے جاتے ہیں تا کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ یہ چیز زمانہ قدیم سے موجود ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

''میرے کچھ ساتھیوں نے بتایا کہ انہوں نے مصیبت کے وقت مجھ سے مدد طلب کی، ان میں سے ایک شخص ارمینیوں سے خائف تھا اور دوسرا تاتاریوں سے، دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ جب اس نے مجھ سے مدد طلب کی تو دیکھا کہ میں ہوا میں ہوں اور دشمن سے اس کی مدافعت کر رہا ہوں۔ میں (یعنی ابن تیمیہؒ) نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے تو اس کا احساس بھی نہیں ہوا، نہ میں نے آپ لوگوں کی کسی چیز سے مدافعت کی ہے، یہ شیطان تھا جو آپ میں سے کسی کو نظر آ گیا اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی وجہ سے اس کو گمراہ کر دیا۔''

علامہ مزید فرماتے ہیں کہ ''اس طرح کا معاملہ ہمارے بیشتر مشائخ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ پیش آیا، ان میں سے کوئی شخص شیخ سے مدد طلب کرتا تو دیکھتا کہ شیخ فوراً آ گئے اور اس کی ضرورت پوری کر دی، حالانکہ شیخ کہتے ہیں کہ مجھے اس کا علم بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا۔''

نیز فرماتے ہیں کہ: ''جب مجھے میرے بعض اصحاب نے بتایا کہ اس نے دو آدمیوں سے جن سے ان کو عقیدت تھی، مدد طلب کی تو وہ دونوں آدمی ہوا میں اڑ کر اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ اطمینان رکھو ہم تمہاری مدافعت کریں گے اور ایسا کریں گے ویسا کریں گے، تو میں نے اس سے کہا: کیا ان لوگوں نے کچھ کیا بھی؟ اس نے کہا: کچھ نہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں شیطان تھے، اس لئے کہ اگرچہ شیطان انسان کو کوئی صحیح بات

بتاتے ہیں مگر اس میں اس سے زیادہ جھوٹ کی آمیزش کرتے ہیں جیسا کہ جنات کاہنوں کو بتایا کرتے تھے۔"

۳۔ بیٹر گوڈوین کے شیاطین اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے جیسا کہ مشائخ کی صورت میں آنے والے شیطان ان لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے جن سے وہ حمایت اور مدد کا وعدہ کرتے تھے اور جیسا کہ شیطان راہب سے مدد کا وعدہ کرنے کے بعد اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اس میں اس شخص کی ذلت و رسوائی ہے جو کل لوگوں کی نظر میں بہت معزز و محترم تھا۔

۴۔ بیٹر کا یہ کہنا کہ یہ روحیں اللہ کی طرف سے تائید و مدد ہے، بالکل جھوٹ ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

جن اور اڑن طشتریاں ......!

ان دنوں اڑن طشتریوں کا مسئلہ زیر بحث بنا ہوا ہے چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہیں گزر پاتا کہ یہ بات سننے میں آجاتی ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص نے اڑن طشتری دیکھی جو فضا میں منڈلا رہی تھی، یا زمین کے سینہ پر سوار تھی یا اس سے نکلتے ہوئے ایسی مخلوق دیکھی جو انسانی شکل سے بالکل مختلف تھی حتی کہ دعوی بھی کیا جا رہا ہے کہ اس مخلوق نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ طشتری تک چلنے کے لئے کہا اور اس کی جانچ کی۔

اس قسم کا دعوی نہ صرف یہ کہ گم نام لوگ کر رہے ہیں بلکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر جیسی نمایاں شخصیت کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ۱۹۷۳ء میں صوبہ جارجیا کے آسمان میں ایک اڑتی ہوئی چیز محسوس کی جس کی ماہیت و حقیقت سمجھ میں نہ آسکی۔

صدر موصوف دوسری مخلوق سے جو زمین پر حملہ آور ہونے لگی ہے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ایک سابق صدر امریکہ نے (اخباری اشاعت کے مطابق) ایک ماہر سے گفتگو کی جو اس بات کا قائل تھا کہ کائنات میں انسان ہی واحد مخلوق نہیں ہے۔

صدر جمی کارٹر کے ساتھ تحقیقاتی امور کے مشیر "فرانک پرس" بھی شریک تھے اس کے بعد کارٹر نے قومی صدر گاہ میں کچھ فلمیں دیکھیں جن میں مختصر طور پر بتایا گیا تھا کہ کوکب ارضی سے باہر سکونت پذیر مخلوقات کے متعلق آخری تحقیقات کہاں تک پہنچی ہیں ان فلموں کی نمائش کا کام کارنل یونیورسٹی کے شعبہ تحقیقاتِ کائنات کے ڈائریکٹر کارل سازگن نے انجام دیا، کارل سازگن امریکی فضائی ایجنسی کے ان تمام معاملات میں مرجع کی حیثیت رکھتا ہے جن کا تعلق کوکب ارضی سے باہر سکونت پذیر مخلوقات سے ہے۔(جریدۃ السیاسۃ، کویت، شمارہ ۳۳۹۹ بتاریخ ۱۲/۵/۱۹۷۷ء)

ضمیمہ اخبار "الھدف" کویت مجریہ ۲۳/۳/۱۹۷۸ء میں چین کے صدر سابق ماؤزے تنگ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی کہ وہ دوسرے سیاروں میں ہمارے علاوہ اور دوسری مخلوقات کے وجود پر بھی یقین رکھتے تھے۔مضمون نگار لکھتا ہے کہ تقریباً ۶۰ فیصد امریکی عوام اس کے قائل ہیں۔امریکی اخبارات کا خیال ہے کہ لگ بھگ نصف ملین امریکی باشندوں نے ان طشتریوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا کچھ لوگوں نے براہ راست ان سے ملاقات بھی کی۔

امریکی فلم ساز "اسٹفین اسپیل برگ" نے ایک فلم بعنوان "تیسری صنف سے ملاقات" تیار کی تھی جس کی لاگت بائیس (۲۲) ملین امریکی ڈالر تک پہنچتی ہے۔یہ فلم ان لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کے بعد تیار کی گئی تھی، جنہوں نے اڑن طشتریوں کا مشاہدہ کیا تھا یا ان سے ملاقات کی تھی۔یہ فلم پہلی مرتبہ وائٹ ہاؤس میں دکھائی گئی اس کا مشاہدہ کرنے والے سب سے پہلے صدر امریکہ ہی تھے۔

اس فلم کے منظر عام پر آنے کے بعد امریکی فضائی ایجنسی نے اس میدان میں تحقیق کی ضرورت محسوس کی۔۱۹۷۹ء کی تحقیقات کے لئے کئی ملین ڈالر منظور ہوئے اور اس خفیہ پروگرام کو "سیٹی" کا نام دیا گیا۔

اس پروگرام کا خلاصہ یہ تھا کہ دوسرے سیاروں سے آنے والے وائرلیس پیغامات کی تحقیق و جستجو کے لئے خارجی فضا میں چند مخصوص آلات چھوڑے جائیں گے۔اس جائزہ کے بعد ہم مندرجہ ذیل امور ثابت کر سکتے ہیں:

۱۔ انسان کے علاوہ دوسری عجیب وغریب مخلوقات کے وجود کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔اس لئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں نے اس کو متواتر دیکھا ہے۔میں بھی طویل عرصہ تک اس موضوع پر شائع ہونے والے مضامین پر نظر رکھتا رہا۔چنانچہ تقریبا ہر ہفتہ ایک مضمون ایسا ضرور ملتا جس میں کسی جماعت یا شخص کے اس مخلوق کو دیکھنے کا تذکرہ ہوتا۔

۲۔ لوگ ان طشتریوں کی حقیقت اور ان کو استعمال کرنے والی مخلوق کی حقیقت کی تفسیر کرنے میں حیران و پریشان ہیں، خصوصا جبکہ ان طشتریوں کی رفتار انسان کی ایجاد کردہ کسی بھی سواری سے کہیں زیادہ تیز ہے۔

۳۔ مجھے یقین ہے کہ اس مخلوق کا تعلق جنوں کی دنیا سے ہے جو ہماری اسی زمین پر سکونت پذیر ہے اور جس کے متعلق ہم گفتگو کر چکے اور بتا چکے ہیں کہ ان کے پاس انسانوں سے کہیں زیادہ صلاحیت وطاقت موجود ہے۔انہیں ایسی رفتا ملی ہے جو آواز اور روشنی سے بھی بڑھ کر ہے۔نیز انہیں روپ بدلنے کی بھی صلاحیت عطا کی گئی ہے لہذا یہ مختلف شکل وصورت میں انسان کو نظر آ سکتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان حقائق سے آگاہ کیا، خصوصا جبکہ ہم ان لوگوں کو حیران وپریشان دیکھتے ہیں جو اپنی ذہنی وعلمی صلاحیتوں کو مجتمع کر کے کارآمد رخ پر ڈال سکتے ہیں۔کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کہ ان طشتریوں کے اس زمانہ میں ظاہر ہونے اور گذشتہ زمانہ میں ظاہر نہ ہونے میں کیا راز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنات ہر دور میں اسی دور کے مطابق روپ دھارتے ہیں یہ سائنسی ترقی کا دور ہے اس لئے وہ انسانوں کو ایسے طریقے سے گمراہ کرنا چاہتے ہیں جو ان کو متوجہ کر سکے، آج کی نظریں اس وسیع فضا کو جاننے اور اس میں انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کے وجود کے امکانات کو سمجھنے کے لئے بے چین ہیں۔اس لئے شیاطین بھی اس سے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

باب (۱۱)

شیطان کی تخلیق کا فلسفہ

شیطان تمام خرابیوں اور پریشانیوں کا سرچشمہ ہے وہی دنیوی اور اخروی بربادی کی طرف لے جاتا اور ہر طرف اور ہر جگہ اپنا جھنڈا لہراتا ہے وہ لوگوں کو کفر اور معصیت الٰہی کی طرف دعوت دیتا ہے تو کیا اس کی تخلیق کے پس پشت کوئی حکمت پنہاں ہے۔ اگر ہے تو آخر وہ کون سی حکمت ہے؟ اس سوال کا جواب علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''شفاء العلیل'' (ص/۳۲۲) میں دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''ابلیس اور اس کی فوج کو پیدا کرنے میں اتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کی مکمل تفصیل صرف اللہ کو معلوم ہے۔''

ا۔ شیطان اور اس کے چیلوں سے لڑنے میں عبودیت کے مراتب کی تکمیل:

پہلی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور ولیوں کو عبودیت کے ان مراتب کی معراج پر پہنچانا چاہتا ہے جو اللہ کے دشمن سے لڑنے، اللہ کی خاطر اس کی مخالفت کرنے، اس کو اور اس کے ساتھیوں کو غضب ناک کرنے اور اس کے مکروفریب سے اللہ کی پناہ مانگنے پر ہی حاصل ہوسکتے ہیں۔ نیز اس پر وہ بہت سے دنیوی واخروی مصالح مرتب ہوتے ہیں جو اس کے بغیر نہیں ہوسکتے اور جو چیز کسی چیز پر موقوف ہو وہ اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

۲۔ بندوں کا گناہوں سے ڈرنا:

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب فرشتوں اور مومنوں نے ابلیس کی حالت زار اور اس کا ملکوتیت سے شیطنت کی پستی کی طرف انحطاط دیکھ لیا تو ان کے دل میں گناہوں کا خوف اور زیادہ مضبوط اور گہرا ہوگیا۔ اس میں شک نہیں کہ جب فرشتوں نے اس کو دیکھا تو ان

✿ [یہ باب بھی شیخ عمر سلیمان الاشقر کی کتاب ''عالم الجن والشیاطین'' سے ماخوذ ہے]

کے اندر اللہ تعالیٰ کی اور عبودیت پیدا ہوگئی اور مزید خضوع وخوف پیدا ہوگیا جیسا کہ دنیوی بادشاہ کے غلاموں کی حالت ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ نے ان میں سے کسی کو بری طرح ذلیل کیا ہے تو ان میں سے باقیوں کا خوف واحتیاط اور بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ شیطان سامان عبرت:

تیسری حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان لوگوں کے لئے سامان عبرت بنایا ہے جو اس کے احکام کی مخالفت، اس کی اطاعت سے تکبر اور اس کی نافرمانی پر اصرار کرتے ہیں۔ اسی طرح اس نے ابوالبشر حضرت آدمؑ کی غلطی کو ان لوگوں کے لئے سامان عبرت بنایا جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردی اشیاء کا ارتکاب کرتے ہیں یا اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں پھر اس پر شرمندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن اورنسان دونوں کے باپوں کو گناہ میں ڈال کر ان کی آزمائش کی۔ جنوں کے باپ کو ان لوگوں کے لئے عبرت بنایا جو اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں اور انسانوں کے باپ کو ان لوگوں کے لے عبرت بنایا جو گناہ کے بعد خدا کے حضور میں توبہ واستغفار کرتے ہیں۔ اس کے اندر اللہ کی عظیم حکمتیں اور نشانیاں ہیں۔

۴۔ شیطان بندوں کے لئے فتنہ وآزمائش:

چوتھی حکمت یہ ہے کہ شیطان کسوٹی ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنی مخلوق کا امتحان لیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔ اللہ نے نوع انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ مٹی نرم بھی ہے سخت بھی، اچھی بھی بری بھی، کس کا خمیر کس مٹی سے بنا ہے یہ ظاہر ہونا ضروری ہے جیسا کہ ترمذی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ نے آدم کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا جو تمام زمین سے لی گئی تھی، چنانچہ آدم کی اولاد بھی اسی پر پیدا ہوئی، ان میں اچھے بھی ہیں برے بھی، سخت بھی ہیں اور نرم بھی۔ جو جس مادہ سے بنا ہوگا اس میں وہ مادہ ضرور رہے گا۔ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ اس مادہ کو ظاہر کرے، اس کے اظہار کے لئے ایک سبب ناگزیر تھا، چنانچہ ابلیس کو کسوٹی بنایا گیا۔ جس کے ذریعہ اچھے اور بُرے میں تمیز ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو بھی اس کام کے لئے کسوٹی بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم لوگ اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔'' [آل عمران:۱۷۹]

اس نے رسولوں کو مکلّف بندوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ان میں اچھے بھی تھے اور برے بھی، جو اچھا تھا وہ اچھے کے ساتھ مل گیا اور جو برا تھا وہ برے کے ساتھ ہو گیا۔ اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس نے دارالامتحان یعنی دنیا میں اچھے اور برے تمام لوگوں کو ایک ساتھ رکھا۔ جب وہ دارالقرار یعنی آخرت میں منتقل ہوں گے تو اچھے اور برے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اس علیحدگی میں عظیم حکمت وقدرت مضمر ہے۔

۵۔ متضاد چیزوں کے تخلیق کے ذریعہ کمالِ قدرت کا اظہار:

پانچویں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل اور فرشتے، ابلیس اور شیاطین جیسی متضاد چیزوں کو پیدا کر کے اپنی کمال قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے، یہ اس کی قدرت، مشیت اور قوت کی عظیم ترین نشانی ہے۔ وہ آسمان وزمین، روشنی وتاریکی، جنت وجہنم، آب وآتش، سرد وگرم، اور طیب وخبیث جیسی متضاد چیزوں کا خالق ہے۔

۶۔ ضد کا حسن ضد سے ظاہر ہوتا ہے:

چھٹی حکمت یہ ہے کہ کسی چیز کے ضد کی تخلیق اس کے ضد کے حسن کا کمال ہے کیونکہ ضد کا حسن اس کی ضد ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر بدصورتی نہ ہوتی تو خوبصورتی کی اچھائی سمجھ میں نہ آتی اور غریبی نہ ہوتی تو امیری کی قدر نہ معلوم ہوتی۔

۷۔ شیطان کے ذریعہ آزمائش، تکمیل شکر کا طریقہ:

ساتویں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا مختلف طریقوں سے شکر ادا کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دشمن ابلیس اور اس کی فوج کے پائے جانے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو آزمائش مین ڈالنے کی وجہ سے اللہ کے بندوں نے اللہ کا اتنے

مختلف طریقوں سے شکریہ ادا کیا کہ اگر شیطان نہ ہوتا تو وہ اتنے طریقوں سے اس کا شکرادا نہ کرتے ۔حضرت آدمؑ کے اس شکر میں جب وہ جنت میں تھے اور ابھی وہاں سے نکالے نہیں گئے تھے اور اس شکر میں جب ان کو شیطان کی آزمائش میں مبتلا کردیا گیا پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی، کتنا عظیم فرق ہے۔

۸۔تخلیق ابلیس، عبودیت کی گرم بازاری کا ذریعہ:

آٹھویں حکمت یہ ہے کہ محبت ،انابت ،توکل ،صبر، رضااور اسی طرح کی دوسری چیزیں اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین عبودیت ہے ،اس عبودیت کی تکمیل جہاد ،اللہ کے لیے ایثاروقربانی اوراس کی محبت کو ہرشخص کی محبت پرمقدم رکھنے سے ہوتی ہے۔ جہادعبودیت کا اعلیٰ ترین مقام اور اللہ کی سب سے پسندیدہ بندگی ہے۔ شیطان اوراس کی فوج کی تخلیق میں اسی عبودیت اوراس کے ملحقات کی گرم بازاری مضمرتھی جس کے فوائد، حکمتیں اور مصلحتیں صرف اللہ کومعلوم ہیں۔

۹۔شیطان کی تخلیق اللہ کی نشانیوں کے ظہورکا ذریعہ:

نویں حکمت یہ ہے کہ جواللہ کے رسولوں کی مخالفت کرے،ان کو جھٹلائے اوران سے دشمنی رکھے ایسے شخص کی تخلیق سے اللہ کی نشانیاں اور عجیب وغریب قدرتوں کاظہور ہواور ایسی چیزیں وجود میں آئیں جن کا ہونا اللہ کوزیادہ پسند اوراس کے بندوں کے لئے زیادہ نفع بخش تھا، بہ نسبت ان کے نہ ہونے سے جیسے طوفان، لاٹھی ،ید بیضاء ،سمندر کا پھٹنا ،حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالنا یہ اوراس طرح کی بے شمارنشانیوں کاظہور۔ان سب نشانیوں کے ظہورکے لیے اسباب کا ہونا ناگزیر تھا۔

۱۰۔اللہ کے اسماء کے متعلقات کاظہور:

دسویں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں جن میں ''خافض ''(پست کرنے والا)''رافع''(بلندکرنے والا)''معز''(عزت دینے ولا)''مذل ''(ذلیل کرنے والا)''حکم ''(فیصلہ کرنے والا)''عدل ''(انصاف کرنے والا)''منتقم''

(انتقام لینے والا) وغیرہ بھی ہیں۔ان ناموں کا تقاضا ہے کہ ان کے کچھ متعلقات ہوں جو احسان، رزق اور رحمت وغیرہ معانی کی طرح ان کے معانی کے بھی مظہر ہوں، لہذا ان متعلقات یعنی مظاہر کا وجود ضروری ہے۔

۱۱۔ اللہ کی مکمل حکومت اور کھلے تصرف کے آثار کا ظہور:

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکمل حکومت والا حاکم ہے، اس کی مکمل حاکمیت میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ جس طرح چاہے تصرف کرے، کسی کو ثواب دے کسی کو عذاب، کسی کو عزت دے کسی کو ذلت، کسی کو اس کا منصفانہ حق دے اور کسی کو حق سے بھی زیادہ دے دے، چنانچہ جس طرح اس نے ایک قسم سے متعلق لوگوں کو پیدا کیا اسی طرح دوسری قسم سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی پیدا کرنا ضروری تھا۔

۱۲۔ ابلیس کا وجود اللہ کی کمال حکمت ہے:

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام حکیم ہے۔حکمت اس کی صفت ہے، اس کی حکمت اس بات کو مستلزم ہے کہ ہر چیز اپنی اسی جگہ پر رکھی جائے جو اس کے سوا کسی کے شایان شان نہ ہو۔چنانچہ اللہ کی حکمت اس بات کی مقتضی تھی کہ متضاد چیزیں پیدا کی جائیں اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی اسی صفت اور خصوصیت کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے جو اس کے علاوہ کسی کو زیب نہ دیتی ہو، اسی سے حکمت اپنے درجۂ کمال کو پہنچ سکتی ہے لہذا نوع شیطانی کا وجود کمال حکمت بھی ہے اور کمال قدرت بھی۔

۱۳۔ ابلیس کی تخلیق اللہ کے صبر اور بردباری کے اظہار کا ذریعہ:

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے سامنے اپنی بردباری، صبر، نرمی، وسعت رحمت اور جود وسخاوت کا اظہار کرے، چنانچہ اس کا تقاضا تھا کہ ایسی مخلوق پیدا کی جائے جو اللہ کے ساتھ شرک کرے، اس کے احکام سے سرتابی کرے، اس کی مخالفت کرنے اور اس کو ناراض کرنے میں کوشاں رہے بلکہ اس کی ہمسری بھی کرنا چاہے اور ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو اچھی اچھی نعمتوں

سے نوازے، اس کو خیر و عافیت بخشے، اس کے لئے مختلف قسم کے اسباب راحت فراہم کرے، اس کی دعائیں سنے، اس کی مصیبت دور کرے، اور اس کے ساتھ بالکل اس کے برعکس کفر و شرک کے مقابلہ میں فضل و کرم کا معاملہ کرے۔ یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں اور تعریفیں ہیں۔

ابلیس کے تاقیامت زندہ رہنے کی حکمت

علامہ ابن قیمؒ نے "شفاء العلیل" (ص ۳۲۷) میں اس کا بڑی وضاحت کے ساتھ جواب دیا ہے۔ جو درج ذیل ہے:

بندوں کا امتحان:

چنانچہ علامہ نے جو بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کسوٹی اور آزمائش بنایا ہے جس سے اچھے برے اور دوست دشمن میں تمیز ہو جائے، اسی لئے اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس کو قیامت تک زندہ رکھا جائے تاکہ اس کی تخلیق کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو جائے۔ اگر اس کو مار دیا جاتا تو وہ مقصد فوت ہو جاتا جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اللہ کے کافر دشمنوں کا وجود دنیا میں تاقیامت رہے۔ اگر انہیں بالکل ختم کر دیا جاتا تو بہت سی حکمتیں بیکار ہو جاتیں جو ان کے زندہ رہنے میں مضمر ہیں۔ چنانچہ جس طرح خدا کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ابو البشر آدمؑ کا امتحان لیا گیا اسی طرح ان کے بعد ان کی اولاد کا بھی امتحان ہوگا۔ جو شیطان کی مخالفت اور اس سے دشمنی کرے گا وہ سعادت سے ہم کنار ہوگا اور جو اس کی موافقت اور اس سے دوستی کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔

سابقہ نیک اعمال کے بدلہ میں لمبی عمر:

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چونکہ پہلے سے اللہ کے علم و حکمت میں یہ بات تھی کہ شیطان کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا اور چونکہ وہ اطاعت و عبادت کر چکا ہے تو اللہ

نے اس کو اس کی عبادت واطاعت کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا۔اس طرح کہ اس کو قیامت تک زندگی بخش دی کیونکہ اللہ کسی کو اس کے عمل کی نیکی سے محروم نہیں کرتا، جہاں تک بندہ مومن کا تعلق ہے تو اللہ اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی دے گا،لیکن کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے گا، آخرت میں اس کے لئے کچھ نہ ہوگا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔

گناہوں میں اضافہ کے لیے لمبی عمر:

شیطان کا قیامت تک زندہ رہنا اس کے حق میں عزت وکرامت نہیں کیونکہ اگر وہ پہلے ہی مرجاتا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا اس کے عذاب میں بھی کمی ہوتی اور شر میں بھی لیکن چونکہ معصیت پر اصرار کرنے ،جس ذات کے فیصلہ کو تسلیم کرنا چاہئے اس سے لڑنے ،اس کی حکمت پر اعتراض کرنے اور اس کے بندوں کو اس کی بندگی سے روکنے کی وجہ سے شیطان کا جرم سنگین ترین ہو چکا ہے اس لئے اس کو اس سنگین جرم کی سزا بھی سنگین ہی ملے گی ،چنانچہ اللہ نے اس کو دنیا میں زندہ رکھا اور خوب مہلت دی تاکہ اس جرم کے ساتھ اس کے ذریعہ گناہوں میں اضافہ ہوجائے اور وہ ایسی سزا کا مستحق ہوجائے جو اس کے علاوہ کسی کو نہ دی جاسکتی ہو، چنانچہ وہ جس طرح شر اور کفر میں شرپسندوں کا سردار تھا اسی طرح سزا میں بھی ان کا سردار بن جائے گا،چونکہ ہر برائی کی جڑ اسی سے نکلتی تھی اس لئے جہنم میں بھی اس کو اسی طرح سزا دی جائے گی یعنی جہنمیوں کو جو عذاب ہوا کرے گا اس کی ابتدا شیطان سے ہوگی پھر وہ اس کے پیروکاروں تک پہنچے گا، یہ اللہ کا انصاف اور عظیم حکمت ہے۔

اس کو لمبی عمر دی گئی تاکہ مجرموں پر مسلط ہوجائے:

شیطان کو تا قیامت زندہ رکھنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے رب سے جھگڑا کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿قَالَ اَرَءَ یْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ [الاسراء:۶۲]

''پھر وہ بولا دیکھ تو سہی ، کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اسے مجھ پر فضیلت دی ؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں گا ، بس تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آدمؑ کی ذریت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اس کے گھر میں رہنے کے قابل نہ ہوں گے ان کی وہی حیثیت ہوگی جو کوڑے کرکٹ کی ہوتی ہے، اس لیے اللہ نے ان کے لئے شیطان کو زندہ رکھا اور بزبان تقدیر فرمایا کہ یہ ہیں تیرے دوست اور فرمانبردار تو ان کے انتظار میں بیٹھ ۔ جب ان میں سے کوئی تیرے پاس سے گزرے تو پکڑ لے ۔ اگر وہ میرا مطیع ہوگا تو اس کو تیرے قبضہ میں نہیں دوں گا کیونکہ میں مطیع اور فرمانبردار بندوں کا نگہبان ہوں اور تو مجرموں کا سرپرست ہے جو میری دوستی اور خوشنودی سے بے نیاز ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِکُوْنَ﴾ [النحل:۹۹۔۱۰۰]

''اسے ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے ہیں اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔''

رہا انبیاء اور رسولوں کو موت آنا تو یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ وہ اللہ کے نزدیک حقیر تھے بلکہ اس لئے ہوا کہ تا کہ وہ اللہ کی باعزت جگہ میں پہنچ جائیں اور دنیا کی مصیبتوں نیز اپنوں اور غیروں کی تکلیفوں سے چھٹکارا حاصل کرلیں تا کہ اللہ ان کے بعد دوسرے رسولوں کو پیدا کرے ، ان کی موت ان کے اور ان کی امت دونوں کے لیے ٹھیک ہے۔ ان کے لئے اس لئے کہ انہیں دنیا سے نجات مل گئی اور وہ انتہائی سرور ولذت کے ساتھ رفیق اعلیٰ سے جا ملے ۔ اور امت کے لئے اس لئے کہ ان کی امت صرف ان کی زندگی میں اطاعت کی پابند نہ تھی بلکہ ان کی زندگی کی طرح موت کے بعد بھی

اطاعت کی پابند تھی، نیز ابنیاء کے پیروکار اپنے انبیاء کی نہیں بلکہ ان کے حکم سے اللہ کی عبادت کرتے تھے اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے اس کو کبھی موت نہیں۔ گویا انبیاء کی موت میں ان کے اور ان کی امت کے لئے بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

اس کے ساتھ تمام انبیاء بشر تھے اور اللہ نے بشر کو دنیا میں ہمیشہ رہنے والی مخلوق بنا کر نہیں پیدا کیا بلکہ ان کو زمین میں خلیفہ یعنی جانشین بنایا کہ ایک کے بعد دوسرا ان کا قائم مقام بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ہمیشہ زندہ رکھتا تو ان کو خلیفہ بنانے میں جو حکمت و مصلحت تھی، وہ فوت ہو جاتی اور ان کے لئے زمین کا دامن تنگ ہو جاتا، موت ہر مومن کا نقطہ کمال ہے، اگر موت نہ ہوتی تو دنیا کی زندگی میں کوئی لطف نہ ہوتا اور لوگوں کو دنیا میں کوئی خوشی نہ ہوتی، گویا زندگی کی طرح موت میں بھی حکمت ہے۔

بنی آدم کو ہلاک کرنے میں شیطان کہاں تک کامیاب ہوا؟

جب شیطان نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ نے اس کو اپنی جنت اور رحمت سے بے دخل کر کے اس پر غضب و لعنت بھیجی تو اس نے اللہ کے سامنے اپنے آپ سے یہ عہد کرلیا کہ وہ ہمیں گمراہ کر کے رہے گا اور ہم سے اپنی عبادت کروائے گا۔

﴿لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ﴾

”(وہ اس شیطان کی عبادت کرتے ہیں) جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے اور جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا، میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزؤں میں الجھاؤں گا۔“ [النساء:۱۱۸۔۱۱۹]

﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [الاسراء:٦٢]

”پھر وہ بولا دیکھ تو سہی کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے اس کو مجھ پر فضیلت دی؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں، تھوڑے ہی لوگ مجھ سے بچ سکیں گے۔“

تو شیطان بنی نوع انسان کو گمراہ کرنے کے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا؟ تاریخ

انسانیت پر نظر دوڑانے والا یہ دیکھ کر دنگ رہ جائے گا کہ کتنے لوگ گمراہ ہیں اور انہوں نے کس طرح رسولوں اور آسمانی کتابوں کو جھٹلایا اور اللہ کا انکار کر دیا اور اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک ٹھہرایا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَاءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [المومنون:۴۴]

''پھر ہم نے مسلسل اپنے رسول بھیجے، جس قوم کے پاس بھی ان کا رسول آیا اس نے اسے جھٹلایا اور ہم ایک کے بعد ایک قوم کو ہلاک کرتے چلے گئے حتیٰ کہ ان کو بس افسانہ ہی بنا چھوڑا، پھٹکار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔''

عصر حاضر میں ہم جہاں کہیں دیکھیں ہر جگہ شیطان کے ماننے والوں کا شور سنائی دے گا۔ وہ شیطان کا جھنڈا اٹھائے اس کے افکار ونظریات کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں پر ظلم وستم ڈھا رہے ہیں۔ شیطان اپنے مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوا؟ اس کا پتہ ہمیں اس بات سے بھی چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدمؑ کو حکم دیں گے وہ اپنی ذریت میں سے جہنمی جماعت کو الگ کریں، جب آدمؑ اس جماعت کی تعداد کے متعلق پوچھیں گے تو اللہ فرمائے گا کہ ننانوے جہنم میں ایک جنت میں۔ ایک روایت میں ہے کہ نوسو ننانوے جہنم میں ایک جنت میں۔

اسی سے شیطان کا اس ذریت کے بارے میں اپنا خیال صحیح ثابت ہوا، انہوں نے نہ تو اپنے باپ کے ساتھ جو ہوا اس سے عبرت پکڑی اور نہ اپنے اسلاف پر جو گزری اس سے سبق حاصل کیا اور یہ ملعون انہیں تباہی کی طرف لے جاتا رہا بلکہ بسا اوقات وہ خود جہنم کی طرف دوڑ میں شیطان سے آگے نکل گئے۔ کتنی بری بات ہے کہ ایک دشمن کا خیال اپنے دشمن کے بارے میں صحیح ثابت ہو:

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''ان کے معاملہ میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پایا اور انہوں نے اس کی پیروی کی بجز ایک تھوڑے سے گروہ کے جو مومن تھا۔'' [سبا:۲۰]

انسان کے لئے یہ خراب بات ہے کہ اس کے بارے میں شیطان کا خیال صحیح ثابت

ہو یعنی وہ اس دشمن کی اطاعت کرے اور اپنے رب کا نافرمان ہو جائے ۔معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے جس کا بیان یا تصور ممکن نہیں ، چنانچہ عراق اور دوسرے علاقوں میں ایسی بھی جماعت ہے جو اپنے آپ کو ''شیطان کے بندے'' کہتی ہے ،بعض مصنفین کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شیطان کی قسم کھاتے ہیں، کتنا تعجب خیز ہے ان کا یہ رویہ!

ہلاک ہونے والوں کی اکثریت سے دھوکہ نہ کھایا جائے :

عقلمند انسان کو ہلاک ہونے والوں کی اکثریت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اللہ کی میزان میں اکثریت کا کوئی اعتبار نہیں ،اعتبار صرف حق کا ہے ،خواہ حق پرستوں کی تعداد اقلیت میں کیوں نہ ہو۔

آپ بھی حق پرستوں میں شامل ہو جایئے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ،اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول مانتے اور جانتے ہیں ، جو شیطان اور اس کے پیروکاروں کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور ان سے ہر طرح سے برسرپیکار ہیں ،دل سے برا مان کر، زبان سے بول کر، ہاتھ سے لکھ کر، حق پر عمل کر کے ،اور سب سے پہلے اللہ کے دربار میں سر بسجود ہو کر اور اس کے دین پر عامل بن کر۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [البقرۃ:۲۰۸۔۲۰۹]

''اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو صاف صاف ہدایات تمہارے پاس آ چکی ہیں اگر ان کو پالینے کے بعد پھر تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔''

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ان لوگوں میں شامل کرے جو پورے طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں ۔(امین)

باب (۱۲)

ابلیس کی حقیقت......(فرشتہ یا جن؟)

ابلیس کہ جس کی اصل جن ہے، کے لغوی معنی پر روشنی ڈالتے ہوئے ابویعلیٰؒ فرماتے ہیں:

''جن ،یعنی 'مستور' اصلاً 'استتار' سے مشتق ہے۔'جن' سے 'جنین' یعنی وہ بچہ جو ماں کے رحم میں ہو اور نظر نہ آئے اور 'مجنون' الفاظ نکلے ہیں کیونکہ پاگل کا خیال عقل مستور ہوتا ہے۔''(۱)

اسی طرح ''بہشت'' کو ''جنت'' بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مستور ہے اور ہماری نظریں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ ''ابلیس'' پہلے فرشتوں میں انتہائی عابد، پرہیز گار، عالم اور مجتہد بلکہ دربارِ الٰہی کا مقرب ترین فرشتہ تھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے مردود ٹھہرا۔بعض لوگ اسے معلم الملکوت ،طاؤس الملائکہ، خازن الجنۃ ،اشرف الملائکہ ،رئیس الملائکہ اور نہ جانے کیا کیا بتاتے ہیں لیکن فی الواقع ملائکہ میں اس کی فضیلت تو درکنار بنیادی طور پر اس کا فرشتہ ہونا بھی انتہائی مشکوک بات ہے۔صحابہ کرامؓ کے دور سے ہی ''ابلیس'' کا فرشتہ ہونا ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے، چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

''اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا وہ پہلے ملائکہ میں سے تھا، لیکن جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اسے مسخ کر دیا گیا یا اصلاً وہ ملائکہ میں سے نہیں تھا۔اس کے متعلق دو اقوال مشہور ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ کتاب التفسیر میں کیا جائے گا۔''(۲)

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ملعون ٹھہرائے جانے سے قبل اس کا نام ''ابلیس'' نہ تھا بلکہ اللہ کی رحمت سے مایوس، ناکام ونامراد ہونے کے بعد اس کا نام ''ابلیس'' پڑ گیا تھا۔عربی لغت

✿ [یہ باب فضیلۃ الشیخ غازی عزیر مبارکپوری کے مقالہ پر مشتمل ہے جو ماہنامہ 'محدث' لاہور (جلد ۲۱ /عدد ۱) ۱۹۹۰ء اور بعض دیگر جرائد میں شائع ہو چکا ہے]

(۱) [غرائب الجن والشیاطین کمایصورھا القرآن والسنته للشبلی (ص ۲۰۹، ۲۱۱) طبع دار الریاض]

(۲) [فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر عسقلانیؒ (ج۶،ص ۳۳۹، ۳۴۰)]

میں ''ابلیس'' اور ''ابلاس'' چونکہ انتہائی مایوس و نامراد اور دل شکستہ ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے لہذا ''ابلیس'' کا نام ''ابلیس'' اس کی مایوسی و ناکامی و نامرادی اور دل شکستگی کی حالت کے پیش نظر ہی پڑا تھا۔ اس امر کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک یہ روایت پیش کی جاتی ہے:

((کان اسم ابلیس حیث کان مع الملائکة عزازیل ثم ابلیس)) (۱)

''ابلیس کا نام جب وہ ملائکہ کے ساتھ تھا تو عزازیل تھا بعد میں ابلیس پڑ گیا۔''

علامہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''...... پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدمؑ کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا۔ اس نے نہ مانا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں، اس سے بڑی عمر والا ہوں اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لیے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندۂ درگاہ شیطان بنا دیا۔'' (۲)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں ''ابلیس'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اصل میں لفظ مبلسون استعمال ہوا ہے جس کا پورا مفہوم مایوسی سے ادا نہیں ہوتا (۳) بَلَسَ اور اِبْلَاسُ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے حیرت کی وجہ سے دنگ ہو کر رہ جانا، خوف اور دہشت کے مارے دم بخود ہو جانا، غم و رنج کے مارے دل شکستہ ہو جانا، ہر طرف سے ناامید ہو کر ہمت توڑ بیٹھنا اور اسی کا ایک پہلو مایوسی و نامرادی کی وجہ سے برافروختہ

---

(۱) [رواه الطبری وابن ابی الدنیا و كذافی فتح الباری (ج٦، ص ٣٣٩)]

(۲) [تفسیر ابن کثیر مترجم (ج۱، ص ۹۸) طبع نور محمد کارخانہ تجارت کراچی]

(۳) [حالانکہ اس سے قبل خود مولانا مودودیؒ مرحوم ''ابلیس'' کی شرح میں یوں فرما چکے ہیں:

''لفظی ترجمہ انتہائی مایوس، اصطلاحاً یہ اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدمؑ اور بنی آدم کے لیے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے اس کو الشیطان بھی کہا جاتا ہے درحقیقت شیطان اور ابلیس بھی محض کسی مجرد قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بھی انسان کی طرح ایک صاحب تشخص ہستی ہے۔'' تفہیم القرآن للمودودی (ج۱، ص ٦٥، ٦٦)]

(DESPERATE) ہو جانا بھی ہے جس کی بنا پر شیطان کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔ اس نام میں یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ یاس اور نامرادی (FRUSTRATION) کی بناء پر اس کا زخمی تکبر اس قدر برانگیختہ ہو گیا ہے کہ اب وہ جان سے ہاتھ دھو کر ہر بازی کھیل جانے اور ہر جرم کا ارتکاب کر گزرنے پر تلا ہوا ہے۔"(۱)

بعض روایات میں "عزازیل" کے علاوہ "ابلیس" کے چند اور نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً: حارث (۲) اجدع، (۳) خزب (۴) وھان (۵) حباب (۶) حیات (۷) علوان (۸) حمدون (۹) نغموس (۱۰) اور حکم وغیرہ اسی طرح بعض مفسرین نے اس کی کنیت "ابومرہ" "ابوالکروبیین"(۱۱) اور ابوکردوس (۱۲) بیان کی ہے۔ لیکن علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم (کے مطالعہ) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نام (سجدہ آدمؑ کے) واقعہ سے بھی قبل ابلیس ہی تھا(۱۳)۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ کی یہ رائے زیادہ قوی اور باوزن معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم!
ذیل میں اب اس مسئلہ پر کہ آیا "ابلیس" فرشتہ تھا یا نہیں؟ فریقین کے دلائل اور ان کا علمی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

---

(۱) [تفھیم القرآن للمودودی (ج۱، ص ۲۹٤، حاشیہ ۷۳)]

(۲) [رواہ احمد ج٥، ص ۱۱ وابن جریر والترمذی وابن ابی حاتم فی تفسیر و کذافی الابن کثیر مترجم (ج۳، ص ۱۰٤) وفتح المجید (۳۹۹، ٤۰۰)]

(۳) [سنن ابوداؤد مع عون ألعبود، ج٤، ص ٤٤٥]

(٤) [سنن ابن ماجه و کذافی میزان الاعتدال للذهبی ج۱، ص ٦٢٥] (٥) [ایضاً]

(٦) [رواہ ابو بکربن ابی شیبه] (۷) [رواہ طبرانی]

(۸) [رواہ ابن عدی و کذافی الفوائد المجموعته للشوکانی، ص ٤۷۲، والموضوعات لابن الجوزی ج۱ص ۱٥۸، وتنزیة الشریعة المرفوعة لابن عراق الکنانی، ج۱ص ۱۷٤ ومیزان الاعتدال للذهبی ج۱، ص ۲۰۰، ۲۰۲] (۹) [ایضا] (۱۰) [ایضا]

(۱۱) [کذافی الکتاب لابن خالویه]

(۱۲) [نقاش کا یہ قول البدایة والنھایة لابن کثیر ج ۱ ص ٥۸، ۷۳ پر مذکور ہے]

(۱۳) [فتح الباری لابن حجر ج ٦، ص ۳۳۹]

فریق اول (یعنی ابلیس کو فرشتہ کہنے والوں) کے دلائل:

علامہ ابوبکر عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ''ابلیس ملائکہ میں سے تھا کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ''اور جس وقت ہم نے حکم دیا کہ آدمؑ کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ تو سب سجدے میں گر پڑے، بجز ابلیس کے۔'' [بقرۃ۔۳۴۔لأسراء۔۶۱،الکہف۔۵۰،طہ۔۱۱۶]

اس آیت میں واضح طور پر ابلیس کا استثناء کسی غیر جنس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اہل عرب کے نزدیک یہ امر مشہور و معروف ہے پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ تمام نان بائیوں نے دوکان کھولی سوائے فلاں کے، تو اس قول میں ''فلاں'' سے مراد کوئی دوسرا نان بائی ہوگا۔ اس ''فلان'' سے قائل کی مراد لوہار ہو تو قائل کا یہ قول حسن نہیں سمجھا جائے گا۔ اس کی مثال تو وہی ہوگی کہ کوئی کہنے والا یوں کہے کہ میں نے انسانوں کو دیکھا سوائے گدھے کے۔ یہاں پر کوئی شخص استثناء از غیر جنس کی شہادت کے طور پر عربی کا یہ شعر پیش کرسکتا ہے:

وبلدہ لیس بھا انیس الا الیعافیر و الا العیس

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ''یعافیر اور ''عیس'' دونوں ایک ہی جنس (یعنی ''ایناس'' کی جنس) سے ہیں لہٰذا اس شعر میں ان کا استثناء انہیں جنسِ ''ایناس'' سے جدا نہیں کردیتا البتہ اس مقام پر کسی ''آدمی'' یا ''جن'' کا ذکر ہوتا تو بلاشبہ یہ استثناء غیر از جنس نہیں ہے نیز یہ کہ مذکورہ بالا آیت اس امر کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ ابلیس یقیناً فرشتوں میں سے تھا ورنہ اس کا سجدہ نہ کرنا ہرگز باعث ملامت وعتاب قرار نہ پاتا۔ جب اس کو سجدہ کا حکم ہی نہیں دیا گیا تھا تو اس کی حیثیت تو محض ایک مناظر کی رہ جاتی ہے اس کو مردود ٹھہرانے والی بات اس کا یہ متکبرانہ قول تھا ''انا خیر منہ'' (یعنی میں اس سے بہتر ہوں) یہ کہہ کر اس نے حکم باری تعالیٰ کی خلاف ورزی کی۔ اور اس کے غضب کو اپنی جانب موڑ لیا۔ اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ بادشاہ وقت امتناعی اعلان کرے کہ، بزاز (پارچہ فروش) اپنی دکانیں نہ کھولیں۔ اس اعلان کی وجہ سے بزاز تو دکانیں نہ کھولیں مگر نان بائی اپنی اپنی دکان کھول لیں تو ان کو ہدف ملامت بنانا قطعاً درست نہیں کیونکہ وہ اس شاہی ممانعت میں سرے سے داخل ہی نہیں ہیں [(۱)]۔

(۱) [غرائب الحن و الشیاطین للشبلی (ص ۲۰۹،۲۱۰)]

علامہ ابو بکر عبدالعزیزؒ نے اپنی کتاب "التفسیر" میں بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ بلاشبہ ابلیس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا ان کی سب سے بڑی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے آں رحمہ اللہ، اس امر میں علماء کے تمام اختلافات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر ابلیس ملائکہ میں سے نہ ہوتا تو باری تعالیٰ کے سجدہ کرنے کے حکم سے وہ خارج ہوتا...... کیونکہ سجدہ کے اس حکم کے مامور تو فقط ملائکہ تھے۔ ہمارا اجماع ہے کہ وہ بھی اس سجدہ کے لئے مامور تھا اکثر مفسرین اور ابن عباسؓ وغیرہ نے ابلیس کو مامور بالسجدہ قرار دیا ہے۔ ابن مسعودؓ، صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت، سعیدؒ بن المسیب، بعض دوسرے اصحاب علم وفضل اور متکلمین کی ایک جماعت ابلیس کے مامور بالسجدہ ہونے کی قائل ہے۔ [ایضا]

ابو یعلیٰؒ بیان کرتے ہیں: "میں نے ابو اسحاق بن شاقلاؒ کی تعلیقات میں دیکھا ہے کہ ابو اسحاق نے اپنے شیخ (یعنی ابو بکر عبدالعزیزؒ) سے کسی کو سوال کرتے ہوئے سنا، کیا ابلیس ملائکہ سے تھا؟ آں رحمہ اللہ نے جواب دیا، امر بالسجود یہی بتاتا ہے، اگر ابلیس ملائکہ میں سے نہ ہوتا تو وہ مامور نہ ہوتا۔ [ایضاً]

ابلیس کے ملائکہ کی جنس سے ہونے اور ملائکہ کے درمیان اس کی فضیلت بیان کرنے والی بہت سی روایات کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ((قال ابن عباس کان ابلیس من اشرف الملائکة واکرمهم و کان خازنا علی الجنان و کان له سلطان سماء الدنیا و کان له سلطان الارض)) (البدایة والنهایة ج ۱ ص ۵۵)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ابلیس اشرف الملائکہ اور ان میں سب سے مکرم قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ جنتیوں کا خازن تھا۔ اس کی بادشاہت آسمان دنیا اور زمین پر قائم تھی۔"

یہ روایت بطریق "قاسم بن الحسن حدثنا الحسین بن داؤد حدثنی حجاج عن ابن جریج قال ابن عباس نحوہ" مروی ہے۔ لیکن اس طریق میں ایک راوی "سنید حسین بن داؤد" ہے جس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ

"اپنی معرفت وامامت کے باوجود ضعیف ہے۔" امام نسائیؒ فرماتے ہیں: "یہ ثقہ نہیں ہے" علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "نسائیؒ نے اسے کمزور قرار دیا ہے، اس سے ایسی احادیث مروی

ہیں جن کا ائمہ نے انکار کیا ہے۔''ابو حاتمؒ نے اسے ''صدوق'' قرار دیا ہے۔علامہ ھیشمیؒ فرماتے ہیں: ''امام احمدؒ نے اس کی تضعیف کی ہے لیکن ابن حبانؒ اور ابو حاتم الرازیؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔''(۱)

اس طریق کا دوسرا مجروح راوی ''حجاج بن محمد المصیصی الاعور'' ہے جسے علامہ ذہبیؒ اور علامہ عجلیؒ نے ''ثقہ'' اور امام احمدؒ نے ''أحفظ'' قرار دیا ہے۔لیکن ابن معین فرماتے ہیں کہ ''اختلاط کرتا تھا''۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ''ثقہ اور ثابت ہے لیکن آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔''(۲)

اس طریق کا تیسرا مجروح راوی ''عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج'' ہے۔جو علامہ عجلیؒ اور علامہ ابن حجرؒ کے نزدیک ثقہ تو ہے لیکن امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ
''مدلس ہے اور ارسال کرتا ہے۔''علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کی ''تدلیس'' کی طرف اشارہ کیا ہے۔ابن حبانؒ نے عبدالملک بن عبدالعزیز کا ذکر اپنی کتاب ''الثقات'' میں کیا ہے۔یحییٰ بن سعیدؒ اور خراشؒ کا قول ہے کہ ''صدوق'' تھا۔ذہلیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر ''حدثنی'' اور ''سمعت'' کے ساتھ روایت کرے تو اس کی حدیث قابل احتجاج ہوتی ہے۔''علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے عبدالملک بن عبدالعزیز کو اپنی کتاب ''تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس'' کے مرتبہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔یہ وہ طبقہ ہے جس کے اکثر رجال کی احادیث کے ساتھ ائمہ نے احتجاج نہیں کیا تاوقتیکہ وہ اپنے سماع کی صراحت نہ کریں۔اس طبقہ میں بعض ایسے رجال بھی ہیں جن کی احادیث کا مطلقا رد کیا گیا ہے۔امام نسائیؒ وغیرہ نے عبدالملک بن عبدالعزیز میں ''تدلیس'' کا وصف بیان کیا ہے۔امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ ''ابن جریج کی

(۱) [تقریب التهذیب لابن حجر ج۱، صفحه ۱۷۵، ۳۳۵، میزان الاعتدال للذهبی ج۱، صفحه ۵۳۴، ج۲، صفحه ۲۳۶، مجمع الزوائد للهیثمی ج۵، صفحه ۲۳۸، سلسلة الاحادیث الضعیفه والموضوعة للالبانیؒ ج۲، صفحه ۳۱۴، فهارس مجمع الزوائد للزغلول ج۳، صفحه ۳۰۴]

(۲) [معرفة الثقات للعجلیؒ ج۱، صفحه ۲۸۶، تقریب التهذیب لابن حجرؒ ج۱، صفحه ۱۵۴، تهذیب التهذیب لابن حجرؒ ج۲، صفحه ۲۰۵، میزان الاعتدال للذهبی ج۱، صفحه ۴۶۴، تاریخ بغداد للخطیب ج۸، صفحه ۲۳۶، تحفة الاحوذی للمبارکفوری ج۱، صفحه ۱۶۹]

تدلیس، شر التدلیس کی قبیل سے ہے کیونکہ وہ قبیح التدلیس ہے۔" امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس کی "تدلیس" کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ عبداللہ بن احمدؒ اپنے والد امام احمد ابن حنبلؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ "ابن جریج نے جن احادیث میں ارسال کیا ہے ان میں سے کچھ احادیث موضوع ہیں۔"(۱)

۲۔((عن ابن عباسؓ قال :ان من الملائکۃ قبیلۃ من الجن کان ابلیس منھا وکان یسوس مابین السمآء والارض))(۲)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ملائکہ میں سے ایک قبیلہ جنوں کا ہے، ابلیس اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور آسمان و زمین کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر حکمرانی کرتا تھا۔"

یہ روایت بطریق "ابن جریج عن صالح مولیٰ التوأمۃ و شریک بن ابی تمر مروی ہے۔" ابن جریج پر علمائے جرح و تعدیل کی جرح اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس سند کا دوسرا مجروح راوی "صالح بن نبہان مولیٰ التوأمہ" ہے۔ جس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"صدوق تھا لیکن آخر عمر میں اختلاط کرتا تھا۔" علامہ ذہبیؒ بیان کرتے ہیں: "اصمعیؒ کا قول ہے کہ شعبہؒ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس سے روایت لینے سے دوسروں کو منع بھی فرماتے تھے۔" "مالکؒ" کا قول ہے کہ "ثقہ نہیں ہے۔" "عبداللہ بن احمدؒ نے یحییٰ بن معینؒ کے متعلق بیان کیا ہے کہ "انہوں نے فرمایا، قوی نہیں ہے۔" "یحییٰ القطانؒ کا قول ہے: "لم یکن بثقۃ" "ابن عیینہؒ فرماتے ہیں:" وہ اختلاط کرتا تھا پس اس کو ترک کیا گیا ہے" امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ "ضعیف ہے۔" "ابن معینؒ کا قول ہے کہ "ثقہ تھا لیکن وفات سے پہلے اس میں تخریف آ گئی تھی، پس جس نے اس سے اس تخریف کے آنے سے قبل کچھ سنا تو وہ ثابت ہے۔" "ابو حاتمؒ" کا قول ہے کہ "وہ قوی نہیں ہے۔" "ابن مدینیؒ نے اس کی

(۱) [تقریب التھذیب لابن حجرؒ (ج ۱، صفحہ ۵۲۰) تھذیب التھذیب لابن حجرؒ ج ۲، صفحہ ۴۰۲، تعریف اھل التقدیس لابن حجرؒ صفحہ ۹۵، میزان الاعتدال للذھبیؒ ج ۲، صفحہ ۶۵۹، معرفۃ الرواۃ للذھبیؒ صفحہ ۱۳۹، الاسامی والکنیٰ لاحمد بن حنبلؒ صفحہ ۸۶، معرفۃ الثقات للعجلیؒ ج ۲، صفحہ ۱۰۴، تھذیب الکمال للحافظ المزیؒ ج ۲، صفحہ ۱۳۹، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۱، صفحہ ۱۶۹، ۳۴۱]

(۲) [رواہ ابن جریر الطبری و کذا فی البدایۃ والنھایۃ لابن کثیرؒ ج ۱، صفحہ ۵۵]

''توثیق'' کی ہے۔ ''امام احمدؒ بھی اسے ''صالح الحدیث'' بتاتے ہیں۔ابن حبانؒ بیان کرتے ہیں کہ ''۱۱۵ھ میں اس کے اندر تغیر آ گیا تھا پھر وہ ایسی خبریں لایا جو ثقات کی طرف سے موضوعات بیان کرنے کے مشابہ تھیں۔اس کی حدیث میں اختلاط موجود ہے۔اس کی قدیم حدیث میں خیر ہوتی ہے لیکن بعد میں وہ تمیز نہ کر پایا چنانچہ مستحق ترک ہے۔''(۱)

۳۔ ((لما فرغ الله من خلق ماأحب استوىٰ على العرش فجعل ابليس على ملك الدنيا و كان من قبيلة من الملائكة يقال لهم الجن وانما سموا الجن لانهم خزان الجنة و كان ابليس ملكه خازنا فوقع فى صدره انما اعطانى الله هذه المزية لى على الملائكة))(۲)

''جب اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے فارغ ہوا تو عرش پر مستوی ہونا پسند فرمایا پھر ابلیس کو دنیا کا ملک بنایا۔وہ ملائکہ کے اس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جس کو جن کہتے ہیں۔ان کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جنت کے خزان ہیں اور ابلیس بھی بمع ملائکہ اس کا ایک خازن تھا،پھر اس کے دل میں یہ تکبر پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دوسرے فرشتوں پر یہ فضیلت (میری لیاقت کی وجہ سے) دی ہے۔''

یہ روایت بطریق ((موسىٰ بن هارون الهمدانى حدثنا عمروبن حماد حدثنا اسباط بن نصر عن السدى فى خبر ذكره عن ابى مالك وعن ابى صالح عن

---

(۱) [تقریب التهذیب لابن حجر ج۱،صفحه ۳۶۳،الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمه ۳۰۱،المجروحین لابن حبان ج۱،صفحه ۳۶۵، الکبیر للبخاری ج۴،صفحه ۲۹۱،الضعفاء الکبیر للعقیلی ج۲،صفحه ۲۰۴ ،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۴،صفحه ۴۱۶،الکامل فی الضعفاء لابن عدی ج۴،ترجمه ۱۳۷۳،میزان الاعتدال للذهبی ج۳،صفحه ۳۰۲ ،المجموع فی الضعفاء والمتروکین للسیروان صفحه ۱۳۱ ،تحفة الاحوذی للمبارکفوری ج۱،صفحه ۵۰،۲۳۸، مجمع الزوائد للهیثمی ج۱،صفحه ۲۹۸،ج۲،صفحه ۱۴۸ ،فهارس مجمع الزوائد للزغلول ج۳صفحه ۳۰۹،سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة للالبانی ج ۱،صفحه ۲۴۹،ج۳،صفحه ۹۶، سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ج۱،صفحه ۱۱۶،ج۴،صفحه ۱۳۲]

(۲) [کذا فی البدایة والنهایة لابن کثیر ج۱،صفحه ۵۵]

ابن عباس وعن مره الهمدانی عن عبدالله بن مسعود وعن اناس من اصحاب رسول اللہ ﷺ)) مروی ہے۔اس سند میں مجروح راوی موجود ہیں۔

پہلا عمرو بن حماد طلحہ القناد ہے، جسے علامہ حجر عسقلانیؒ، ابن معینؒ، ابو حاتمؒ، اور علامہ ذہبیؒ نے ''صدوق'' لکھا ہے مگر ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ ''وہ رافضہ میں سے تھا۔'' امام حجرؒ نے بھی اس کے ''رفض'' کا ذکر فرمایا ہے۔علامہ ذہبیؒ نے اس سے مروی ایک منکر حدیث اس کے ترجمہ میں نقل کی ہے۔(۱)

اس سند کا دوسرا مجروح راوی ''اسباط بن نصر الهمدانی ہے۔جس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''صدوق تو تھا مگر کثرت کے ساتھ خطا کرتا تھا۔'' علامہ ذہبیؒ بیان کرتے ہیں: ''یہ سدی کے علاوہ اور کسی سے روایت نہیں کرتا۔'' ابن معینؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔امام احمدؒ نے توقف فرمایا ہے۔ابو نعیمؒ نے تضعیف کی ہے۔اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ ''وہ قوی نہیں ہے۔'' امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ الاوسط میں اسے 'صدوق' لکھا ہے۔ابن حبانؒ نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب 'الثقات' میں کیا ہے۔موسیٰ بن ہارونؒ کا قول ہے کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔(۲)

۴۔((عن ابن عباس ؓ قال : کان ابلیس من حی من احیاء الملائکة یقال لهم الجن خلقوا من نار السموم من بین الملائکة .))(۳)

''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔جن کو ''جن'' کہا جاتا ہے،اس کو فرشتوں کے درمیان نار سموم یعنی جلتی ہوئی آگ کی لپٹ سے پیدا کیا گیا تھا۔''

اس روایت کو طبریؒ نے بطریق ابو کریب بن عثمان بن سعید حدثنا بشر بن عمارة عن ابی

(۱) [تقریب التهذیب لابن حجر ج۲،صفحه ۶۸،میزان الاعتدال للذهبی ج۳،ص ۲۵۴]

(۲) [تقریب التهذیب لابن حجر ج۱،صفحه ۵۳،تهذیب التهذیب لابن حجر ج۱،صفحه ۲۱۲،میزان الاعتدال للذهبی ج۱،صفحه ۱۷۵،معرفة الرواة للذهبی ۶۴،۶۵،تحفة الاحوذی للمبارکفوری ج۴،صفحه ۳۶۱ ، سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ج۲،صفحه ۶۰۱،ج۴،صفحه ۱،۲۳۶،۳۰ الکاشف للذهبی ج۱،صفحه ۱۰۵]

(۳) [رواه الطبرانی]

روق عن الضحاک عن ابن عباس روایت کیا ہے۔لیکن اس کی سند میں بھی ایک مجروح راوی "بشر بن عمارہ" ہے جو عند المحدثین انتہائی "ضعیف" ہے۔اس کے بارے میں:

ابو حاتمؒ فرماتے ہیں: "قوی نہیں ہے۔" امام بخاریؒ فرماتے ہیں: "لن نعرفه وننكره" امام نسائیؒ نے اس کی "تضعیف" کی ہے۔ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اس قدر خطاء کرتا ہے کہ حد احتجاج سے خارج ہے۔" علامہ ذہبیؒ نے بھی امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ کے اقوال نقل فرمائے ہیں۔(1)

۵۔((عن قتادہ قال ، کان ابلیس عاشر عشرۃ من الملئکة علی الریح))

"قتادہؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ہوا پر مقرر شدہ دس فرشتوں میں سے ایک فرشتہ تھا"

اس روایت کو ابو بکر قرشیؒ نے بطریق "ابراہیم سعید حدثنا نضر بن علی حدثنا نوح بن قیس عن ابی یسر بن جرور عن قتادہ" روایت کیا ہے لیکن اس طریق میں "نوح بن قیس بصری الحدانی" پر بعض ائمہ حدیث نے جرح فرمائی ہے۔مثلاً:

امام احمدؒ ابن معینؒ اور عجلیؒ نے اس کو "ثقہ" قرار دیا ہے۔علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صدوق لیکن "متهم بالتشیع تھا۔" ابوداؤد کا قول ہے کہ: "تشیع کرتا تھا۔" یحییٰؒ نے اس کی "تضعیف" کی ہے۔نسائیؒ فرماتے ہیں کہ: "اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" علامہ ذہبیؒ اسے "صالح الحال" بتاتے ہیں(2)۔

---

(١) [الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمه ٧٧،التاریخ الکبیر للبخاری ج١،ص ٨٠،الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمه ٤،الضعفاء الکبیر للعقیلی ج١ ص١٤٠،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج١،ص ٣٦٢،المجروحین لابن حبان ج١،ص ١٨٨،الکامل فی الضعفاء لابن عدی ج٢،ترجمه ٤٢٢_الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمه ١٢٧،میزان الاعتدال للذهبی ج١،ص ٣٢١_تهذیب التهذیب لابن حجر ج١،ص ٤٥٥_المجموع فی الضعفاء والمتروکین للسیروان ص ٦٤،٢٩٠،٤١٣_مجمع الزوائد للهیثمی ج٤،ص ١١١،٣٥،ج٩،ص ١٢٥_فهارس مجمع الزوائد للزغول ج٣،ص ٣٥٨_سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانی ج٤،ص ٦٢]

(٢) [تقریب التهذیب لابن حجر ج٢،ص ٣٠٨،تهذیب التهذیب لابن حجر ج١٠،ص ٤٨٥،معرفة الاحوذی للمبارکفوری ج٣،ص ١٤٨۔]

۶۔((قال محمد بن اسحاق عن خلاد عن عطاء عن طاؤس عن ابن عباس کان ابلیس قبل ان یرتکب المعیصة من الملائکة اسمه عزازیل وکان من اشد الملائکة اجتهادا واکثرهم علما فذلک دعاه الی الکبر وکان من حیی یسمون جنا))(۱)

''طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابلیس اپنی معصیت کے ارتکاب سے قبل ملائکہ میں سے تھا۔اس کا نام عزازیل تھا وہ دنیا کے باشندوں میں سے تھا۔وہ ملائکہ میں سب سے بڑا مجتہد اور زیادہ علم رکھنے والا تھا۔اس کی اس بات نے اسے تکبر میں مبتلا کردیا۔وہ اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جس کو جن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔''

۷۔((قال قتادہ عن سعید بن المسیب کان ابلیس رئیس الملائکة بالسمآء الدنیا))[ایضا]

''سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس آسمان دنیا کے فرشتوں کا رئیس تھا۔''

اس موضوع پر ان کے علاوہ اور بہت ساری روایات کتب تفاسیر میں مل جائیں گی۔مثال کے طور پر امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا،جنتوں کا داروغہ تھا،آسمان دنیا کا بادشاہ تھا،زمین کا بھی سلطان تھا،اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ بڑھتا جارہا تھا،اس کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو تھا پس اس کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہوگیا۔بربنائے تکبر اس نے صاف انکار کردیا اور کافروں میں جاملا۔(۲)

''حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ جن تھا،یعنی جنت کا خازن تھا جیسے لوگوں کی شہروں کی طرف نسبت کردیتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ مکی،مدنی،بصری،کوفی،یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا۔یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا،اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن رہتا تھا زمین پر۔سب فرشتوں سے زیادہ علم والا تھا،اسی وجہ سے

(۱) [تفسیر ابن کثیر ج ۱،ص ۵۳و کذافی البدایة والنهایة لابن کثیر ج۱،ص ۵۵]
(۲) [تفسیر ابن کثیر مترجم (ج۳،ص ۱۰۴) البدایة والنهایة لابن کثیر ج۱،ص ۷۳]

بھول گیا تھا۔اس کے قبیلے کا نام جن تھا۔آسمان وزمین کے درمیان آمدورفت رکھتا تھا،رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا...... کہتے ہیں یہ تو جنت کے اندر کام کاج کرنیوالوں میں سے تھا۔[ایضاً]

اور''ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں 'جن' کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا،اس قبیلے کے سوا اور فرشتے سب کے سب نوری تھے،قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے:﴿من نارج من نار﴾[سورۃ الرحمٰن ۱۵] آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اسے 'مارج' کہتے ہیں جس سے جن پیدا کیے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔زمین میں پہلے جن بستے تھے انہوں نے فساد اور خونریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا لشکر دے کر بھیجا،انہی کو جن کہا جاتا تھا۔ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔''[تفسیر ابن کثیر مترجم ج۱،ص۹۲،۹۷]

حاصل کلام:

ان تمام تفسیری روایات کی موجودگی کے باوجود حق تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ سے مروی کوئی صحیح وصریح اثر سرے سے موجود ہی نہیں ہے جتنی بھی تفسیری روایات ملتی ہیں ان کا مدار مختلف صحابہ کرامؓ کے موقوفاً مروی اقوال پر ہے،اور ان میں سے بھی اکثر اقوال ضعیف الاسناد ہیں جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے اگرچہ شریعت میں صحابہ کرامؓ کا قول وعمل بھی امت کے لیے حجت ہوتا ہے (بشرطیکہ وہ قطعی طور پر ثابت ہو اور قرآن وسنت ثابتہ کے صریح وعمومی احکام کے خلاف نہ ہو) مگر اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسول ﷺ کے تربیت یافتہ اور ان کے مخاطب صحابہ کرامؓ علم وفضل اور تقویٰ وبزرگی کے اعتبار سے اگرچہ ارفع واعلیٰ مسانید پر فائز ہیں لیکن بہر حال وہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ہرگز معصوم عن الخطاء نہیں تھے،لہٰذا بعض اجتہادی معاملات میں ان سے سہو اور تسامح کا صدور ممکن ہی نہیں بلکہ تقاضائے بشریت ہے۔

فریق ثانی (یعنی ابلیس کو جن کہنے والوں) کے دلائل:

اب ذیل میں فریق ثانی کے دلائل پیش خدمت ہیں جو ابلیس کو ملائکہ میں سے تسلیم نہیں کرتے:

1۔ پہلی دلیل: ابلیس اور فرشتوں کا مادہ تخلیق مختلف ہے۔ ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس کو نار سموم سے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس مرفوع حدیث میں مروی ہے:

((خلقت الملائكة من نور وخلق ابليس من نارسموم وخلق ادم عليه السلام مما قد وصف لكم))[1]

"فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور ابلیس کو آگ کی لپٹ سے اور حضرت آدمؑ کو اس (مٹی) سے جو تمہارے لئے (قرآن مجید میں) بیان کر دی گئی ہے۔"

قرآن کریم میں بھی متعدد مقامات پر ابلیس کو آگ سے پیدا کئے جانے کا ذکر موجود ہے مثلاً:

﴿وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ [سورۃ الرحمٰن ۱۵]

"اور جنات کو (خاص) آگ کی لپٹ سے پیدا کیا گیا۔"

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [سورۃ الحجر ۲۷]

"اور جن کو اس سے قبل آگ کی گرم لپٹ سے پیدا کر چکے تھے۔"

﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ﴾ [الاعراف ۱۲، ص ۷۶]

"(ابلیس) بولا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے"

ابلیس اور ملائکہ چونکہ دو مختلف مادوں سے تخلیق کئے گئے ہیں لہٰذا ان کی عادات، صفات اور طبائع بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں جو آپس میں ان کی جنس کے مختلف ہونے کی دلیل ہے۔

2۔ دوسری دلیل: فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، اور نہ ہی ان کا نکاح و تولید و افزائش نسل کا سلسلہ موجود ہے جبکہ جن انسانوں کی طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، مذکر و مونث دونوں جنسیں بھی ان میں موجود ہیں اور تولید و افزائش نسل کا سلسلہ بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

(۱) [مسلم ج۸ ص ۲۲۶، کتاب التوحید لابن منده ج۱ ص ۳۲ تاریخ جرجان للسهمی ص ۶۲ الأسماء والصفات للبیهقی ص ۲۷۷ تاریخ ابن عساکر (۲: ۳۱۰) فتح الباری ۲/ ۳۰۶]

''سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، ملائکہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے، نہ نکاح کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ ہے۔''(۱)

اور علامہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''بیشک جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں وہ بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے اور افزائش نسل کرتے ہیں''(۲)

قرآن کریم میں بھی جن کی اولاد ہونے کا ذکر بصراحت موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾

''پھر بھی کیا تم اس کو اور اس کی ذریت (اولاد) کو مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ یہ ظالموں کے لیے بہت برا بدل ہے۔'' [سورۃ الکہف ۵۰]

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''شیطان کی ذریت، توابع، مددگار اور اس کا لشکر ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔''

لیکن بعض مفسرین نے سورۃ کہف کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں خواہ مخواہ کا تکلف برتا ہے چنانچہ ان کا دعویٰ ہے کہ: ''اس جگہ ذریت سے مراد معین ومددگار ہیں یہ ضروری نہیں کہ شیطان کی صلبی اولاد بھی ہو۔'' علامہ قرطبیؒ اپنی کتاب ''التذکرۃ'' میں فرماتے ہیں: ''یہ واضح نہیں ہے کہ جنوں میں سلسلہ تولید موجود ہے لیکن ایسا کہنے کی ممانعت مذکور نہیں ہے۔ ملائکہ کے برخلاف ان میں مذکر ومؤنث موجود ہیں۔''

حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک صحیح حدیث میں شیطان کی صلبی اولاد کا موجود ہونا اس طرح مروی ہے: ''...... بازار ایسی جگہ ہے جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ:

''حضرت معاویہؓ بن الحکم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپؐ سے ایک ایسی بات دریافت کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق آپؐ سے کسی نے سوال نہ کیا ہوگا۔ (وہ بات یہ ہے کہ) ہمارے باپ کون تھے؟ آپؐ نے فرمایا، حضرت

(۱) [فتح الباری لابن حجر (ج۶، ص ۳۰۶)]

(۲) [البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۵۶]

آدمؑ ،(پھر سوال کیا) ہماری ماں کون تھیں؟ (آپؐ نے فرمایا) حواءؑ (پھر سوال کیا)، جن کا باپ کون تھا؟ جواب دیا کہ ابلیس ، پھر پوچھا کہ جنات کی ماں کون تھی ؟ آپؐ نے فرمایا، اس کی عورت ۔''(۱)

اس حدیث کو طبرانیؒ نے ''معجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے لیکن علامہ ھیثمیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس کی اسناد میں ایک راوی طلحہ بن زید ہے جس کی امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے تضعیف کی ہے، لیکن ابن حبانؒ نے اس کا ذکر اپنی کتاب الثقات میں کیا ہے (۲)

اگر چہ طبرانیؒ کی یہ حدیث سنداً ضعیف ہے مگر ملائکہ کے برخلاف ابلیس کو صاحب العائلہ اور صاحب اولاد ثابت کرتی ہے ۔ ابو یعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ:

''ابو اسحٰق بن شاقلاؒ نے اپنی تعلیقات میں لکھا ہے کہ ہمارا اجماع ہے کہ ملائکہ میں نکاح نہیں ہوتا اور نہ ان کی اولاد ہوتی ہے لیکن ابلیس صاحب اولاد ہے ۔ اس کا صاحب اولاد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ملائکہ سے مختلف جنس ہے اگر چہ ابو بکر عبدالعزیزؒ کا ظاہر کلام ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔''(۳)

3۔ تیسری دلیل: ابو اسحٰق بن شاقلاؒ مزید فرماتے ہیں:

''ابلیس میں شہوت بھی موجود تھی جو اسے ملائکہ سے مختلف جنس ثابت کرتی ہے۔''

لیکن ابو اسحٰق کے اس قول کا جواب فریق اول اس طرح دیتا ہے:

''ابلیس کی شہوت اس کے دیوان سے معزول کئے جانے کے بعد بیان کی گئی ہے ۔ جس طرح کہ ہاروت و ماروت کے قصہ میں شہوت کا ذکران کو دنیا میں اتارے جانے کے بعد کیا گیا ہے۔ [ایضا]

4۔ چوتھی دلیل: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو پیدائشی طور پر فطرۃ وطبعا اپنا مطیع وفرمانبردار بنایا ہے چنانچہ علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

''علمائے دین میں سے جمہور اعظم کا تمام ملائکہ کی عصمت پر اتفاق ہے۔''(۴)

---

(۱) | معجم الاوسط للطبرانی | (۲) | مجمع الزوائد للهیثمی ج۱ ص ۱۹۳ |

(۳) | غرائب الجن و الشیاطین للشبلی ص ۲۰۹، ۲۱۱ |

(٤) | تفسیر کبیر للرازی ج۲، ص ۱٦٦، طبع دار الکتب بطهران |

قرآن کریم کی متعدد آیات میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾[التحریم،٦]

''اللہ تعالیٰ جو حکم بھی ان کو دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾[النحل،٥٠]

''وہ اپنے رب کی سرکشی نہیں کرتے جو ان کے اوپر ہے، ڈرتے رہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُوْنَ ، لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهِ يَعْمَلُوْنَ ﴾[الانبیاء٢٦،٢٧]

''بلکہ (وہ فرشتے اس کے)معزز بندے ہیں ،وہ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرسکتے اور وہ اسی حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔''

یہ تمام آیات فرشتوں کی تمام معاصی سے برأت ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں بخلاف اس کے جنات کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی طرح ذی اختیار بنایا ہے۔ان میں برے بھلے، کفروایمان اور اطاعت ومعصیت کی تمیز کرنے کی صلاحیت رکھی ہے۔چونکہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جن تھا اسی باعث اس کے لیے اپنے ذاتی اختیار وارادہ سے تکبر وغرور میں مبتلا ہوکر فسق ومعصیت کی راہ اختیار کرنااور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری سے خارج ہونا ممکن ہوا۔شیطان کی ذاتی ،عمدا اور اختیاری حرکت کے لیے قرآن حکیم میں بصراحت ''ابی واستکبر''[البقرۃ ،٣٤](یعنی اس نے انکار اور تکبر کیا)اور ''فسق''[الکھف، ٥٠](یعنی اس نے نافرمانی کی)کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم سورہ کہف کی آیت ٥٠ کی تفسیر کے خلاصہ میں ابلیس کی نافرمانی کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''......اس (ابلیس) نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا(کیونکہ جنات کا عنصر غالب جس سے وہ پیدا کیئے گئے ہیں، آگ ہے اور عنصر نار کا مقتضا پابند نہ رہنا ہے مگر اس تقاضائے عنصری کی وجہ سے ابلیس کو معذور نہ سمجھا جائے گا کیونکہ اس تقاضائے عنصری کو خدا کے خوف سے مغلوب کیا جاسکتا تھا)''۔ (١)

---

(١) [معارف القرآن ،از مفتی شفیعؒ (ج٥،ص ٥٨٧)]

5۔ پانچویں دلیل: سورۂ کہف کی آیت ۵۰، ابلیس کے ''جن'' ہونے پر صریح نص ہے جو فرشتوں سے الگ مخلوق کی ایک مستقل صنف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [سورة الكهف ۵۰]

''اور جس وقت ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے، سو سب سجدے میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔''

اس یا بعض دوسری آیات (۱) میں ابلیس کا ملائکہ کے ساتھ جو استثناء بیان ہوا ہے اس سے ہی بعض مفسرین کو ابلیس کے فرشتہ ہونے کا گمان ہوا ہے، حالانکہ یہ استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے آیت ''کان من الجن'' کی تفسیر میں اس استثناء متصل و منقطع کے متعلق علماء کے اختلافات کو نقل فرمایا ہے:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن ملائکہ کی ہی ایک قسم ہیں کیونکہ یہ استثناء متصل ہے جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے اور ابلیس ''ابوالجن'' ہے پس اس کی ذریت بھی ہے جس کا ذکر اس کے ساتھ اسی آیت میں آگے کیا گیا ہے اور ملائکہ کی کوئی ذریت نہیں ہے۔ (۲)

امام جلال الدین المحلیؒ والسیوطیؒ نے متعدد مقامات پر ''ابلیس'' کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''وہ ابوالجن تھا اور ملائکہ کے درمیان رہتا تھا۔'' (۳)

''وہ ابوالجن تھا اور اس کی مصاحبت ملائکہ کے ساتھ تھی وہ ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا تھا۔'' (٤)

---

(۱) [سورۂ بقرہ۔ ۳٤/سورۃ اعراف ۱۱۔ الحجر ۳۱/طہ۔ ۱۱٦/ص ۷٤۔ الاسراء ٦۱]

(۲) [سورۂ بقرہ۔ ۳٤/الاعراف ۱۱۔ الحجر ۳۱/ طہ ۱۱٦۔ ص ۷٤۔ الاسراء۔ ٦۱]

(۳) [تفسیر جلالین برحاشیہ قرآن کریم، ص ۲٤۸، طبع مکتبۃ الشعبیہ بمصر]

(٤) [ایضاص ۷، ۱۲٤، ۲۱۷ تفسیر سورۃ البقرۃ ۳٤۔ الاعراف ۱۱۔ الحجر ۳۱)]

ایک اور مقام پر "شیطان" کی تفسیر میں "ابلیس"[1] اور "الجان" کی تفسیر میں "ابو الجن یعنی ابلیس"[2] لکھا ہے۔ الغرض امامین جلیلین المحلیؒ والسیوطیؒ کی تحقیق کے مطابق ابلیس ابو الجن تھا خود فرشتہ نہ تھا لیکن ملائکہ کے ساتھ مصاحبت کرتا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا نیز ابلیس، شیطان اور جن دراصل ایک ہی صنف کے مختلف نام ہیں۔

ابلیس کے استثناء کی گتھی سلجھانے کے لیے مختلف اصحاب تفاسیر نے نت نئی تاویلات اور آراء درج کی ہیں جن میں سے چند ایک ابلیس کے فرشتہ ہونے کی تائید میں بیان کی جانے والی بحث میں اوپر مذکور ہو چکی ہیں اور چند یہاں پر بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

"یعنی ابلیس فرشتوں سے نہ تھا بلکہ جنوں میں سے تھا اسی لیے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لیے ممکن ہوا...... رہا یہ سوال کہ جب ابلیس فرشتوں سے نہ تھا تو پھر قرآن کا یہ طرز بیان کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم نے ملائکہ کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو سجدہ کا حکم دینے کے معنی یہ تھے کہ وہ تمام مخلوقات ارضی بھی انسان کی مطیع فرمان بن جائیں جو کرۂ زمین کی عملداری میں فرشتوں کے زیر انتظام آباد ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کے ساتھ یہ سب مخلوقات بھی سر بسجود ہوئیں مگر ابلیس نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔"[3]

اور مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم سورۃ بقرہ کی آیت ۳۴ کی تشریح وتفسیر میں فرماتے ہیں:

"اس آیت میں جو بات صراحۃً مذکور ہے وہ تو یہ ہے کہ آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر جب استثناء کر کے یہ بتلا دیا گیا کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ سجدۂ آدمؑ کا حکم اس وقت کی تمام ذوی العقول مخلوقات کے لیے عام تھا جن میں فرشتے اور جنات سب داخل ہیں مگر حکم میں فرشتوں کے ذکر پر اس لیے اکتفا کیا گیا کہ وہ سب سے افضل اور اشرف تھے۔ جب حضرت آدمؑ کی تعظیم کا حکم ان کو دیا گیا تو جنات کا بدرجہ اولیٰ اس حکم میں شامل ہونا معلوم ہو گیا۔"[4]

(۱) [ایضاً ص ۱۲۵، تفسیر سورۃ الاعراف ۲۰۷)] (۲) [ایضاً ص ۲۱۷]

(۳) [تفہیم القرآن للمودودیؒ (ج ۳ ص ۳۰ حاشیہ ۴۸) سورۃ کہف ۵۰)]

(۴) [معارف القرآن از مفتی شفیعؒ (ج ۱ ص ۱۲۹) ادارۃ المعارف کراچی]

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"حکم سجدہ فرشتوں کو ہوا تھا ابلیس اس میں تبعاً شامل قرار دیا گیا۔ سورہ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے: ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ [سورة الاعراف ۱۲/] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا۔ اسی لیے اس سورت کی جو آیات ابھی آپ نے پڑھی ہیں جن سے ظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لیے مخصوص ہونا معلوم پڑتا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اصالۃً یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں کے اندر موجود تھا اس لیے تبعاً وہ بھی اسی حکم میں شامل تھا کیونکہ آدمؑ کی تعظیم وتکریم کے لیے جب اللہ تعالیٰ کی بزرگ مخلوق فرشتوں کو حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق کا تبعاً اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر تھا، اسی لیے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد نہیں ہوتا اور شاید قرآن کریم کے الفاظ "ابی ان یکون مع السجدین" [الحجر ۳۱/] میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا کہ ابی ان یسجد کے بجائے ان یکون مع السجدین ذکر فرمایا ہے جن سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل ساجدین تو فرشتے ہی تھے مگر عقلاً لازم تھا کہ ابلیس بھی ان میں موجود تھا تو وہ بھی ملائکہ ساجدین کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ اس کے عدم شمول پر عتاب فرمایا گیا۔"(۱)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم اور مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی توجیہات سے قدرے ہٹ کر علامہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"الغرض جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدمؑ کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ان ملائکہ کے خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا۔ کیونکہ اگرچہ وہ ان ملائکہ کے عنصر تخلیق سے نہ تھا، لیکن پھر بھی اس میں ملائکہ سے بہت کچھ مشابہت موجود تھی (یعنی ملائکہ بھی نظروں سے مستور ہوتے ہیں اور جن بھی) پس وہ اس خطاب میں داخل تھا جو ملائکہ کے لیے تھا۔"(۲)

ابلیس کو ملائکہ میں سے ثابت کرنے والے سب سے بڑے وکیل علامہ شیخ ابوبکر عبدالعزیزؒ کو استثناء متصل کی بھرپور وکالت کرنے کے بعد جب سورۂ کہف کی آیت ۵۰ اپنے موقف

(۱) [معارف القرآن للشفیع، ج۱، ص ۲۸۷، ۲۸۸] (۲) [تفسیر ابن کثیر ج۱، ص ۵۳]

سے متعارض نظر آئی تو اس کی تاویل اس طرح فرمادی:

"اگر یہاں بعض لوگ ابلیس کے مختلف ناموں یا اس آیت کو پیش کریں "الا ابلیس کان من الجن" تو اس سلسلہ میں بعض محققین کا قول ہے کہ "جن" بھی ملائکہ کی ہی ایک قسم ہے جن کو "جن" کہا جاتا ہے جس طرح کہ کروبیون، روحانیوں، خزنہ، زبانیہ وغیرہ سب ایک ہی جنس کی مختلف انواع کے نام ہیں، اسی طرح آدمی، زنج وعرب وعجم (کہلاتے ہیں) پس اگر کہنے والا کہے کہ میں نے اپنے تمام غلاموں کو فرمانبرداری کا حکم دیا پس انہوں نے اطاعت کی سوائے فلاں کے پس وہ زنج سے تھا اور اس نے میری نافرمانی کی۔ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ اس کا زنجی غلام جنسیت کے اعتبار سے ان باقی غلاموں میں شریک نہ تھا یا وہ باعتبار نوعیت اس سے الگ تھے۔"(1)

علامہ ابوبکر عبدالعزیزؒ کی یہ تفسیر اگر تاویل بعید نہیں تو کم از کم قرآن کریم کے ظاہری کلام سے مختلف اور محتاج دلیل بہرحال ہے۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور ابلیس کے درمیان تمام مکالمہ براہ راست ہوا تھا، جن بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ سے شیطان کا مکالمہ کسی فرشتے کے توسط سے ہوا تھا"

انہوں نے قرآنی آیات کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر محض تکلف کیا ہے چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۴ کے فائدہ میں لکھتے ہیں:

"فرشتوں کو بلاواسطہ حکم کیا ہوگا اور جنوں کو کسی فرشتہ وغیرہ کے ذریعہ سے کیا گیا ہوگا۔"(2)

اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سورۃ ص کی آیت ۶۹ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ ملاء اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شیطان کا مکالمہ دوبدو نہیں بلکہ کسی فرشتے ہی کے توسط سے ہوا ہے۔"(3)

سورۃ الاعراف کی آیات ۱۲ تا ۱۸، سورۃ الحجر کی آیات ۳۲ تا ۴۳ اور سورۃ ص کی آیات ۵۷ تا ۵۸ صاف طور پر بتاتی ہیں کہ ابلیس سے اللہ تعالیٰ کا مکالمہ دوبدو اور براہ راست ہوا تھا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

(1) [غرائب الجن والشیاطین للشبلی ص ۲۰۹، ۲۱۱]
(2) [قرآن مع ترجمہ وتفسیر اختصار شدہ بیان القرآن للتھانوی ص ۶ طبع تاج کمپنی]
(3) [تفہیم القرآن للمودودی ج ۴، ص ۳۴۷، حاشیہ ۵۹]

﴿قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ،قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ،خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ،قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ،قَالَ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ،قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ،قَالَ فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ،ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ،قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾[سورۃ الاعراف،۱۲تا۱۸]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون سا امر مانع ہے جبکہ میں تجھ کو حکم دے چکا، کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے ،حق تعالیٰ نے فرمایا: تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر، سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا ہے۔وہ کہنے لگا مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی۔ وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور انکی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثروں کو شکر کرنے والا نہ پائیں گے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جو شخص ان میں تیرا کہنا مانے گا، میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

﴿قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾[سورۃ الحجر،۳۲تا۴۳]

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس تجھ کو کون سا امر باعث ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں

شامل نہ ہو؟ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے، پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: (اچھا پھر) یہاں سے نکل جا کیونکہ بیشک تو مردود ہو گیا اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔ کہنے لگا کہ اے رب پھر مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اچھا) تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ کہنے لگا: اے رب! بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے (بحکم تکوین) گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں دنیا میں ان کی نظر میں معاصی کو مرغوب کر کے دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے۔ واقعی میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے ان سب سے بے شک جہنم کا وعدہ ہے۔''

6۔ چھٹی دلیل: اسلاف میں سے حسن بصریؒ، قتادہؒ اور شہر بن حوشبؒ وغیرہ ابلیس کو ملائکہ سے نہیں بلکہ جنات میں سے بتاتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے:

((عن الحسن ،ماكان ابليس من الملائكة طرفة عين وانه لاصل الجن كماان آدم اصل البشر))(۱)

''ابلیس لمحہ بھر کے لئے بھی فرشتہ نہیں رہا، وہ اسی طرح جنات کا باپ ہے جس طرح حضرت آدم انسانوں کے باپ ہیں''

((عن شهربن حوشب ،كان ابليس من الجن الذين طردوهم الملائكة فاسره بعضهم وذهب به الى السمآء))(۲)

''حضرت شہر بن حوشبؒ سے مروی ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا۔ جن کو ملائکہ نے مارا تھا پھر بعض ملائکہ نے اس کو قید کر لیا تھا اور اپنے ساتھ آسمان پر لے گئے تھے۔''

علامہ ابو القاسمؒ انصاری فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ ابو الحسنؒ کا مسلک اور ابو اسحٰق بن شاقلاؒ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ میں

(۱) [رواہ ابن جریرو کذافی البدایۃ والنہایۃ(ج ۱،ص ۵۵،۷۳)حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ''حسن سے اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔'' (تفسیرابن کثیرج ۱،ص ۵۳)]

(۲) [رواہ ابن جریر و کذافی البدایۃ والنہایۃ (ج۱،ص ۵۵)تفسیر لابن کثیر(۵۳/۱)]

سے نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔ ابو اسحٰقؒ نے علامہ عبدالعزیزؒ پر حسن بصریؒ کے قول کو دلیل بنا کر ابلیس کے ملائکہ میں سے ہونے کی سخت تردید فرمائی ہے۔"(۱)

علامہ شیخ محدث القاضی بدارالدین عبداللہ الشبلیؒ (م ۷۶۹ھ) جو بقول علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام ذہبیؒ کے تلامذہ میں سے تھے، فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ ابن شافلاً کا قول جسے ابن ابی الدنیا نے بطریق علی بن محمد بن ابراہیم حدثنا ابو صالح حدثنی معاویۃ بن صالح عن العلاء بن الحارث حدثہ، عن ابن شہاب روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابن شافلاً سے ابلیس کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: ابلیس جنات میں سے تھا بلکہ وہ تو ابو الجن ہے جس طرح کہ آدمؑ انسانوں میں سے ہیں اور ابوالناس ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!" [ایضا]

مشہور مفسرین میں سے علامہ ابن کثیرؒ(۲) علامہ شیخ فخر الدین الرازیؒ(۳) اور علامہ زمخشریؒ وغیرہ ابلیس کے ملائکہ میں سے ہونے کے بجائے جنات میں سے ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ حافظ ابن کثیرؒ سورۃ الکہف کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا وہ جنات کی اصل ہے۔ جیسے کہ حضرت آدمؑ انسان کی اصل ہیں۔"(٤) اسی طرح دورِ حاضر اور ماضی قریب کے مفسرین میں سے علامہ شیخ علی الصابونی(٥) ڈاکٹر محمد محسن خان، ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی المراکشی(٦) اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ(۷) وغیرہ نے بھی ابلیس کو فرشتہ تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے متعلق جنات میں سے ہونے والے قول کو ترجیح دی ہے چنانچہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ مرحوم اپنی تفسیر تفہیم القرآن کے بعض مقامات پر بصراحت فرماتے ہیں:

"......نیز کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہیے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا آگے چل کر قرآن

---

(۱) [غرائب الجن والشیاطین للشبلی ص ۲۰۹، ۲۱۲]

(۲) [تفسیر لابن کثیر مترجم ج۳، ص ۱۰٤] (۳) [التفسیر الکبیر للرازی ج۲، ص ۱۷۰، و کذافی التفسیر لابن کثیر مترجم ج۳، ص ۱۰٤]

(٤) [تفسیر لابن کثیر مترجم ج۳، ص ۱۰٤] (٥)[صفوۃ التفاسیر للصابونی ج۱ مص۵۲]

(٦) [انگریزی ترجمہ وتفسیر روح المعانی القرآن کریم (سورۃ الکہف ـ ۵۰) طبع ترکی]

(۷) [تفہیم القرآن للمودودی ج۱، ص ٦٥، ٦٦، حاشیہ ٤٦، ج۳، ص ۳۰، حاشیہ ٤٨]

نے خود تصریح کر دی ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا جو فرشتوں سے الگ مخلوقات کی ایک مستقل صنف ہیں۔"[1]

"...... یہ تصریح ان غلط فہمیوں کو رفع کر دیتی ہے جو عموماً لوگوں میں پائی جاتی ہیں کہ ابلیس فرشتوں سے تھا اور فرشتہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ معلم الملکوت۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر، آیت ۲۷، اور سورۃ الجن آیات ۱۳، ۱۵۔"[2]

علمائے سلف وخلف کی قرآن وسنت کے عین مطابق ان تمام تصریحات کے باوجود فریق اول کے دوسرے بڑے وکیل علامہ آلوسیؒ اور ان کی تقلید میں ماضی قریب کے مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم وغیرہ ابلیس کو ملائکہ میں سے منوانے پر بضد ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"مسئلہ: یہ بات قابل غور ہے کہ ابلیس علم ومعرفت میں یہ مقام رکھتا تھا کہ اس کو طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا پھر اس سے یہ حرکت کیسے صادر ہوئی؟ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کے تکبر کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی دی ہوئی معرفت اور علم وفہم کی دولت اس سے سلب کر لی۔ اس لیے ایسی جہالت کا کام کر بیٹھا، بعض نے فرمایا کہ حب جاہ اور خود پسندی نے حقیقت شناسی کے باوجود اس بلا میں مبتلاء کر دیا۔ تفسیر روح المعانی میں اس جگہ ایک شعر نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض اوقات کسی گناہ کے وبال سے تائید حق انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو اس کی ہر کوشش اور عمل اس کو گمراہی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ شعر یہ ہے: اذلم یکن عون من الله للفتی فاول مایجنی علیه اجتهاده"[3]

اسی طرح شیخ ابوالوفاء علی بن عقیلؒ بھی اپنی کتاب "الارشاد" میں فرماتے ہیں:

"اگر کوئی تم سے یہ سوال کرے آیا ابلیس ملائکہ میں سے تھا یا نہیں؟ تو ہمارے بعض اصحاب کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ جواب دو کہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔"

خلاصہ کلام اور راجح موقف

خلاصہ کلام یہ کہ ابلیس کے ملائکہ میں سے ہونے کے متعلق فریقین کے تمام دلائل اور ان کا تقابلی وعلمی جائزہ اوپر پیش کیا جا چکا ہے، ان تمام دلائل کو سامنے رکھ کر اگر قطعی غیر جانبدارانہ نظر

(۱) [ایضاً ج۱، ص ۶۵، ۶۶، حاشیہ ۴۶] (۲) [ایضاً ج ۳، ص ۳۰، حاشیہ ۴۸]
(۳) [معارف القرآن للشفیعؒ (ج ۱، ص ۱۳۲) روح المعانی للآلوسی]

سے مطالعہ کیا جائے تو یہی بات باعتبار عقل و دانش زیادہ صحیح اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے عمومی احکام سے قریب تر نظر آئے گی کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جنات میں سے تھا۔صحابہ کرامؓ اور سلفؒ وصالحین سے ابلیس کے فرشتہ ہونے کے سلسلہ میں جو اقوال مروی ہیں ان کی تائید رسول ﷺ کے کسی فرمان سے نہیں ہوتی مزید یہ کہ ان موقوف اقوال کی روایات میں سے اکثر انتہائی ضعیف الاسناد، منکر اور نا قابل احتجاج بھی ہیں ،اگر الا ماشاء اللہ کسی روایت کی اسناد صحیح ہیں تو بھی اس کا ماخذ یا تو اسرائیلی روایات ہیں یا پھر دور جاہلیت کا وہ تصور جس کی طرف عبداللہ بن مسعودؓ نے اشارہ فرمایا ہے:

''بعض عرب قبائل دور جاہلیت میں ملائکہ کی ایک صنف کی پوجا (عبادت) کیا کرتے تھے۔ملائکہ کی اس صنف کا نام ان لوگوں نے ''جن'' رکھا ہوا تھا۔''(۱)

جہاں تک اسرائیلی روایات کا ان روایات کے اصل ماخذ ہونے کا تعلق ہے تو اس دعوی کی تائید میں ہم انجیل برناباس کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرنے کی اجازت چاہیں گے ،بالخصوص اس کی خط کشیدہ عبارت:

((Jesus departed from jerusalem and went to the desert beyond jordain......Satan who was as it were priest and head of the angels by the great understaning that he possessed knew that God ....))

''حضرت عیسیٰ یروشلم سے رخصت ہوئے اور واردن سے پرے ریگستانوں میں چلے گئے ان کے حواری ،جو ان کے اطراف میں بیٹھے تھے ،نے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کیا،اے مالک! ہمیں باخبر فرمایئے کہ شیطان کس طرح مغرور ہو کر معزول ہوا؟ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نافرمانی کی وجہ سے معزول ہوا ہے......حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا،اللہ تعالیٰ نے زمین کا مادہ (یعنی مٹی) پیدا فرمانے کے بعد پچیس ہزار سال بغیر کچھ کیے ہوئے اسے یوں ہی پڑے رہنے دیا۔شیطان جو کہ بہت عابد اور فرشتوں کا سردار تھا،اعلی عقلی صلاحیتوں کا مالک ہونے کے سبب جان گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس مٹی سے ایک لاکھ چوالیس ہزار انبیاء کو پیدا فرمائے گا......الخ''(۲)

(۱) [رواہ طبری و کذافی فتح الباری لابن حجر(ج۸،ص ۳۹۷)]
(۲) [انگریزی ترجمہ انجیل برناباس ص ٤٥ ،طبع انگلینڈ]

علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اس باب میں وارد اکثر روایات کو اسرائیلی قصص سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''سلف کے اور بھی اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں لیکن یہ اکثر وبیشتر اسرائیلی ہیں۔اس لیے نقل کئے گئے ہیں کہ نگاہ سے گزر جائیں۔اللہ ہی کو ان کے اکثر کا صحیح حال معلوم ہے۔ہاں بنی اسرائیل کی روایتیں وہ تو قطعا قابل تردید ہیں جو ہمارے ہاں کے دلائل کے خلاف ہوں۔بات یہ ہے کہ ہمیں تو قرآن کافی وافی ہے ہمیں اگلی کتابوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ہم ان سے محض بے نیاز ہیں۔اس لیے وہ تبدیل ترمیم کی بیشی سے خالی نہیں ......الخ''(۱)

جب ان روایات کا اسرائیلیات سے ماخوذ ہونا مؤکد ہو چکا ہو تو اس سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ایسی اسرائیلی روایات پر کس درجہ اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان پر اعتماد کرنے کے لیے کن شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسرائیلی روایات پر اعتماد کرنے کے لیے صحیح وثابت احادیث کی شہادت کو لازم قرار دیا ہے، چنانچہ ایک دوسری مشہور اسرائیلی روایت پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس طرح کی حدیثوں پر شریعت کی بناء جائز نہیں اور باتفاق مسلمیں ان سے دین میں قطعا استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح کی حدیثیں اگر کعب الاحبارؒ اور وہبؒ بن منبہ وغیرہ بھی جو اہل کتاب سے دنیا کی پیدائش اور متقدمین کے قصے نقل کرتے ہیں، روایت کرتے تو بھی باتفاق مسلمین شریعت میں ان سے استدلال جائز نہ ہوتا''......الخ''(۲)

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایسی کوئی صحیح اور ثابت حدیث موجود نہیں ہے جو ابلیس کو فرشتہ ثابت کرنے والی اسرائیلی روایات کے لیے مؤید وشاہد بن سکے لہذا اس فکر کی موافقت کرنے والی تمام روایات سے استدلال کرنا درست نہیں بلکہ لائق ترک ہے، واللہ اعلم بالصواب.

❁....❁....❁

(۱) [تفسیر ابن کثیر (ج۳، ص ۱۰٤)]

(۲) [کتاب القاعدة الجليلة فى التوسل والوسيلة، لابن تيميه، (ص ١٤٦، ١٤٧)]

پیش گوئی اور اس کی تعبیر کا صحیح منہج، نبویؐ پیش گوئیوں اور نجومیوں کی پیش گوئیوں میں فرق، خواب اور پیش گوئی کی تعبیر میں فرق، فتنوں اور جنگوں سے متعلقہ نبویؐ پیش گوئیاں اور عصر حاضر میں ان کی تعبیر و انطباق کے درست طریقے اور اس کے علاوہ احادیثِ فتن، الملحمة العظمی، شخصیات، علاقہ جات، غیر مرئیات اور آخری دور میں ہونے والی جنگوں سے متعلقہ نبویؐ پیشگوئیوں کی جمع و ترتیب کے علاوہ معاصر مفکرین کی غلط تعبیروں کا تنقیدی جائزہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

شرعی اصطلاح میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ جہاد اور قتال میں کیا فرق ہے؟ دور حاضر میں جہاد و قتال کے لئے کیا پالیسی اپنائی جائے؟ مقبوضات کی آزادی کے لئے ہمارا لائحہ عمل کیا ہو؟ آزاد مسلم ممالک میں ہونے والی اسلام کش پالیسیوں کے بالمقابل ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ امت مسلمہ کی داخلی کشمکش اور باہمی ناچاقی کا انسداد کیسے کیا جائے؟ عالم اسلام کی مجموعی تعمیر و ترقی اور دفاع کے لئے ہمارا مشترکہ پروگرام کیا ہو؟ یہ اور ان جیسے بہت سے سوالات کی اس کتاب میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

علم نجوم وھت، کہانت و عرافت، دست شناسی، چہرہ شناسی، قیافہ شناسی، فہم و فراست، فال بدشگونی و نحوست، قرآنی فالنامہ، دم تعویذ، استخارہ، ہپناٹزم، یوگا، مراقبہ شعبدہ بازی، علم جفر، علم رمل وغیرہ جیسے تمام علوم کی شرعی حیثیت پر سیر حاصل بحث اور جادو اور جنات کے توڑ کے مؤثر روحانی نسخوں پر مشتمل، افراط و تفریط اور غیر مستند روایات سے پاک اپنے موضوع پر پہلی مستند اور مختصر مگر جامع کتاب

شادی بیاہ کا اسلامی طریقہ اور جاہلانہ رسومات، خلع و طلاق، حلالہ و متعہ، تعدد ازواج، ستر و حجاب، آداب مباشرت، حقوق الزوجین، حقوق الوالدین، حقوق اولاد، مرد و زن کے مخصوص مسائل اور ایسے ہی بیسیوں اہم احکام و مسائل پر مشتمل ایک جامع اور مستند کتاب وللہ الحمد!

E-Mail: mubashir@hotmail.com PH: 0300 4602878